علمی و تحقیقی مجلہ

ششماہی (دوسہ ماہی)

نور معرفت

۶

رجب تا ذوالحجۃ ۱۴۳۰ھ ق

نظریۂ ولایت فقیہ

ضلع اسلام آباد میں علمی ذخائر

عقیدۂ شفاعت از نظر قرآن و سنت

تین طلاقیں: شرعی اور آئینی حیثیت

تہذیب النفس کے مہینے اور دینی مدارس

انسانی معاشرے پر قرآن کے اثرات

آمد امید مستضعفین جہاں، امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف

قرآن کریم میں قسموں کا فلسفہ اور امتیازی پہلو

غلو اور غالیوں کے خلاف ائمہ طاہرینؑ کی جدوجہد

تفسیر عمدة البیان، ایک جائزہ

قرآن کریم میں قسموں کی انواع

دین اور سیاست میں عدم جدائی
(امام خمینیؒ اور مولانا مودودیؒ کے افکار کا ایک جائزہ)

امام جعفر صادق علیہ السلام علماء اہل سنت کی نظر میں

امیر المؤمنین امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام: معلّم عدالت

پاکستان کے امامیہ دینی مدارس کا نظام تعلیم اور عصری تقاضے

شیعہ محدّثین اور ان کی کتب حدیث (۲): شیخ صدوق بحیثیت محدّث

شیعہ محدّثین اور ان کی کتب حدیث (۳) (ثقۃ الاسلام کلینی بحیثیت محدّث)

برصغیر کے شیعہ علماء وفقہاء کے بارے میں لکھی جانے والی کتب کی فہرست

علمی و تحقیقی مجلّہ

شش ماہی (دو سہ ماہی) نور معرفت ۶ اسلام آباد

جلد: ۳ رجب المرجب تا ذوالحجۃ ۱۴۳۰ھ ق بمطابق جولائی تا دسمبر ۲۰۰۹ء شمارہ: ۲

صرف ممبران کے لئے

مجلس ادارت

- سید حسین عارف نقوی
- سید حسنین عباس گردیزی
- سید ثمر علی نقوی
- محمد اصغر عسکری
- جعفر علی میر
- روشن علی

مدیر

سید رمیز الحسن موسوی

ملنے کا پتہ: شعبہ تحقیقات۔ نور الہدیٰ ٹرسٹ۔ (رجسٹرڈ) بارہ کہو۔ اسلام آباد

فون: 051-2231937 ای میل noor.marfat@gmail.com

اہم گذارشات

☆ مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی موضوعات مدیرِ نور معرفت کے نام ارسال کریں۔

☆ بہتر ہے کہ مضمون کمپوز شدہ ہوں اور ان کی ضخامت بیس/پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔ ممکن ہو تو مضمون کی سافٹ کاپی بھی مدیر کے ای۔ میل پر ارسال فرمائی جائے۔

☆ ممکن ہے کہ ادارہ ہر شمارہ کے لیے محققین کو اپنی طرف سے جدید تحقیق طلب موضوعات کے نام ارسال کرے کہ ان پر تحقیق کی جائے۔

☆ حواشی اور حوالہ جات کے لیے اصلی مآخذ کو اختیار کیا جائے اور تفصیل سے لکھے جائیں اس طرح : کتاب ، مصنف، طبع..... سن طباعت..... ج..... ص.....کے ساتھ مضمون کے آخر میں نمبر لگا کر دیے جائیں۔

☆ رسالہ نور معرفت میں علوم قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ، کلام و فلسفہ اور اسلامی تاریخ، تعلیم و تدریس، تقابل ادیان، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت و تمدن، قانون و اصول قانون وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے مقالات شایع کئے جاتے ہیں۔

☆ نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں '' نور معرفت'' کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ علمی کتابوں پر تبصرے کے لیے مدیر نور معرفت کو کتاب کی دو کاپی ارسال کی جائے۔

☆☆☆☆☆

فہرست مطالب

نمبر شمار	سہ ماہی اوّل (جولائی تا ستمبر ۲۰۰۹)		
.1	تہذیب النفس کے مہینے اور دینی مدارس	مدیر	6
.2	قرآن کریم میں قسموں کا فلسفہ اور امتیازی پہلو	سید عقیل حیدر زیدی	10
.3	انسانی معاشرے پر قرآن کے اثرات	سید ثمر علی نقوی	21
.4	عقیدہ شفاعت از نظر قرآن وسنت	سید فرحت علی کاظمی	32
.5	تین طلاقیں: شرعی اور آئینی حیثیت	آفتاب حسین جوادی	42
.6	دین اور سیاست میں عدم جدائی (امام خمینیؒ اور مولانا مودودیؒ کے افکار کا ایک جائزہ)	روشن علی	49
.7	غلو اور غالیوں کے خلاف ائمہ طاہرین کی جد وجہد	سید حسنین عباس گردیزی	73
.8	آمدِ امید مستضعفین جہاں، امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف	محمد علی فاضل	90
.9	ضلع اسلام آباد میں علمی ذخائر	سید حسین عارف نقوی	104
.10	شیعہ محدثین اور اُن کی کتب حدیث (۲)؛ شیخ صدوق بحیثیت محدث	سید رمیز الحسن موسوی	115
	سہ ماہی دوّم (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۹)		
.11	پاکستان کے امامیہ دینی مدارس کا نظام تعلیم اور عصری تقاضے	محمد حسین	126
.12	قرآن کریم میں قسموں کی انواع	سید عقیل حیدر زیدی	141
.13	امیر المؤمنین امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام: معلم عدالت	روشن علی	152
.14	امام جعفر صادق علیہ السلام علماء اہل سنت کی نظر میں	محمد اصغر عسکری	176
.15	نظریہ ولایت فقیہ	سید ثمر علی نقوی	183
.16	برصغیر کے شیعہ علماء وفقہاء کے بارے میں لکھی جانے والی کتب کی فہرست	سید حسین عارف نقوی	204
.17	تفسیر عمدۃ البیان، ایک جائزہ	سید حسین عارف نقوی	208
.18	شیعہ محدثین اور اُن کی کتب حدیث (۳) (ثقۃ الاسلام کلینی بحیثیت محدث)	سید رمیز الحسن موسوی	211

اداریہ

تہذیب النفس کے مہینے اور دینی مدارس

دینی مدارس اور تہذیب نفس، عالم دین اور اخلاق و تقویٰ، علم دین اور معنویت وروحانیت ہمیشہ ایک دوسرے کے ہمراہ رہے ہیں اور ان میں سے ایک کے بغیر دوسرے کا وجود ناممکن ہے۔ دینی مدرسہ بغیر اخلاقیات کے ،عالم دین بغیر معنویت و تقویٰ کے ناقابل تصور ہے۔اگر کوئی دینی مدرسہ بغیر اخلاق ومعنویت کے اور کوئی عالم دین بغیر تقویٰ وروحانیت کے ہو بھی تو بغیر مغز کے چھلکے کی مانند ہے،اُس کی مثال اُس بادام یا اخروٹ جیسی ہے کہ جس کا مغز نکال دیا گیا ہو اور اُس میں فقط چھلکے کے بغیر کچھ بھی نہ بچا ہو۔ وہ ایک کمزور جڑ کی مانند ہے کہ جو ہوا کے ایک ہی جھونکے کے ساتھ اُکھڑ جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں معنویت اور روحانیت بھی بغیر علم ودانش کے انسان کو منزل تک نہیں پہنچا سکتی اور نہ معاشرے کے لئے مشعل راہ بن سکتی ہے اور نہ مادی زندگی کے تاریک گوشوں کو روشن کر سکتی ہے۔ ہمارے ان دونوں دعوؤں کی دلیل خود ہمارے معاشرے میں موجود بغیر علم ودانش کے روحانیت اور بغیر روحانیت ومعنویت کے علم ودانش کا وہ تاریک کردار ہے کہ جس کی تاریکی سے اس وقت پورا معاشرہ متاثر ہو رہا ہے۔

دینی مدارس کے وجود کا اولین مقصد ایسے انسانوں کی پرورش وتربیت ہے کہ جو ان دو پروں (علم و تقویٰ) کے ساتھ پرواز کر سکیں اور انسانی معاشرے کی تعمیر کا فریضہ انجام دے سکیں۔ بنابریں دینی مدارس نہ تو صوفیانہ طرز زندگی اور گوشہ نشینی کے علمبردار ہیں اور نہ ہی تہذیب نفس کے بغیر علم ودانش اندوزی کے ذمہ دار ہیں بلکہ دینی مدارس کی سب سے بڑی ذمہ داری ان دونوں فرائض کی انجام دہی ہے۔ وہ جہاں علوم ومعارف کے تشنہ لبوں کی علمی پیاس بجھانے کے ذمہ دار ہیں وہاں معرفت و علم کی بنیاد پر نفوس کی تہذیب وتربیت کے بھی امین ہیں۔

اگر ہم انبیاء، اولیاء اور اہل بیت اطہار کی تعلیمات کے زیر سایہ پروان چڑھنے والے حوزہ ہائے علمیہ اور دینی مدارس کی تاریخ پر نگاہ دوڑائیں تو انہی دینی مدارس سے اعلیٰ اخلاقی اقدار کی شعاعیں نکلتی ہوئی نظر آتی ہیں اور انہی حوزہ ہائے علمیہ سے شہید اول ، شہید ثانی ، شہید صدر ،علامہ طباطبائی ، شہید مطہری، امام خمینی اور شہید حسینی جیسے ہزاروں مجاہد علمائے دین نکلتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جن کی عبادت وریاضت کے لئے شب زندہ داریاں اندرونی شیطان کے خلاف جہاد اکبر (تہذیب نفس) کی عکاسی کرتی ہیں اور جن کی دینی سیاست بیرونی شیطان عالمی استکبار واستعمار کے خلاف شمشیر برہنہ بن جاتی ہے۔

یہ علم ودانش اور تہذیب واخلاق کا ہی امتزاج ہے کہ مدرسہ فیضیہ کاایک بوریا نشین اپنے وقت کے فرعون کو للکارتا ہے اور اپنے زمانے کے مظلوموں کا ملجیٰ وماویٰ بن جاتا ہے اور ایک عظیم اسلامی حکومت کی بنیاد رکھتا ہے۔ اور یہ جامع ازہر کی اخلاقی تربیت ہی کا نتیجہ ہے کہ شیخ شلتوت جیسا فقیہ دنیائے اسلام کے اتحاد واتفاق کے لئے کلمہ حق بلند کرتا ہے اور یہ تہذیب اخلاق ہی ہے کہ سید جمال الدین اسد آبادی (افغانی) جیسا مجاہد عالم دین شرق سے غرب تک کے مسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے استعمار واستبداد کے خلاف جدوجہد کرتا ہے۔

یہ مکتب نجف ہی کی پرورش کا نتیجہ ہے کہ گوجرانوالہ کے ایک دینی مدرسے ایک بوڑھا عالم دین اپنے تقویٰ وپرہیزگاری کے توشہ کے ساتھ اسلام آباد کے استکباری ایوانوں کو لرزابراندام کر دیتا ہے؛علامہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ کے پاس کوئی مادی وجسمانی طاقت نہیں تھی سوائے علم ودانش اور تقویٰ وپرہیزگاری کے۔ لیکن یہی نحیف ولاغر عالم دین اپنی قوم کے بچے بچے کی دل کی دھڑکن بنا ہوا تھا۔ یہی علم و تقویٰ اور معنویت کا کرشمہ تھا کہ پاراچنار کی سخت چٹانوں سے نکلنے والی '' حسینی '' چنگاری اپنے وقت کے امریکی فرعون کو اپنے خون کی دھار سے نیست ونابود کر دیتی ہے اور آج یہی تہذیب نفس اور علم ودانش سے ترکیب یافتہ نسخہ ہے کہ جو مشہد مقدس کے دینی مدارس میں پرورش پانے والا خامنہ ای ،اپنے معجزانہ بیانات کے ذریعے ہر استکباری واستعماری فتنے کی قلعی کھول کر رہا ہے اور عالمی استکبار کے مقابلے میں اسلامی پرچم بلند کیئے ہوئے ہے۔ یہی نجف وقم کی سرزمین کا پروردہ حسن نصر اللہ ہے کہ جو تہذیب نفس اور دعائے جوشن کبیر کے ہتھیار سے اسرائیلی درندوں سے مسلمین عالم کا انتقام لے رہا ہے۔

دینی مدرسے اور دینی عالم کی سب سے بڑی ذمہ داری عوام اور معاشرے میں اپنے علم ودانش اور کردار کے ذریعے اعلیٰ اخلاقی اقدار اور معنویت کا احیاء ہے۔ جو دینی مدرسہ اور عالم دین یہ ذمہ داری پوری نہیں کر رہا وہ خواہ سب کچھ کر رہا ہو، لیکن ہر گز دین کا احیاء نہیں کر رہا۔ علمائے دین کے اعلیٰ کردار کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت امام خمینی فرماتے ہیں: "میں جوانی کے دنوں میں گرمیوں کی تعطیلات میں بعض علاقوں کی طرف جاتا تھا تو بعض مقامات پر دیکھتا تھا کہ وہاں کے سب لوگ اچھے اور مودب ہیں منجملہ میں نے محلات کا علاقہ دیکھا کہ جہاں کے لوگ بہت دیندار اور بااخلاق تھے اس وقت میں سمجھا کہ وہاں ایک اچھا عالم دین رہتا ہے لہٰذا جہاں بھی کوئی اچھا، عاقل اور دیندار وپرہیزگار عالم گیا ہے تو اس نے وہاں اصلاح کی ہے جس کے نتیجے میں وہاں کے لوگ اچھے ہو گئے ہیں۔ خدانخواستہ اگر اس طبقے (علمائے دین) میں کوئی انحراف پیدا ہو جائے تو یہ انحراف اور گمراہی عوام میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔"

مجلّہ "نور معرفت" کی علمی زندگی کے دو سال پورے ہونے کے بعد علم دوست حضرات کی تشویق پر اب اس علمی

چراغ کو چھ ماہ کے بجائے تین ماہ کے بعد شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کی پہلی سہ ماہی کا آغاز رجب، شعبان اور رمضان المبارک جیسے مہینوں سے ہو رہا ہے کہ جو اسلامی ثقافت میں تہذیب نفس اور قربت الٰہی کے مہینے کہلاتے ہیں اور جن کے بے شمار معنوی فضائل بیان ہوئے ہیں۔ رجب المرجب کا مہینہ جہاں بہت سے ائمہ طاہرین خصوصاً امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے وہاں بعثت پیغمبر ﷺ کا مہینہ بھی ہے کہ جس سے تعمیر انسانیت اور تہذیب نفوس کا آغاز ہوتا ہے۔

اسی طرح ماہ شعبان بھی تہذیب نفس کے ساتھ ساتھ سید الشہداء حضرت امام حسین وامام زین العابدین اور علمدار کربلا حضرت غازی عباس اور آخری منجی بشریت حضرت مہدی آخر الزمان علیہم السلام کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے اور ماہ رمضان المبارک نزول قرآن اور تہذیب نفس کی بلندیوں تک پہنچنے اور جہنم کی آگ سے آزادی کا پروانہ حاصل کرنے کا مہینہ ہے۔ یہ تینوں مہینے درحقیقت تہذیب نفس کی بہار ہیں کہ جن میں خداوند متعال نے انسانوں کو روحانی و معنوی ارتقاء کا بہترین موقع فراہم کیا ہے۔ لہٰذا تمام مومنین خصوصاً علمائے کرام اور طلاب علوم دین کا فریضہ ہے کہ وہ ان ایام میں نہ فقط اپنی تہذیب نفس کی طرف توجہ دیں بلکہ عوام الناس کو بھی تہذیب نفس اور اعلیٰ اخلاقی اقدار اپنانے کی تلقین کریں۔ ہماری نظر میں یہ تینوں مہینے دینی مدارس میں تہذیب نفس اور تہذب اخلاق کے مہینے قرار دیئے جانے چاہیں اور ان ایام میں مدارس کے منتظمین، طلاب کی اخلاقی تربیت کے بارے میں خصوصی لائحہ عمل تیار کریں اور اسے دوسری نصابی سرگرمیوں کی طرح اولیت دیں۔ چونکہ تہذیب اخلاق کے بغیر دینی مدارس اور دینی طلاب، قوم و معاشرے کے لئے وبال جان کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہیں۔

آخر میں موضوع کی مناسبت سے حضرت امام خمینی کے چند بیانات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس اہم مسئلہ کی اہمیت مذید اُجاگر ہو سکے۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اگر تہذیب نفس نہ ہو تو علم توحید بھی بیکار ہے۔ ''العلم ھو الحجاب الاکبر'' جس قدر علم حاصل کیا جائے حتیٰ علم توحید کہ جو سب سے بلند مرتبہ علم ہے ،انسان کے مغز و قلب میں بھر دیا جائے لیکن انسان مہذب نہ ہو تو یہی (علم توحید) انسان کو خدا سے کہیں زیادہ دور کر دیتا ہے۔ ان دینی مدارس میں کوشش کی جانی چاہیے کہ یہ (طلاب) کو مہذب بنائیں۔ یہ مدارس علم فقہ اور فلسفہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ مدارس اخلاق اور حوزہ ہائے تہذیب اور'' سلوک الی اللہ ''کے مدارس بھی ہونے چاہیں۔۔۔۔جب تک معمم اور عالم دین مہذب نہیں ہو گا تو اس کی برائی اور فساد سب سے زیادہ ہو گا۔ بعض روایات میں ہے کہ جہنم میں بعض اہل جہنم، بعض علمائے دین کی بدبو سے اذیت محسوس کریں گے اور دنیا بھی ان میں سے بعض کی بدبو سے عذاب سے دوچار ہے۔

جب تک آپ اپنے نفوس کی اصلاح نہیں کرتے اور خود سازی نہیں کرتے اور اپنی تہذیب نفس نہیں کرتے ،اس وقت تک دوسروں کی تہذیب نہیں کر سکتے جو شخص خود صحیح انسان نہیں وہ دوسروں کو صحیح نہیں بنا سکتا۔ کو شش کریں کہ جو علماء اس وقت دینی مدارس میں ہیں ۔۔۔۔ان جوانوں کی تربیت کریں کہ جو (مدارس میں) ایک سالم فطرت کے ساتھ آتے ہیں ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دس بیس سال کے بعد وہ ایک فاسد فطرت کے ساتھ یہاں (مدارس) سے باہر آئیں۔ لہٰذا تہذیب نفس ضروری ہے۔"

آہ ! خورشید علم و عرفان حضرت آیت اللہ تقی بہجت

گذشتہ دنوں حوزہ علمیہ قم اور دنیائے تشیع کے عظیم مرجع تقلید اور نامور عارف وسالک الی اللہ حضرت آیت اللہ محمد تقی بہجت تقریباً ایک صدی تک معنوی جدوجہد اور نفوس انسانی کی روحانی تربیت ور ہنمائی کے بعد اس جہان فانی سے عالم باقی کی طرف کوچ کر گئے ۔آیت اللہ بہجت کی رحلت یقینا عالم اسلام کا ایک عظیم سانحہ ہے کہ جس کا جبران کسی بھی صورت ممکن نہیں چونکہ اُن کی شخصیت حوزہ علمیہ قم میں اسلاف کی ایک ایسی عظیم نشانی تھی کہ جن کے وجود کی برکات سے ہمارے حوزہ ہائے علمیہ میں ایک خاص معنوی رنگ نظر آتا ہے۔آیت اللہ بہجت جیسے عارف اور راہ خدا کے حقیقی سالک ، صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں ۔وہ حوزہ علمیہ قم کی روح سمجھے جاتے تھے اور اُن کی سادہ اور زاہدانہ طرز معاشرت عصر حاضر میں شیعہ علما کے لئے ایک نمونہ اور اُسوہ کی حیثیت رکھتی تھی اور بہت سے لوگوں کے لئے حجت تھی۔آقائے بہجت کی عرفانی شخصیت میں اس قدر جاذبیت تھی کہ اگرچہ وہ اپنی زبان سے کچھ بھی نہیں بولتے تھے لیکن اُن کی ایک جھلک دیکھ کر ہی بہت سے لوگ روحانیت اور معنویت میں ڈوب جاتے تھے اور اُنہیں دیکھ کر خدا کی یاد آجاتی تھی ۔اُن کے فرمودات اور نصائح اور اخلاقی وعرفانی دستور العمل اور عملی سیرت اُن کی ظاہری زندگی کے بعد بھی اہل عرفان وسلوک کے لئے عظیم سرمایہ ہیں جن میں دلوں کی صفااور روحوں کی پاکیزگی کا سامان موجود ہے۔

حضرت آیت اللہ بہجت نہ فقط عرفانی حوالے سے معروف ہیں بلکہ انقلابی تحریک کے ساتھ بھی آپ کا تعلق مشہور ہے۔انقلاب اسلامی ایران سے پہلے بھی اور بعد میں بھی حضرت آیت اللہ بہجت کا اسلامی تحریک کے بہت سے رہنماوں سے رابطہ برقرار رہتا ہے خصوصاًرہبر انقلاب حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے تعلقات اور حضرت امام کی آیت اللہ بہجت کے بارے میں خصوصی توجہ زبان زد عام وخاص ہے۔ ہم حضرت آیت اللہ بہجت کی رحلت پر حضرت بقیۃ اللہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف اور تمام دنیائے تشیع کی خدمت میں تسلیت پیش کرتے ہیں اور اُن کے درجات کی بلندی کے لئے دعا گو ہیں۔

☆☆☆☆☆

قرآن کریم میں قسموں کا فلسفہ اور امتیازی پہلو

سید عقیل حیدر زیدی المشہدی
فاضل حوزۂ علمیہ مشہد مقدّس، ایران

قرآن کریم اپنے نزول کے وقت سے لے کر آج تک انسانوں کے اَذہان، اَفکار، زبان اور زندگی کے مختلف اُمور میں بڑی حدّ تک اثر انداز رہا ہے، بالخصوص مسلمانوں پر اِس کا اثر اور نفوذ کسی بیان کا محتاج نہیں ہے، طولِ تاریخ میں مختلف علوم و فنون کے محقّقین و ماہرین نے اِس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اُنہیں قرآن مجید کے علاوہ، کسی اور ایسی باعظمت و بارفعت کتاب کا علم نہیں، کہ جس پر بطور متواتر چودہ صدیوں تک تحقیق اور ریسرچ کی جاتی رہی ہو، جس کے عمیق معانی و معارف کو سمجھنے کے لئے مختلف علوم و فنون کی بنیاد پڑی ہو اور ہزاروں ماہرینِ تحقیق نے اِس کتاب مقدّس کے بارے میں وسیع و عریض تحقیقات انجام دی ہوں، لیکن اُس کتاب نے ہر زمانے میں اپنی طراوت، تروتازگی اور شگفتگی کو محفوظ رکھا ہو۔

حضرت علی (علیہ السلام) قرآن کریم کے بارے میں فرماتے ہیں: "قرآن ایسی روشن مشعل ہے کہ جس کی روشنائی و نورانیت کبھی ختم نہیں ہوتی اور ایسا گہرا و عمیق سمندر ہے کہ انسانی فکر اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی۔" [1] قرآن مجید میں بے شمار اُن آیات کے علاوہ جو عقل و فکر کی عظمت و اہمیت کے بارے میں موجود ہیں، قرآن عقلِ انسانی کی پرورش اور فکری جلاء کے لئے بھی بہت سی راہیں پیش کرتا ہے اور انسانوں کو زیادہ سے زیادہ اِن راہوں پر چلنے کی تشویق کرتا ہے اور اِس کے مقابلے میں ہر وہ چیز جو عقل کی رشد و پرورش میں مانع بنتی ہے، اُس کی سخت مخالفت کرتا ہے۔

انسانی عقل کی پیش رفت اور اُس کو رُشد و کمال تک پہنچانے والے راستوں میں سے ایک راستہ، قرآن مجید کی قَسمیں بھی ہیں، کہ جو براہِ راست انسان کی عقل و فکر سے تعلّق رکھتی ہیں اور اُسکی سطح فکری کو بلندی و کمال تک پہنچانے کے لئے پیش کی گئی ہیں، بہت ہی عمیق اور گہرے مطالب، قَسم کی صورت میں بیان ہوئے ہیں اور حقیقت میں پوری ہستی و کائنات، فکر بشری کی دسترس میں قرار دی گئی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خداوند عالم کو کسی قَسم کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اُسکی رحمانیت اِس چیز کے متقاضی ہے کہ ہدایت اور تکامُل بشری کے تمام عوامل و اَسباب کو، چاہے وہ قَسم ہی کی صورت میں ہوں، فراہم کرے، تاکہ عمیق اَفکار کو زیادہ سے زیادہ نکھارنے کا موقع میسّر آئے، اور یہ افکار محسوسات اور ظواہر سے ماورائے طبیعت اور نا محسوس اشیاء کی جانب سیر کر سکیں۔

قسم کھانا اگرچہ ایک بین الاقوامی روش اور طریقہ ہے اور اِس کی سابقہ تاریخ، حیات بشری کے ساتھ بہت طولانی ہے، حتیٰ کہ بشر کے روئے زمین پر قدم رکھنے سے پہلے قسم کا وجود تھا، جب شیطان اِبلیس نے ابوالبشر حضرت آدم کو اپنی جھوٹی قسم کا فریفتہ بنایا اور حضرت آدم و حوّا کے لئے قسم کھا کر خود کو اُن دونوں کا خیر خواہ و ہمدرد ظاہر کیا۔[2] قسم کھانا ہر زبان اور ہر قوم و قبیلے میں رائج رہا ہے اور لوگ اپنی بات کو ثابت کرنے یا اِتہامات واِلزامات کے دور کرنے کے لئے قسم کھاتے رہے ہیں، لیکن قرآن کریم کی خوبصورتی یہ ہے کہ قرآن نے قسم کی اِس روش کو محض تاکید تک محدود نہیں رکھا، بلکہ تاکید کے ساتھ ساتھ عقلی و منطقی استدلال بھی پیش کئے ہیں، اور اس طرح اِس مرسوم و رائج روش میں بنیادی تبدیلیاں ایجاد کی ہے، جو قرآن کریم کا ہی خاصّہ ہے، اور قرآن کریم میں قسم کی اِس روش کو اِس کتابِ مقدّس کے علمی و بیانی اعجاز کی صورتوں میں سے ایک صورت قرار دیا جاسکتا ہے، اگرچہ قرآن میں اِس روش کے ساتھ چیلنج و مقابلہ طلبی نہیں کی گئی، لیکن ہم یقین سے یہ بات جانتے ہیں کہ کوئی بھی انسان اِس طرح کی قسمیں نہیں کھا سکتا۔

اسلام سے پہلے قسم کا پس منظر

قسم کی تاریخ مختلف ملّتوں اور قوموں کے درمیان بہت قدیم ہے اور پوری تاریخ بشریّت میں تمام شہر و دیہات نشین ملّت و اقوام اور ہر گروہ و قبیلہ، اپنے اعتقادات اور ایمان کے مطابق، اُن خاص چیزوں کے ساتھ، کہ جو اُنکی نظر میں تقدیس اور احترام کے قابل ہوتی تھیں، اپنے مدعیٰ کو ثابت کرنے یا اپنے اوپر لگی تہمت کو دور کرنے کے لئے قسم کھاتے رہے ہیں، لوگ ہمیشہ سے اپنے معبودوں اور خداؤں کے غضب اور ناراضگی سے ڈرتے تھے اور جانتے تھے کہ جب بھی جھوٹی قسم کھائیں گے اپنے خداؤں کے مورد عذاب و نفرین کا نشانہ بنیں گے اس لئے حقیقت میں قسم کھانے کے ساتھ وہ اپنے خداؤں کو اپنی بات پر گواہ ٹھہراتے تھے۔[3]

یہ بات بھی قابلِ توجّہ ہے کہ قسم میں اصل ''اللہ'' کی قسم ہی تھی لیکن بعد میں اس روش میں تحوّل و تبدیلی رونما ہوئی اور دوسرے خداوں (معبودوں) و مقدّس چیزوں کی قسم بھی معمول بن گئی، البتّہ جو چیز واضح اور ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ ''اللہ'' کی قسم تمام ملّتوں اور اَدیان میں، حتیٰ کہ بُت پرستوں کے درمیان بھی زیادہ شہرت کی حامل رہی ہے، لیکن وہ ''اللہ'' کی قسم کے ساتھ، دیگر چیزوں کی قسم کھاتے تھے، مثلاً یہودی اپنی کتاب تورات، حضرت موسیٰ اور دیگر وہ انبیاء جو ان کی نظر میں قابل احترام تھے، کی قسم کھاتے تھے اور مسیحی، انجیل مقدّس، حضرت مریم اور اقانیمِ ثلاثہ (یعنی باپ، بیٹا اور روحُ القُدس) کی قسم کھاتے تھے نیز اسی طرح حجاز کے لوگ لات و عُزیٰ اور دوسری بے اہمیت چیزوں کی قسم کھاتے تھے۔[4] اللہ تعالیٰ سورۂ یوسف میں تین مقامات پر حضرت یعقوب کے بیٹوں کی لفظِ "اللہ" کے ساتھ قسم کھانے کو بیان فرمایا ہے۔[5] اور یہ چیز ظاہر کرتی ہے کہ

"اللہ" کی قسم کھانا گذشتہ زمانے میں رائج اور معمول رہا ہے اور یہ روش عربوں یا کسی خاص ملّت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

بعد از اسلام قسم کے اسلوب میں انقلاب

مکّہ معظّمہ کی سرزمین پر اسلام کے سورج کا طلوع ہونا بڑی عظیم تبدیلیوں کو پیش خیمہ ثابت ہوا اور اسلام نے اِس سرزمین کے لوگوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بنیادی اثر مرتّب کیا، نیز قرآن کریم کا نازل ہونا بھی مختلف علوم و معارف کی اُساس قرار پایا، اور یہ تبدیلی '' قسم '' کے سلسلے میں بھی نظر آتی ہے، قرآن کریم نے قسم کے موارد کو اُن بے اہمیت اور بے ارزش چیزوں سے کہ جن کی قسم کھانا عربوں کے درمیان رائج تھا، جیسے: بُت، قوم، قبیلہ، تلوار، گھوڑا، آسمان، ستارے، معشوقہ، باپ، بیٹا اور اپنی جان وغیرہ سے تبدیل کرکے بلند و باعظمت چیزوں کو اُن کی جگہ قرار دیا اور کائنات کے مختلف مظاہر آسمانی و زمینی موجودات، خاص زمانوں، اور مقدّس مکانوں کی قسم کھائی تاکہ لوگ اِن اُمور میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کریں اور اِن کے دقیق و پیچیدہ نظم کا ادراک کریں۔

قرآن کریم میں جن چیزوں کے ثابت کرنے اور اُن پر تاکید کے لئے قسمیں کھائی گئی ہیں، وہ انسانی قسموں کی طرح دنیوی اُمور یا اپنے سے تہمت کا دور کرنا یا اپنے مدّعا کو ثابت کرنا نہیں ہیں، بلکہ ایسے اُمور ہیں جو عقیدے اور معنوی مسائل سے تعلّق رکھتے ہیں، اور بشر کو اِن کے درک کرنے کے لئے تفکّر و تدبّر کی ضرورت پڑتی ہے اللہ تعالیٰ نے قسم کی صورت میں بشر کو اِن عجیب و غریب موجودات اور اِنکی حقیقت کا مطالعہ کرنے اور اِن میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔

پس تمام نوع بشر، خواہ مسلمان ہوں یا مشرک و کافر، خواہ زمانہ جاہلیّت سے تعلّق رکھتے ہوں یا اسلام کی پیش رفت کے بعد سے خواہ عرب ہوں یا غیر عرب، سب ہی اِس قسم کی روش سے استفادہ کرتے رہے ہیں، کیونکہ انسانی طبیعت و مزاج یہ ہے کہ وہ جس زمانے میں اور جس جگہ بھی زندگی گذارتا ہے اُسے ملنے والی خبر اور دیئے جانے والے وعدے کے قطعی اور یقینی ہونے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ مخاطب اُسکے کلام میں شوق و رغبت پیدا کرے اور اطمینان خاطر ہو جائے۔

کلام میں قسم کی اہمیت

کلام میں "قسم" ایک طرح کی تاکید شمار ہوتی ہے اور کسی مطلب کو ثابت کرنے اور اُس پر تاکید کرنے کے لئے لائی جاتی ہے، اسلئے قسم ایسی چیزوں کے ساتھ کھائی جاتی ہے کہ جو خود اہمیت اور ارزش کے قابل ہوں اور مخاطب بھی اُنکو قبول کرتا ہو، تاکہ اِس وسیلے سے وہ چیز جس کو ثابت کرنے کے لئے قسم کھائی گئی ہے وہ بھی قبول کی جاسکے زمانۂ جاہلیّت میں عرب اپنی گفتار کو ثابت کرنے اور یقین دلانے کے لئے بہت زیادہ قسم کھاتے

تھے لیکن ایسی فضول اور بے اہمیت چیزوں کے ساتھ ،جو اُنکی سطحی نظر میں ارزشمند ہوتی تھیں ، لیکن حقیقت میں یا تو بالکل ہی بے ارزش ہوتی تھیں ، یا بہت کم فائدہ رکھتی تھیں ، اللہ تعالیٰ نے اُن کے درمیان قرآن کریم نازل فرماکر قسم کی ارزشمندی اور عظمت کو سکھایا، اور ایسی عظیم موجودات و مخلوقات کی قسم کھائی ، جو خود اپنے خالق کی عظمت و قدرت پر دلالت کرنے والی ہیں۔

بعض محقّقین ہر زمانے میں "قسم" کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قسم ہر جوامع بشری اور ثقافتِ انسانی میں ، بالخصوص وہ جوامع بشری جو قانون اور اپنی گفتار کی پابندی کی رعایت کرتے ہیں انتہائی اہم مقام رکھتی ہے اور آج تک قسم کی اہمیت سے کوئی چیز کم نہیں ہوئی ہے ، بلکہ بعض موارد میں تو قسم کھانا (حلف بر داری) قانونی اور آئینی پہلو اختیار کر گیا ہے ، عرصۂ دراز سے میڈیکل کالجز سے فارغ التحصیل ہونے والے ڈاکٹرز اپنے پیشے کے تقدُّس اور احترام کے پیشِ نظر قسم کھا رہے ہیں۔ سیاسی اور عسکری عہدہ داران کسی منصب کو سنبھالتے وقت قسم (حلف) اُٹھاتے ہیں اور اِس طرح سے اپنی قانون و مملکت سے وفاداری کا یقین دلاتے ہیں۔ عدالتوں میں بھی جب گواہ کے ملنے کا امکان نہ ہو تو قسم سے استفادہ کیا جاتا ہے نیز عام لوگ بھی کسی کام کی تاکید یا اپنی حقانیت کو ثابت کرنے کیلئے قسم کا استعمال کرتے ہیں لہٰذا اِس بناء پر قسم کھانا ، کسی خاص قوم اور ملّت یا زمان و مکان کے ساتھ مختص نہیں ہے۔[6]

کلام میں قسم کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ جب کوئی متکلم گفتگو کا آغاز کرتا ہے اور اپنی گفتگو کو قسم کے ساتھ مؤکّد قرار دیتا ہے ، تو سننے والا یہ احساس کرتا ہے کہ ضرور اِس کلام میں کوئی بڑی بات ہے اور ضروری ہے کہ اِس کو دھیان سے سنا جائے سننے کے بعد وہ متوجّہ ہوتا ہے کہ انتہائی محکم و پختہ دلیل و برہان قسم کی صورت میں اُس کے لئے پیش کئے گئے ہیں کہ جن کے انکار یا اُن میں تردید کرنے کی کوئی گنجائش ہی موجود نہیں ہے اِسی وجہ سے قسم ہمیشہ ارزشمند اور اہم اُمور سے تعلُّق رکھتی ہے جو انسانی فکر اور سوچ و سمجھ کو اپنی جانب جذب کر لیں ، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اپنی بہت سی مخلوقات کی قسمیں کھائی ہیں اِس وجہ سے کہ یہ سب انسان کے لئے اللہ کی رحمت و نعمت کے وسیلے شمار ہوتے ہیں ، جنہیں اُس نے انسان کے لئے پیش کر دیا ہے۔[7]

بعض محقّقین قسم کے بارے میں لکھتے ہیں : '' قسم ایسے مشہور مؤکّدات میں سے ہے کہ جو کسی چیز کو نفوس میں تقویّت کرتے ہیں ، اور اُس کو نفوس کی اتھاہ گہرائیوں میں اتار دیتے ہیں اور کیونکہ قرآن کریم کے نزول کے وقت ، لوگ اِس کتاب مقدّس کے مقابلہ میں مختلف طرح کے رویّے رکھتے تھے ، بعض اِسکے مطالب کی نسبت شکّ و تردُّد رکھتے تھے ، تو دوسرے بعض دشمنی اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اِس کا انکار کرتے تھے ،اللہ تعالیٰ نے جہاں محکم اور پختہ استدلالات کے ذریعہ اِس کتابِ عزیز کے مطالب کو بیان فرمایا ، وہاں متعدّد اور پے

درپے قسموں کے ذریعہ بھی اِن مطالب کو ذکر فرمایا، تاکہ ہر طرح کے شکوک و شبہات کو اِس کلامِ الٰہی کی نسبت دور کرے اور دلیل و حجّتِ قاطع اِن مطالب پر قائم فرمائے۔'' [8]

قرآن کریم میں قسموں کا فلسفہ اور فوائد

قرآن کریم کی قسمیں حقیقت میں تمام کائنات اور اِس کے موجودات کو انسانی فکر کی دسترس میں قرار دیتی ہیں اور اُس کو اِس جہانِ مادّی و محسوس سے جہانِ معنوی و غیر محسوس کی طرف سیر کراتی ہیں، اِس زمین و آسمان، چاند و سورج، ستاروں اور لامحدود کہکشاوں سے لے کر انسانی روح و وجدان، فرشتوں، ہواوں، نور، روشنائی اور تاریکی تک کی قسم کھائی گئی ہے، اور نتیجۃً جو چیز انسان دیکھ اسکتا ہے اُس کی بھی قسم کھائی گئی ہے اور وہ چیز جو انسان نہ تو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا ادراک کر سکتا ہے اُس کی بھی قسم کھائی گئی ہے[9] اور یہ قسم اِس لامتناہی و غیر محدود کائنات کے ہر موجود کو شامل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ چیزیں جو انسان دیکھ نہیں سکتا، اُن کی نسبت جنھیں وہ دیکھ سکتا ہے بہت زیادہ ہیں اور یہ قسم اِس قدر وسیع و عریض ہے کہ انسان جو بھی فکر کرے اِس کی وسعت کا ادراک نہیں کر سکتا، یہ وہ مقام ہے کہ جہاں انسان اپنی جہالت کا بہت شدّت سے احساس کرتا ہے۔

بعض محقّقین اِس بات کے قائل ہیں کہ خداوند عالم نے اُمورِ مادّی و محسوس جیسے : چاند و سورج اور اِن دونوں کی نورانیّت، زمین و آسمان و۔۔۔ کی قسم اُمورِ غیبی اور اُمورِ غیر مشہود پر تاکید کے لئے کھائی ہے کہ یہ اُمورِ غیبی اور معنوی جیسے : پروردگار عالم کی وحدانیّت اور اُس کی لامحدود قدرت، قرآن مجید کے وحیِ الٰہی ہونے کی حقانیّت، رسول اکرم ﷺ کی رسالت و نبوّت کا اثبات، اور روز قیامت و محشور ہونے کا قطعاً تحقّق پذیر ہونا، ایسے اُمور ہیں کہ جنکی معرفت و شناخت اور اِنکا ثابت ہونا قسم اور محکم استدلالات کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں طریقوں سے اِن اُمور کو مقام اثبات تک پہنچایا ہے اور قرآن کریم میں متعدّد قسموں کا فلسفہ سوائے تاکید اور اِن اُمور کے اثبات کے کوئی اور چیز نہیں ہے۔[10]

''محمد جواد مغنیہ'' قرآنی قسموں کے فلسفہ کے بارے میں لکھتے ہیں : ''وہ چیز جو قرآن کی قسموں کے بارے میں ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے ہر موجود اور ہر چیز کی قسم کھائی ہے، لیکن اسکا ہدف و مقصد ایک ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر چیز اپنے وجود میں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی ہے اور یہ کہ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے''۔ [11] قرآن مجید کی بعض قسموں کا فلسفہ یہ بھی ہے کہ وہ لوگ جو کائنات کے بعض موجودات جیسے : چاند و سورج یا ستاروں وغیرہ کی پرستش کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اِن موجودات کو انسان کی سرنوشت میں موثّر خیال کرتے ہیں اُن کی اصلاح کی جائے خداوند عالم نے اِن موجودات کی قسم کھا کر اُن لوگوں کو آگاہ کیا ہے

کہ یہ موجودات صرف اُس کی مخلوقات ہیں اور انسان کی سرنوشت و تقدیر میں اِن کی کوئی دخالت نہیں ہے، بلکہ انسان یہ قدرت اور قابلیّت رکھتا ہے کہ اپنی تقدیر کو خود اپنے ہاتھ سے رقم کرے۔

لفظِ "ربّ" کے مخفی ہونے کا نظریہ اور اُس کا جواب

بعض محقّقین قرآن کریم کی قسموں کے تمام موارد میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ لفظِ ''ربّ'' اِن سب موارد میں مخفی اور مقدّر ہے یعنی تقدیراً اِس طرح ہے: (وَرَبِّ النَّازِعَاتِ، وَرَبِّ السَّمَاءِ، وَرَبِّ الأَرْض...) اس کے نتیجے میں قرآن کریم کی تمام قسمیں فقط لفظِ اللہ یا اُس کی صفات کے ساتھ کھائی گئی ہیں یعنی اصل میں اِن موجودات کے پروردگار کی قسم کھائی گئی ہے کیونکہ اُنکے نزدیک غیر خدا کی قسم کھانا جائز اور صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ خود اللہ تعالیٰ بھی اپنی ذات کے غیر کی قسم نہیں کھا سکتا اور اس کے علاوہ قسم کے لئے ضروری ہے کہ باعظمت اور ارزشمند چیز کی قسم کھائی جائے اور اللہ تعالیٰ سے باعظمت تر کوئی چیز وجود ہی نہیں رکھتی ہے۔[12] لیکن حقیقت میں اِن لوگوں نے اِس نکتے سے غفلت برتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آفاقی اور انفسی آیات اور زمین و آسمان میں اپنی قدرت کی نشانیوں کی طرف انسانوں کی توجّہ دلانے کیلئے، مختلف موجودات کی بہت زیادہ قسمیں کھائی ہیں تاکہ انسانوں کو اِن نشانیوں میں تفکّر اور تدبُّر کی طرف متوجّہ کرکے خود اُن کی اپنی شناخت کا اہتمام کرے، لہٰذا یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے اور محقّقین نے اس کے تین جواب دیئے ہیں، جو ہم بطور خلاصہ پیش کرتے ہیں:

اوّل: تمام قسم کے موارد میں لفظ ''ربّ'' کا مقدّر قرار دینا ممکن نہیں ہے، اسلئے کہ (فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ)[13] ''قسم اُس کی جو تم دیکھتے ہو اور اُس کی جو تم نہیں دیکھتے'' میں قسم کا دوسرا حصّہ خود پروردگار عالم کو بھی شامل ہے اور یہ دونوں قسم کے حصّے تمام عالم ہستی کو شامل ہیں، یعنی خالق و مخلوق ہر دو اس میں موجود ہیں، پس ''ربّ'' کی تقدیر کا کوئی فائدہ نہیں ہے، علاوہ یہ کہ کسی چیز کا مقدّر قرار دینا، اصل اور ظاہر کے خلاف ہے، اسلئے بغیر کسی دلیل کے مقدّر نہیں مانا جاسکتا اور نیز مائِ موصولہ سے شروع ہونے والی قسموں میں بھی لفظِ ''ربّ'' کا مقدّر ماننا ممکن نہیں ہے، کیونکہ اس مائِ موصولہ سے مراد اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے: (وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا)[14] یعنی قسم آسمان کی اور اُس کی جس نے آسمان کو بنایا ہے، اس کی دوسری قسم میں لفظِ ''ربّ'' کا اضافہ کرکے یوں کہنا: ''وَرَبِّ مَا بَنَاهَا'' صحیح نہیں ہے، کیونکہ ''ربّ'' اور ''مائے موصولہ''، دونوں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سے حکایت کرتے ہیں۔[15]

دوم: اگر قرآن کریم کی تمام قسموں میں لفظِ ''ربّ'' تقدیراً موجود ہو، تو قرآن کی قسموں کی جذابیّت اور خوبصورتی جو اس کتاب آسمانی کے اعجاز علمی کو تشکیل دیتی ہیں بے اہمیت اور بے اثر ہو جائے گی اللہ تعالیٰ نے اِن

مختلف اور طرح طرح کی چیزوں کی قسم کھائی ہے تاکہ انسان کو انکی عظیم اور پائیدار خلقت کی طرف توجّہ دلائے اور اسطرح سے اُس مطلب کو، جس کے ثابت کرنے اور تاکید کی خاطر یہ قسمیں کھائی ہیں، تحقّق بخشے کیونکہ قرآن کریم کی قسموں اور اُن کے جواب کے درمیان قریبی تعلّق وارتباط پایا ہے۔

<u>سوم:</u> قرآن کریم کی سورتوں میں قسموں کی تعداد مختلف ہے، ایک قسم سے لیکر پانچ قسمیں تک پے در پے کھائی گئی ہیں،[16] حتی کہ سورۂ شمس میں گیارہ قسمیں واقع ہوئی ہیں، یہ متعدّد قسمیں خود اِس مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ "مُقْسَمِ بِہ" (یعنی جس چیز کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے) ایک چیز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا ہے کہ اپنی مخلوقات کی مختلف انواع کی طرف انسان کی توجّہ دلائے تاکہ وہ اِن مخلوقات کی خلقت میں جو پائیداری اور استحکام پایا جاتا ہے، اُس میں غور و فکر کرکے اِس عالم ہستی کے خالق تک پہنچ سکے۔ امام فخر رازی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن کی وہ سورتیں جو "قَسَم" پر مشتمل ہیں وہ قرآن کریم کے نزول کے آغاز میں نازل نہیں ہوئیں، بلکہ مختلف مطالب پر محکم اور پختہ دلیلیں قائم کرنے کے بعد یہ قسمیں مخصوص سجع و قافیہ اور وزن کے ساتھ بہت ہی واضح انداز میں بیان ہوئی ہیں۔[17]

لیکن سوال یہ ہے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے متعدّد چیزوں اور مختلف موجودات کی قسمیں کھائی ہیں؟ اِس بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعض لوگ اِن موجودات کا انکار کرتے تھے اور اِن کے فوائد سے مطلع نہ ہونے کی وجہ سے اِنہیں حقیر سمجھتے تھے اور اِنکا مزاق اُڑاتے تھے، اور بعض دوسرے اپنی باطل سوچ اور توہم کی وجہ سے اِن موجودات کو اُلوہیت اور پرستش کے مرتبے تک لے جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے اِن موجودات کی قسم کھا کر، اِن موجودات کے مخلوقِ خدا ہونے کی یادآوری کروائی ہے اور اِن میں سے ہر ایک کے صحیح مقام و موقعیت کو ظاہر کیا ہے تاکہ لوگ اِن موجودات کی خلقت اور اِن کے دقیق نظم میں غور و فکر کریں اور یہ جان لیں کہ واقعیت کا انکار کرنا خود اُس واقعیت اور حقیقت کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتا بلکہ یہ نقصان خود اُن کو پہنچتا ہے کہ وہ غفلت و جہالت کے اندھیروں میں پڑے رہتے ہیں۔

قرآن کریم کی قسموں کے بعض دیگر فوائد

محقّقین نے قرآنی قسموں کے بعض دیگر فوائد بھی بیان کئے ہیں جو ہم ذیل میں بطور اختصار پیش کرتے ہیں:

ا۔ ''قسم'' انسان کو اِن موجودات کے زیادہ سے زیادہ منافع کی طرف توجّہ دلانے کے لئے کھائی گئی ہے کہ انسان اِن موجودات میں تفکّر و تدبُّر کرے اور وہ محکم و حیرت انگیز دلائل، جو اِن موجودات میں خداوند عالم کی وحدانیّت پر موجود ہیں، اُن تک دسترسی حاصل کرکے، اُن سے عبرت لے، اور جان لے کہ خداوندِ قادر و توانا نے ہی اِن موجودات کو خلق فرمایا ہے۔[18]

۲۔ قرآن کی قسمیں، اُن لوگوں کی خُرافاتی افکار اور جاہلانہ اعتقادات کو باطل کرنے کے لئے کھائی گئی ہیں، جو اِن بعض موجودات کی نسبت رکھتے تھے اور رکھتے ہیں، جیسے: ستاروں کے قابل پرستش ہونے اور اِنکے انسانی تقدیر و سرنوشت میں موثّر واقع ہونے کا عقیدہ یا فرشتوں کے خدا کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ اور یا دن کے بعض اوقات کے نحس ہونے کا عقیدہ وغیرہ۔

۳۔ خود موارد قسَم (مُقْسَم بِہ) اور نیز وہ چیزیں جن کے ثابت کرنے کے لئے قسم کھائی گئی ہے یعنی جوابِ قَسَم (مُقْسَم عَلَیْہ) دونوں کا واقعیّت رکھنا کیونکہ بعض لوگ اِن چیزوں کا انکار کرتے تھے، اور بعض اِن کو شکّ وتردُّد کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بعض وہم و خیال تصوّر کرتے تھے جیسے: فرشتوں کا وجود، محشور ہونے اور قیامت کے آنے کا عقیدہ اور قرآن کریم کا وحیِ الٰہی ہونا وغیرہ اس لئے خداوند عالم نے اِس طرح کے شکّ وتردُّد کو بر طرف کرنے اور مخاطبین کے نفوس کے اطمینان خاطر کے لئے متعدّد قسمیں کھائی ہیں۔

۴۔ قرآنی قسمیں دو طرح کی خصوصیات رکھتی ہیں اور اُن میں دو پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے ایک تو خود قسموں (مُقْسَم بِہ) کی طرف لوگوں کو توجّہ دلانا مقصود ہے، اور دوسری طرف جوابِ قسم (مُقْسَم عَلَیْہ) کی تاکید اور اُسکا ثابت کرنا مقصود ہے جبکہ انسانی قسموں میں فقط جوابِ قسم (مُقْسَم عَلَیْہ) کا تاکید اور ثابت کرنا ہی ہدف ہوتا ہے، اور قسم کھانے والے اور اُسکے مخاطب دونوں کی توجّہ صرف جوابِ قسم پر ہی مرکوز ہوتی ہے۔

۵۔ قرآنی قسموں میں اِن موارد قسم کے ذریعہ قسم کھانے کا ایک مقصد اِن موارد کی عظمت و بلندی بیان کرنا بھی ہے۔ جیسے: مجاہدین اسلام کے گھوڑوں یا فریضہ حج کے اوقات کی قسم کھانا تاکہ لوگ اِن چیزوں کی قسم کے ذریعہ جہاد اور عبادت وغیرہ کی طرف شوق و رغبت پیدا کریں۔

۶۔ کبھی قسم کھانے کا ہدف و مقصد مخاطبین اور سننے والوں کو ڈرانا و دھمکانا ہوتا ہے، اور کبھی اِن مواردِ قسم کا اپنے خالق کی نسبت مقرّب و نزدیک اور باعظمت ہونا مقصود ہوتا ہے اور کبھی مخاطب کو اس معاملے میں جس میں وہ شکّ وتردُّد رکھتا ہے یقین واطمینان دلانے کے لئے قسم کھائی جاتی ہے۔[19]

پس خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن کریم کی قسمیں، اِس کتابِ مقدّس کے دیگر علمی مسائل کی طرح انسان کی فکر اور سوچ و بچار کے ساتھ تعلّق رکھتی ہیں اور قرآن کریم نے انتہائی علمی اور دقیق مسائل کو ''قسم اور جوابِ قسم'' کی صورت میں پیش کیا ہے تاکہ عقلوں اور فکروں کو اپنی جانب مبذول کر سکیں لہٰذا "قسم اور جوابِ قسم" دونوں ہی بہت زیادہ اہمیت و عظمت کے حامل ہیں کیونکہ انسان کو اِس مادّی اور محسوس جہان سے اِس کے ماوراء یعنی معنوی اور غیر محسوس جہان کی طرف لے جاتے ہیں تاکہ انسان اِن میں تدبُّر و تفکّر کرکے اپنے لئے اُخروی اور واقعی سعادت کی راہ تلاش کرسکے۔

قرآنی قسموں کے امتیازی پہلو اور خصوصیات

قرآن کریم اور انسانی قسموں کے درمیان بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے قرآن کریم کی قسمیں مخصوص امتیازات اور خصوصیات کی حامل ہیں ایسی خصوصیات جو ہمیں کسی بھی جگہ انسانی قسموں میں نظر نہیں آتی ہیں، ان ہی خصوصیات میں سے کچھ، ذیل میں بطور اختصار بیان کرتے ہیں :

اول: انسانی قسموں میں خود قسم (مُقْسَم بِہ، یعنی وہ چیز جس کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے) محدود اور خاص پہلو کی حامل ہوتی ہے، یعنی یہ قسم، فقط قسم کھانے والے کی نظر میں قابل احترام اور ارزشمند ہوتی ہے اور اگر کبھی عمومی حیثیت کی حامل بھی ہو اور سب لوگوں کے لئے باعظمت و باارزش ہو پھر بھی اس قسم کا مقصد ذاتی اور شخصی نوعیّت کا ہوتا ہے کیونکہ معمولاً لوگ اپنے فائدے ہی میں قسم کھاتے ہیں لیکن قرآنی قسموں میں خود قسم کے موارد (مُقْسَم بِہ) بھی انتہائی باعظمت اور قابل دقّت ہیں کہ کوئی بھی انکی اہمیت اور ارزش سے انکار نہیں کر سکتا، اور نیز وہ مقصد کہ جس کے لئے قسم کھائی گئی ہے (مُقْسَم عَلَیہ) وہ بھی انتہائی عظیم اور قابل اہمیت ہے، اور اسکا فائدہ بھی تمام انسانوں کو پہنچنے والا ہے نہ کہ قسم کھانے والے کو کیونکہ خداوند عالم کو اِن قسموں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ ہم انسان ہیں جنکو اِن قسموں اور تاکیدوں کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ دقیق اور پیچیدہ معاملات کا یقین کر سکیں۔

دوم: انسانی قسموں میں خود قسم (مُقْسَم بِہ) اور اسکے جواب (مُقْسَم عَلَیہ) کے درمیان کوئی ارتباط و تعلّق نظر نہیں آتا، مثلاً "اللہ" کی قسم کو ہر جگہ کھاتا ہے، اور اگر کسی دوسری چیز کی قسم کھاتا ہے، تب بھی اس قسم کے جوابِ قسم کے ساتھ تعلّق کو مدّ نظر نہیں رکھتا ہے، لیکن قرآن کی قسموں میں قسم اور جوابِ قسم کے درمیان بہت دقیق اور قابل ملاحظہ تعلّق وارتباط موجود ہے کیونکہ قرآنی قسمیں تشبیہ اور تاکید پر مشتمل ہیں اور حقیقت میں جوابِ قسم (مُقْسَم عَلَیہ) کو ثابت کرنے کے لئے قسم (مُقْسَم بِہ) سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی جس طرح سے قسم (مُقْسَم بِہ) ثابت اور یقینا وجود رکھتی ہے اور سب اسکے وجود کے قائل ہیں، اسی طرح جوابِ قسم (مُقْسَم عَلَیہ) بھی ثابت اور یقینا موجود ہے، اور چاہیے کہ سب اِسے بھی قبول کریں، اور تشبیہ میں فقط ''مُشَبَّہ بِہ'' کا ثابت اور قابل قبول ہونا کافی ہوتا ہے، جبکہ انسانی قسموں میں اس طرح کی تشبیہ وجود نہیں رکھتی ہے۔

سوم: انسانی قسموں میں قسم (مُقْسَم بِہ) معمولاً حقیقی اور واقعی ارزش کی حامل نہیں ہوتی ہے بلکہ قسم کھانے والا کیونکہ اسے عزیز اور محبوب رکھتا ہے اس لئے قسم کے قابل قرار دیتا ہے لیکن قرآن کی قسموں میں تمام قسم کے موارد (مُقْسَم بِہ) حقیقی اور واقعی ارزش کے حامل ہیں، اور سب کے نزدیک عزیز اور محبوب ہیں اللہ کے

نزدیک عزیز اور محبوب ہیں کیونکہ اسکی عظیم خلقت کا شاہکار ہیں اور ہم انسانوں کے نزدیک عزیز اور محبوب ہیں کیونکہ ان سب موجودات کا فائدہ ہمیں ہی ملتا ہے، ہم میں سے ہر فرد اپنی روز مرّہ کی زندگی میں ان موجودات کا شدید نیاز مند ہے اور دوسرے لحاظ سے خود یہ قسمیں (مُقْسَم بِہ) اپنے قادر و توانا خالق کے وجود پر دلیل ہیں کہ یہ کتاب طبیعت اور خلقت و آفرینش کا دقیق نظام بغیر کسی دانا و آگاہ مدبّر کے نہیں چل سکتا ہے۔[20]

.....

حوالہ جات

1۔ الشّیخ محمد عبدُہ، نہج البلاغۃ، خُطب امام علی ابن ابی طالب، خُطبہ ۱۹۸

2۔ سورۂ اعراف، آیت 21: (وَقَاسَمَهُمَا اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِیْنَ) ''اور (شیطان نے) اُن دونوں سے قَسم کھائی کہ میں تمہیں نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں''

3۔ علی ابو القاسم عون، اسلوب القسم واجتماعُہ مع الشرط فی رحابِ القرآن الکریم، اللیبیّۃ، منشورات جامعۃ الفاتح، ۱۹۹۲ء، ص ۲۴

4۔ کاظم فتحی الراوی، اسالیب القسم فی اللغۃ العربیۃ، الطبعۃ الاُولیٰ، بغداد، الجامعۃ المستنصریّۃ، ۱۳۹۷ق، ص ۱۷ اور ص ۱۸۴

5۔ رجوع کریں: سورۂ یوسف، آیات ۸۵، ۷۳ اور ۹۱

6۔ سید محمد علی ایازی، قرآن و فرہنگ زمانہ، طبع اول، رشت، انتشارات کتاب مبین، ۱۳۷۸ شمسی، ص ۶۰

7۔ محمد حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، جلد اول، قم المقدّسہ، جماعۃ المدرّسین فی الحوزۃ العلمیّۃ، بغیر تاریخ، ص ۳۶۸

8۔ رجوع کریں: منّاع القطان، مباحث فی علوم القرآن، الطبعۃ الرابعۃ، بیروت، مؤسّسۃ الرسالۃ، ۱۳۹۶ق، ص ۲۹۱؛ محمد بکر اسماعیل، دراسات فی علوم القرآن، الطبعۃ الاُولیٰ، مصر، دار المنار، ۱۴۱۱ق، ص ۳۶۳

9۔ رجوع کریں: سورۂ حاقہ، آیت ۳۸۔۳۹

10۔ رجوع کریں: شمس الدین محمد ابن ابی بکر (المعروف بابنِ قیّم الجوزیّۃ)، التبیان فی اقسام القرآن، تصحیح و تعلیق: طٰہٰ یوسف شاھین، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۲ق، ص ۶۔۷؛ ڈاکٹر عایشہ عبد الرحمٰن بنت الشاطی، التفسیر البیانی للقرآن الکریم، ج ۱، الطبعۃ الثانیۃ، مصر، دار المعارف، ۱۳۸۸ق، ص ۹۳؛ علی العامر فارس، ظاھرۃ القسم فی القرآن الکریم، قم مقدّس، دار انوار الھُدیٰ، ۱۴۱۴ق، ص ۳۷۔۳۸

11۔ محمد جواد مغنیہ، التفسیر الکاشف، ج ۶، الطبعۃ الرابعۃ، بیروت، دار العلم للملایین، ۱۹۹۰ء، ص ۳۳۰؛ نیز رجوع کریں: محمد رشید رضا، تفسیر المنار، ج ۶، الطبعۃ الثانیۃ، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۳۹۳ق، ص ۳۷۳

12۔ رجوع کریں: محمد حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۲۰، قم المقدّسہ، جماعۃ المدرّسین فی الحوزۃ العلمیّۃ، بغیر تاریخ، ص ۱۸۰؛ ابو علی الفضل ابن الحسن الطبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۱۰، تحقیق: سید ھاشم الرسولی المحلّاتی، الطبعۃ الاُولیٰ،

بیروت، دار المعرفۃ، ۱۴۰۶ق، ص ۶۵۲۔ ۶۵۳؛ محمد ابن عمر ابن حسین القرشی، المعروف بہ فخر رازی، التفسیر الکبیر أو مفاتیح الغیب، ج ۲۶، الطبعۃ الثالثۃ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، بدونِ تاریخ، ص ۱۱۷

13۔ سورۂ حاقہ، آیت ۳۸۔۳۹

14۔ سورۂ شمس، آیت 5

15۔ نیز رجوع کریں: سورۂ شمس، آیت ۵ تا ۷؛ سورۂ لیل، آیت ۳

16۔ رجوع کریں: سورۂ طور، آیت ۱ تا ۶؛ سورۂ مرسلات، آیت ۱ تا ۵؛ سورۂ نازعات، آیت ۱ تا ۵

17۔ فخر رازی، التفسیر الکبیر، ج ۲۹، گذشتہ، ص ۱۸۶

18۔ رجوع کریں: ابو علی الفضل ابن الحسن الطبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۱۰، گذشتہ، ص ۶۵۳ اور ۷۳۷؛ سید محمود آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج ۳۰، الطبعۃ الرابعۃ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ق، ص ۵۹

19۔ رجوع کریں: ڈاکٹر حسین کیانی، سوگند در زبان و ادب فارسی، چاپ اول، تہران، موسّسہ انتشارات و چاپ دانشگاہ تہران، ۱۳۷۱ش، ص ۳۰؛ علی العامر فارس، ظاھرۃ القسم فی القرآن، گذشتہ، ص ۴۵؛ محمد تقی شریعتی، تفسیر نوین، چاپ چھارم، تہران، شرکت سھامی انتشار، بدونِ تاریخ، ص ۳۴۔۳۵

20۔ ابو القاسم رزاقی، سوگند ھائی قرآن، قم، انتشاراتِ توحید، ۱۳۶۱ش، ص ۱۳ تا ۱۵

انسانی معاشرے پر قرآن کے اثرات

سید ثمر علی نقوی
مسئول شعبہ تبلیغات نور الہدیٰ ٹرسٹ

مقدمہ

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو اس انسان کامل پر نازل ہوئی جس نے سچی انسانی فطرت پر نشو ونما پائی تھی جو عقل سلیم، قلب طاہر اور اخلاق حسنہ کا مالک تھا، نہ دینی رسموں نے اس پر قبضہ کیا تھا نہ دنیاوی خواہشوں کا اس پر تسلط تھا۔ یہ کتاب اس لیے نازل ہوئی تاکہ انسانیت کو شرک وبت پرستی کی تمام پلیدیوں سے پاک کرے، انسان کو پستی سے نکال کر افق اعلیٰ تک پہنچا دے۔ ایسی تمام انسان کش بدعتوں کا اور جھوٹی رسموں کا قلع قمع کر دے جو انسان کی عقل کو محو کرکے اس سے آزادی وحریت سلب کر لیتی ہیں ایسے افراد کو برملا کرے جو حق کو باطل کے قالب میں ڈھال کر ہدایت کو گمراہی میں تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ قرآن مجید نازل ہوا تاکہ ظالم بادشاہوں اور جابر سرداروں کے استبداد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے جنہوں نے انسان کی خودداری برباد کر رکھی ہے اور اس کا ارادہ چھین لیا ہے غرضیکہ قرآن اس لیے اترا تھا کہ انسانی عقل وارادے کو ہر قسم کی ن پابندیوں سے آزاد کر دے۔ جو ذلت ورسوائی میں مبتلا کرنے والی ہیں تاکہ اس نورانی کتاب سے ہدایت حاصل کرنے والا ہر آدمی آزاد اور خود دار بن جائے اپنے پروردگار کا بلا شرکت غیرے بندہ ہو جائے اور اپنی مادی ومعنوی قوتوں کو قرآن کے سائے میں بروئے کار لاتے ہوئے انسانی کمال کی منزل طے کرسکے۔

انسان اور معاشرہ

فرد اور معاشرہ کا تعلق بہت گہرا ہے قرآن نہ صرف افراد سازی کی کتاب ہے۔ بلکہ معاشرہ سازی کا بہترین قانونی مجموعہ ہے اسلام کی نظر میں انسان کے اعمال وکردار معاشرے پر اثر مرتب کرتے ہیں یعنی عالم ہستی انسانی افعال واعمال کے سامنے غیر جانب دار نہیں بلکہ ان اعمال وکردار سے متاثر ہوتا ہے۔ قرآن کی نظر میں تمام مخلوقات ''شعور'' اور ''ادراک'' کی حامل ہیں: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ [1] ''ساتوں آسمان وزمین اور ان میں جو موجودات ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثنا میں تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

مندرجہ بالا آیہ مجیدہ اعلان کر رہی ہے کہ کائنات کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے۔ ارادے کے ساتھ تنزیہہ (نقص وعیب سے پاک سمجھنے) کو ''تسبیح'' کہا جاتا ہے اس لیے آیت سے یہ بات بھی ضمناً ثابت ہو جاتی ہے کہ کائنات

کی ہر چیز شعور رکھتی ہے علاوہ برایں خداوند فرماتا ہے ''تمام چیزیں تسبیح کرتی ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں ہو ''اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودات کی اس تسبیح سے مراد ''زبان حال'' نہیں ہے کیونکہ زبان حال کو تو ہم سمجھ رہے ہیں بلکہ ''زبان قال ''مراد ہے ہاں البتہ انسان اور باقی موجودات کے درجۂ شعور میں فرق کی وجہ سے انسان دیگر موجودات کے شعور کا ادراک نہیں کر سکتا۔قرآن مجید میں ہدہد اور چیونٹی کے شعور کا ذکر بھی ملتا ہے سورہ ص آیت ۱۸ میں پہاڑوں کی تسبیح کا ذکر موجود ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ تسبیح و تہلیل کے بھی اثرات معاشرے پر ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن نے استغفار کے اثرات کو بیان کیا ہے :فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا[2] [پھر میں (نوح) نے کہا ! اپنے پروردگار سے معافی مانگو وہ یقینا بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے بارشیں برسائے گا، وہ اموال اور اولاد کے ذریعے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغات بنائے گا اور تمہارے لیے بہترین نہرین قرار دے گا۔]

اس آیہ کریمہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ استغفار کا اثر صرف آخرت میں جنت اور نجات کی شکل میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں بھی اس کے بے شمار اثرات اور برکات ہوتے ہیں۔قرآن مجید نے معاشرے کو خوش حال اور قدرتی وسائل وذخائر سے مالا مال کرنے کا نسخہ سورہ اعراف میں بیان کیا ہے نیز معاشرتی بد حالی کی وجہ بھی بتائی ہے''اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کے سبب انہیں گرفت میں لے لیا''۔[3]

ایمان و تقویٰ انسانی زندگی سے الگ کسی اور چیز کا نام نہیں ہے ایمان و تقویٰ کا حامل معاشرہ ظلم واستحصال اور ناامنی سے پاک ہوگا اور ہر ایک کو قدرتی وسائل وذرائع اور ذخائر سے استفادہ کرنے کا مساویانہ حق اور موقع ملے گا اس طرح نعمتوں کی فراوانی ہو جائے گی۔[4]لیکن اس کے برعکس انکار اور ہٹ دھرمی کا حامل معاشرہ ہمیشہ مصیبتوں میں مبتلا رہے گا قرآن کی نظر میں ایک فرد کے اعمال کا اثر صرف اسی کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے اثرات اس معاشرے پر بھی مترتبت ہوتے ہیں جس معاشرہ کا یہ فرد ہے قرآن نے ظالموں کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کا اثر صرف انہیں ظالموں سے مختص نہیں بلکہ وہ افراد جو اس ظلم کا مقابلہ نہیں کرتے وہ بھی اس کی لپیٹ میں آئیں گے :وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً[5]اور اس فتنے سے بچو جس کی لپیٹ میں تم میں سے صرف ظلم کرنے والے ہی نہیں بلکہ (سب) آئیں گے اور یہ جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیت کا لہجہ بتاتا ہے کہ کچھ فتنے ایسے ہوتے ہیں جن کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں اور ان کی لپیٹ میں بظاہر بے گناہ افراد بھی آتے ہیں۔مثلا خیانت حکمران کرتے ہیں اس کی سزا اقتصادی اور ثقافتی میدانوں

میں پوری امت کو بھگتنا پڑتی ہے تفرقہ بازی، تنگ نظر قسم کے لوگ کرتے ہیں مگر اسکے منفی اثرات پوری قوم پر پڑتے ہیں۔اس کی وجہ واضح ہے کہ افراد ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ بعض افراد کے اعمال دوسرے افراد کے لیے ذمہ داری متعین کرنے کا موجب بنتے ہیں۔لہٰذا بظاہر بے گناہ لوگ حقیقت میں گناہ کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں کیاان کا یہ گناہ کم ہے کہ ان لوگوں کے برے اعمال کے مقابلے میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہیں ؟در حقیقت انکی خاموشی ،ظالموں کے ظلم میں اضافے کا موجب بنی ہے ظلم کاارتکاب کرنے والے اور خاموش رہنے والے افراد چکی کے دو پتھروں کی مانند ہیں ،چکی کے دو پتھروں کے درمیان دانے کو صرف اوپر والا پتھر اپنی مسلسل حرکت سے پیس رہا ہوتا ہے لیکن اس کی یہ حرکت اس وقت تک اثر انداز نہیں ہو سکتی جب تک نیچے والا ''ساکن'' پتھر موجود نہ ہو جس طرح نیچے والے پتھر کا ''سکون'' (خاموشی)اوپر والے پتھر کی متحرک طاقت سے کم نہیں ہے اس طرح انسانوں کی ''خاموشی''ظالم کے ظلم سے کم نہیں۔

قرآنی معاشرہ

معاشرہ کے وجود کے بارے میں کئی قسم کے نظریات بیان ہوئے ہیں بعض معاشرہ کی ''اصالت''کے قائل ہیں اور ''فرد'' کو معاشرے کا قیدی سمجھتے ہیں اس کے بر عکس بعض ''فرد'' کی ''اصالت''کے قائل ہیں اور معاشرہ کو بے جان تصور کرتے ہیں جب کہ قرآن کی نظر میں فرد اور معاشرہ دونوں ''واقعیت''رکھتے ہیں اسلام، محض ''اصالت فرد'' کا حامی نہیں کہ معاشرہ کی حقیقت کا ہی انکار کر دے بلکہ معاشرے کے لیے واقعیت، قانون یا رسم ورواج کا قائل ہے اس طرح معاشرہ کی مستقل حیثیت کو تسلیم کرتا ہے ہاں البتہ محض ''اصالت جامعہ'' کا بھی قائل نہیں کہ صرف اجتماعی ومعاشرتی شعور وارادے کو ہی علت کاملہ تسلیم کرتے ہوئے فردی اثر اور حیثیت کو تسلیم نہ کرے بلکہ ان دونوں نظریہ کے درمیان والی رائے رکھتا ہے یعنی معاشرہ حیات کا حامل ہے لیکن افراد کے روحانی اثرات سے الگ بھی نہیں۔

انسان ''مدنی بالطبع'' ہے یعنی معاشرتی واجتماعی زندگی اختیار کرنا اس کی طبیعت کا لازمی جزء ہے خداوند متعال نے اختیار وآزادی کو انسانی خلقت میں رکھا ہے جس کی وجہ سے ممکن نہیں کہ انسان معاشرتی عوامل کا قیدی بن کر معاشرتی دھارے میں بہہ جائے بلکہ یہ ایساموجود ہے کہ طبیعی عوامل سے اثرانداز ہو کر معاشرتی ماحول کو تبدیل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے اور معاشرتی برائیوں کے طوفان کو روک کر اپنی مصلت اور ارادے کا تابع دار بنا سکتا ہے اس لحاظ سے انسان معاشرے کا راہبر ہے نہ مطیع وتابعدار۔

قرآن مجید ایک طرف تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق اور انفرادی عبادات ومناجات کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے دوسروں کی گمراہی تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی :یَااَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ

اِذَاهْتَدَيْتُمْ[6] [اے ایمان والو! اپنے نفس کی فکر کرو اگر تم ہدایت یافتہ رہے تو گمراہوں کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔] یعنی دوسروں کی گمراہی کو بہانہ بنا کر انفرادی ہدایت (خود سازی) کے سلسلہ میں غفلت کرنا ہر گز درست نہیں۔ بالفاظ دیگر، مومن کو گمراہوں کی بہتات اور معاشرہ میں موجود برائیوں کی کثرت سے متاثر نہیں ہونا چاہیے بلکہ قرآن نے قیامت کا منظر پیش کرتے ہوئے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اپنی گمراہی کا سبب استکباری طاقتوں کو قرار دیتے ہوئے کہیں گے کہ ''ہم مستضعف (کمزور) افراد، ظالم طاقتوں کے تسلط میں مجبور تھے ان کے جواب میں خدا کی جانب سے خطاب ہوگا: اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا[7] ''کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟

اس قسم کی دیگر آیات انسان کی انفرادی حیثیت کو صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں جب کہ دوسری طرف اسلام معاشرتی عوامل واسباب کو انسان کی انفرادی زندگی میں موثر سمجھتا ہے اور معاشرہ کی اصلاح اور پاکیزی امر بالمعروف کے ذریعے لازمی قرار دیتا ہے بلکہ معاشرتی فساد سے بے نیاز ہو کر انفرادی تربیت میں مشغول رہنے والوں کی مذمت کرتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ فتنہ کی لپیٹ میں صرف ظالم ہی نہیں آئیں گے بلکہ یہ خاموش رہنے والے افراد پر بھی اثرانداز ہوگا۔ حضرت امام باقر علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: فانكروا بقلوبكم و الفظوا بالسنتكم وصكوا بها جباههم ولاتخافوا فی الله لومة لائم گناہ گار افراد کے عمل کو دل سے بُرا سمجھو، زبان سے منع کرو اور ان کی پیشانی پر مارو، اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈرو۔[8] اگر انفرادی ارادہ، معاشرے کا قیدی ہے تو پھر اس قسم کی اصلاح کی دعوت فضول ہے اسلام اس فکر کی مذمت کرتا ہے جسے شاعر نے بیان کیا ہے:

گر نشوی رسوا　　ہمرنگِ جماعت شو

یعنی رسوائی سے بچنے کے لیے معاشرتی دھارے میں بہہ جاؤ!!

قرآن نے تو ہر فرد کو ذمہ دار ٹھرایا ہے: كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ[9] ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے۔ یہ آیت مجیدہ انسانی حریت وارادے پر بہترین دلیل ہے ہاں البتہ ہر انسان اپنی انفرادی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ معاشرتی مسئولیت کا بھی حامل ہے: تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ[10] ''''گزشتہ امت کے اعمال ان کے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔ " یہاں ''امت ''کا لفظ بتاتا ہے کہ خود معاشرتی اعمال کا اثر ہے، بعض آیات میں تو معاشرتی حیات وممات کا بھی واضح ذکر ہے۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ[11] "ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔" اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ الَّيْلِ[12] یعنی: "ایک امت ایسی بھی ہے جو دین الٰہی

پر قائم ہے اور رات کے وقت آیات الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں۔" قرآن نہ فقط اشخاص کی داستانیں بیان کرتا ہے بلکہ ملل واقوام کی تاریخ کا بھی ذکر کرتا ہے۔قرآن مجید میں بعض اوقات ایک فرد کے فعل کو پوری قوم کا فعل تصور کیا گیا ہے مثلا ناقۂ صالح کو ایک شخص نے مارا تھا قرآن فرماتا ہے پوری قوم صالح نے مارا۔ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا [پھر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔][13]

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ایها الناس انما یجمع الناسَ الرضاءُ والسُخطْ وانما عقر ناقة ثمود رجل واحد فعمهم الله بالعذاب لما عموه با الرضا[14] [اے لوگو! (افعال واعمال چاہے مختلف ہوں مگر) رضا و ناراضگی کے جذبات تمام لوگوں کو ایک حکم میں لے آتے ہیں چنانچہ قوم ثمود کی اونٹنی کو ایک ہی شخص نے پے کیا تھا لیکن اللہ نے عذاب سب پر کیا کیونکہ وہ سارے کے سارے اس پر رضا مند تھے۔] قرآن مجید نے ماضی کو حال و مستقبل کے ساتھ پیوستہ اور متصل بیان کیا ہے جیساکہ گزشتہ یہودیوں کے فعل کو یثرب کے یہودیوں سے نسبت دی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی معاشرہ ایک خاص قسم کے افکار کا مالک ہوتا ہے تو وہاں ایک فرد کے عمل کی سزا سب کو بھگتنا پڑتی ہے بعض اوقات ایک شخص کے فعل کو قرآن نے بعد والی نسلوں کا فعل قرار دیا ہے: قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ [15]

بنابریں، قرآن مجید معاشرہ کو ایک موجود زندہ کے طور پر قبول کرتا ہے اور اس کے عروج وزوال کے اسباب کو بھی بیان کرتا ہے تاکہ انسان جو معاشرہ کی ترقی یا پستی میں اہم کردار ادا کرنے والا ہے ان علل واسباب کی جانب متوجہ رہے۔قرآن کی اصطلاح میں معاشرہ پر کچھ قوانین الیہ حاکم ہیں ان قوانین کو قرآنی اصطلاح میں ''سنۃ'' سے تعبیر کیا گیا ہے کامیابی یا ناکامی، ترقی یا تنزلی ان قوانین کے بغیر نہیں ہوتی یعنی امتوں کا عروج وزوال ایک خاص اصول کے تحت ہے۔ محض تصادف یا تفاقی طور پر رونما نہیں ہوتا خدا فرماتا ہے: فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً [16] "کیا یہ لوگ اس (الٰہی) دستور کے منتظر ہیں جو گزشتہ قوموں کے لیے رہا؟آپ اللہ کے دستور وطریقہ کار میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔" قانون الٰہی اٹل ہے اور اس میں تبدیلی کا امکان نہیں اسی آیہ مجیدہ میں مشرکین کی چال کا ذکر کرنے کے بعد ایک کلی اصول وقانون بیان فرمایا: وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِه [17] یعنی: "بری چالیں خود چال چلنے والے کو ہی لے ڈوبتی ہیں۔"

یعنی ہر عمل اور ہر چال کا ایک قدرتی نتیجہ ہوتا ہے جو ناقابل تغییر ہے۔انسان کے اعمال وافعال کا اثر ہوتا ہے جس سے قوموں کی تقدیر بنتی یا بگڑتی ہے۔اسی بنا پر قرآن مجید نے اپنے اصلاح معاشرہ کے پروگرام میں جہاں دستور العمل پیش کیا ہے وہیں گزشتہ اقوام کے اعمال و کردار کے باعث معاشرتی تبدیلیوں کو بھی بیان کیا ہے پھر ہمیں ان اقوام کے

حالات پر غور وفکر کرنے کی ترغیب دلائی ہے تاکہ ہم الٰہی روش کو ہمیشہ سامنے رکھیں،ارشاد رب العزت ہے :قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ[18] یعنی: "تم سے پہلے مختلف روشیں گزر چکی ہیں پس تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں :عباد الله ان الدهريجرى با الباقين كجريه بالماضين[19] یعنی: "اے اللہ کے بندو! باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ بھی زمانہ کی وہی روش رہے گی جو گزشتہ لوگوں کے ساتھ تھی۔" قرآن مجید نے غیر متغیر قوانین ور وشہائے الٰہی کو ذکر کیا ہے۔مثال کے طور پر ایک قانون ثابت الٰہی یہ ہے کہ ہر فساد کے آخر میں انتقام اور ہر اصلاح کے بعد رحمت الٰہی نظر آنے گی :عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ:وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا[20] یعنی: "امید ہے تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے لیکن اگر تم نے (شرارت) دہرائی تو ہم بھی (اسی روش کو) دہرائیں گے۔"

اس آیہ کریمہ میں کتنا واضح فرمایا کہ رحمت الٰہی کے لیے قابلیت کا ہونا شرط ہے اگر بنی اسرائیل توبہ واستغفار کے ساتھ خود کو رحمت خدا کا اہل بنادیں تو اللہ ان پر رحم کرے گا کیونکہ وہ ذات ''ا رحم الراحمین'' ہے لیکن جہاں اللہ ''ارحم الراحمین'' ہے وہ ''شدید الانتقام'' بھی ہے کہ اگر تم نے پھر وہی سر کشی وبغاوت، ظلم وبربریت اور نافرمانی کی روش اختیار کی تو ہم بھی وہی سلوک اختیار کریں گے کہ تم پھر قتل واسیری اور ذلت وخواری سے دوچار ہوگے اتنی بڑی صراحت کے باوجود، دور حاضر کے یہودی اور صیہونی اپنی ظالمانہ روش پر باقی ہیں لیکن قرآن آج بھی آخری وارننگ کے طور پر کہہ رہا ہے کہ جب تم ''عدتم'' (انسان کشی کی سابقہ روش) پر گامزن رہے تو پھر تیار ہو جاؤ کہ ''عدنا''کا مرحلہ زیادہ دور نہیں اور وعدہ الٰہی کے مطابق ذلت ور سوائی تمہارا مقدر بن جائے گی۔ہاں البتہ یہ قانون الٰہی تمام کفار اور منکرین خدا کے لیے یکساں ہے :قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ[21] یعنی: "کفار سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ پہلے (ان سے سرزد) ہو چکا ہے اسے معاف کر دیا جائے گا۔لیکن اگر انہوں نے (پچھلے جرائم کا) اعادہ کیا تو پھر گزشتہ اقوام کے ساتھ اپنائی گئی روش (ان پر بھی) نافذ ہو کر رہے گی۔"

قرآن در حقیقت انسان کو عمل و کردار کے ذریعے ترقی ومعراج کی منازل پر گامزن کرنے کی خاطر نازل ہوا ہے، لہٰذا ہمیشہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کی تاکید کرتا ہوا نظر آتا ہے۔علاوہ ازیں انبیا و معصومین نے عملی نمونہ بن کر اپنی فردی واجتماعی زندگی میں محنت و کوشش کو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرکے معاشرہ سازی میں اہم کردار،ادا کیا ہے قرآن مجید نے بھی سعادت وخوش بختی کی خوش خبری ان لوگوں کو سنائی ہے جو ایمان

کے مطابق اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ الّا الّذین امنوا وعملوا الصالحات کا قرآن مجید میں ۶۳ بار ذکر ہوا ہے جس کا مطلب شاید یہ ہے کہ ایمان کو عمل صالح کے ساتھ ذکر کرکے خداوند متعال واضح کرنا چاہتا ہے کہ حقیقی ایمان وہ ہے جس کے ساتھ عمل و کردار بھی ہو۔

یہاں پر اس سوال کا جواب دینا مناسب ہوگا جو ممکن ہے کسی کے ذہن میں آئے کہ ''جب معاشرہ پر سنت الٰہی'' (ناقابل تغیر روش) کی حکمرانی ہے تو پھر انسانی اعمال کا معاشرہ میں کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے یا اس طرح کہیں کہ سنت الٰہی سے مراد قضا وقدر کا نظام ہے جس کا نتیجہ یہ اخذ کریں کہ ایسی صورت میں انسان کسی قسم کی حریت وآزادی کا حامل نہیں ہے مختصر جواب یہ ہے کہ قرآن مجید ایسی انحرافی فکر کی شدت سے مخالف کرتا ہے قرآن کی نظر میں ''معاشرہ پر حاکم سنت ہائے الٰہی'' سے مراد ایسے قوانین نہیں ہیں جو انسان کے اختیار سے خارج ہوں بلکہ ہر قوم و ہر معاشرہ پر اس قوم و معاشرہ کے اپنے اعمال کے نتائج حاکم ہیں باالفاظ دیگر ''سنت الٰہی ''در حقیقت انسانی عمل کا ردّ عمل اور معاشرتی کردار کا عکس ہے ہاں البتہ معاشرہ پر کچھ قطعی و یقینی اور ثابت قوانین بھی حاکم ہیں جنہیں قرآن نے ذکر کیا ہے لیکن یہ سب انسان کی حریت وآزادی کو سلب نہیں کر سکتے کیونکہ یہ بھی الٰہی فیصلہ ہے کہ : اِنَّ اللهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [22] ''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔ ''حالات میں تغیر کی دو صورتیں ممکن ہیں۔

اصلاح احوال کی صورت میں دوام نعمت

اس صورت کے بارے میں یہ آیت ایک ضابطہ قائم کرتی ہے کہ جب تک اصلاح احوال موجود ہے اس صورت میں اللہ کوئی تبدیلی نہیں لائے گا، جب تک لوگ خود تبدیلی نہ لائیں۔

فساد احوال کی صورت میں زوال نعمت

متعدد آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ظلم کا نتیجہ ہلاکت اور گناہوں کا نتیجہ ذلت وخواری ہے تاہم یہ لطف خداوندی ہے کہ اس نتیجہ کو لازمی قرار نہیں دیا بلکہ بعض حالات میں درگزر فرماتا ہے۔[23] قرآن مجید کی متعدد آیات اس مطلب کی طرف راہنمائی کرتی ہیں کہ اعمال انسانی کا اثر جہاں خود انسان پر ہے وہیں اس معاشرہ پر بھی ہے جس میں یہ انسان موجود ہے گویا یہ جہان اندھا یا بہرہ نہیں بلکہ چشم بینا اور گوش شنوار کھتا ہے اور بشر کے اعمال کے مقابلے میں مناسب رد عمل کا اظہار کرتا ہے یعنی اس عالم کا رد عمل ظالم وعادل کے اعمال کے مقابلے میں یکساں نہیں ہے۔ معاشرہ پر مسلط مختلف حکومتوں کے مقابلے میں معاشرتی حالات بھی مختلف ہونگے کیونکہ ہر حکومت کے کردار واعمال کا اثر اسی کے مطابق مترتب ہوگا۔ قرآن مجید نے اقتصادی بدحالی اور ناامنی کے علل وعوامل کو ایک مثال کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ ارشار باری تعالیٰ ہے :وَضَرَبَ اللهُ مَثَلًا قَرْیَةً کَانَتْ اٰمِنَةً

مُّطۡمَئِنَّةً يَّاۡتِيۡهَا رِزۡقُهَا رَغَدًا مِّنۡ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتۡ بِاَنۡعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ بِمَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ[24] ''اور اللہ نے اس قریہ کی بھی مثال بیان کی ہے جو محفوظ اور مطمئن تھی اور اس کا رزق ہر طرف سے باقاعدہ آرہا تھا لیکن اس قریہ کے رہنے والوں نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا تو خدا نے انہیں بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھادیا صرف ان کے اعمال کی بناپر کہ جو وہ انجام دے رہے تھے۔''

یہ قدرت کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ وہ پہلے انسان کو مختلف نعمتوں سے نوازتا ہے اس کے بعد اس سے شکر کا مطالبہ کرتا ہے اب اگر انسان شکر ادا کر دیتا ہے یعنی نعمتوں کو اس کے بتائے ہوئے راستوں پر صرف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مزید نعمتیں عطا کر دیتا ہے اور اگر کفران نعمت کرتا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتا ہے تو وہ اس نعمت کو سلب کر لیتا ہے اور اسے مختلف قسم کے عذاب میں بھی مبتلا کر دیتا ہے اس عذاب کی ایک نمایاں مثال بھوک اور خوف ہے کہ قرآن مجید نے ان دونوں چیزوں کا ذکر مختلف مقامات پر کیا ہے اور در حقیقت دور حاضر کا بڑا عالمی مسئلہ بھی بھوک اور خوف کا مسئلہ ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ یقینا انسان نے کفران نعمت کیا ہے تو یہ عذاب نازل ہو گیا ہے اور اگر مالک حقیقی کی عبادت اور اطاعت شروع کر دے گا تو یقینا یہ عذاب بر طرف ہو جائے گا۔[25]

مذکورہ آیت میں ''فکفرت بانعم اللہ '' کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی نعمتوں کا کفران، عذاب الٰہی کا موجب بن سکتا ہے لیکن نعمات الٰہی کے درجات میں فرق ہونے کی بناپر جس درجہ کی نعمت ہو گی اسی درجہ کی ذمہ داری بھی عائد ہو گی اور اس نعمت کا کفران کرنے سے بڑے عذاب میں مبتلا ہو سکتا ہے دور حاضر میں معاشرتی پر یشانیوں کی بڑی وجہ توحید اور ولایت سے دوری ہے جس معاشرہ میں انواع واقسام کی بت پرستی رائج ہو اور اولیائے خدا کو چھوڑ اولیائے شیطان کی پیروی کی جارہی ہو ایسے معاشرہ میں بھوک وناامنی کا مسئلہ عفریت بن کر سامنے آجائے گا ''ولایت طاغوت '' سے اجتناب اتنا اہم ہے کہ قرآن مجید نے مختلف انداز میں اس پر زور دیا ہے۔ یہود ونصاریٰ کی سرپرستی سے پرہیز کرنے کو ایمان سے مشروط کیا ہے :لَا تَتَّخِذُوا الۡيَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوۡلِيَآءَ[26] ''یہود نصاری کو اپنا سرپرست نہ بناؤ ۔ فَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِيۡنَ وَجَاهِدۡهُمۡ بِهٖ جِهَادًا كَبِيۡرًا[27] ''کافر ومنکر دین لوگوں کی پیروی نہ کرو بلکہ قرآن کے ذریعے ان پر بڑا جہاد کرو۔" وَلَنۡ يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ سَبِيۡلًا[28] ''اور اللہ ہر گز کافروں کو مومنون پر غالب نہیں آنے دے گا۔ وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ[29] ''خبردار سستی نہ کرنا اور (مصائب پر) محزون نہ ہونا اگر تم صاحبان ایمان ہو تو سربلندی تمہارے ہی لیے ہے۔"

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ معاشرتی تغیرات میں انسانی اعمال کا اثر ہے لہٰذا یہ آیت بھی اسی قانون الٰہی کے پیش نظر فیصلہ سنارہی ہے یعنی خدا کا ایک فیصلہ تو یہی ہے لیکن خدا کا وہ قانون بھی اپنی جگہ برقرار ہے کہ ہر عمل

اپنا اثر ضرور دکھائے گا پس اگر کبھی کافروں کے مسلمانوں پر غالب آنے کی نوبت آ گئی تو اس کا سبب ایمان کی کمزوری یا فقدان ہوگا۔ گزشتہ آیت میں ''جاھدھم بہ'' کی تعبیر بتا رہی ہے کہ کفار اور سرطاغوت کا مقابلہ کرنے کے لیے ''قرآن'' ہی بہترین وسیلہ ہے۔ سورہ نمل میں واضح طور پر تلاوت قرآن کو گمراہی کے خاتمے کا ذریعہ قرار دیا ہے: اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ۔۔۔وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَا اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ[30] ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی بندگی کروں۔۔۔اور یہ کہ میں قرآن پڑھ کر سناوں اس کے بعد جو ہدایت پر چلے گا اس کا اپنا فائدہ ہے اور جو گمراہی میں چلا جائے اسے کہہ دیجیے کہ میں تو صرف تنبیہ کرنے والا ہوں۔"

قرآن مجید میں بعض مطالب کو کئی بار دہرایا گیا ہے اس طرح بعض داستانوں کو بھی مختلف سورتوں میں تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مخصوصا بنی اسرائیل کے قصوں کو کئی بار دہرایا ہے ان میں حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصے کو بار بار ذکر کیا ہے اس کا فلسفہ واضح ہے کہ زیادہ اہمیت کے حامل مطالب کئی بار ذکر کرنے سے انسانی ذہن میں راسخ ہو جاتے ہیں ماہرین نفسیات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں علاوہ برین بنی اسرائیل کے حالات وواقعات امت اسلامی کے حالات سے شباہت رکھتے ہیں اس کی تائید میں روایات بھی موجود ہیں کہ حضرت رسول ﷺ نے فرمایا ''جو کچھ بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آیا وہ میری امت پر بھی گزرے گا۔ ''

ایک اور وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ قوم بنی اسرائیل درحقیقت جامعہ بشری کے لیے نمود اور عنوان کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی وہ قوم معاشرتی تحولات و تغیرات کا مکمل مجموعہ تھی لہٰذا ان کے حالات کو مد نظر رکھ کر دیگر معاشروں کی اصلاح کے لیے عبرت حاصل کی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید نے جہاں جہالت و گمراہی یا بھوک و ناامنی اور دیگر معاشرتی برائیوں کے علل واسباب ذکر کیے ہیں وہیں ان برائیوں کا علاج بھی بتایا ہے مثال کے طور پر "گمراہی" اور "بدامنی" کے حل کو توحید پرستی اور اخلاص میں قرار دیا ہے ارشاد رب العزت ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ[31] [جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا انہیں کے لیے امن وسکون ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔]

قرآن کی نگاہ میں تنہا ایمان کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ ایمان خالص ہو اور ظلم سے آلودہ نہ ہو نیز اس مقام پر ظلم سے کفر وشرک بھی مراد ہو تب بھی ظلم کی تعبیر میں عمومیت پائی جاتی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کسی قسم کے ظلم کے ساتھ امن وسکون کا حصول ناممکن ہے۔ قرآن مجید میں تمام معاشرتی برائیوں کا حل موجود ہے۔ بشرطیکہ اس قرآن کو اصلاح معاشرہ کے لیے راہنما کے طور قبول کرتے ہوئے اس کی تعلیمات کو معاشرے میں رائج کریں۔

.....

حوالہ جات

1۔سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۴۔

2۔سورہ نوح آیت ۱۲۔۱۰۔

3۔سورہ اعراف، آیت ۹۶۔

4۔ نجفی، محسن علی، بلاغ القرآن، ص ۲۱۸۔

5۔سورہ الانفال، آیت ۲۵۔

6۔سورہ مائدہ، آیت ۱۰۵۔

7۔سورہ نساء، آیت ۹۷۔

8۔کلینی، یعقوب، الکافی ج ۵، ۵۶۔

9۔سورہ مدثر، آیت ۳۸۔

10۔سورہ بقرہ، آیت ۱۳۴۔

11۔سورہ یونس، آیت ۴۹۔

12۔سورہ آل عمران، آیت ۱۱۲۔

13۔سورہ الشّمس، آیت ۱۴۔

14۔مفتی جعفر حسین نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۹۔

15۔سورہ بقرہ، آیت ۹۱۔

16۔سورہ فاطر آیت ۴۳۔

17۔ایضاً۔

18۔سورہ آل عمران، آیت ۱۳۷۔

19۔ مفتی، جعفر حسین، نہج البلاغہ خطبہ ۱۵۵۔

20۔سورہ اسراء آیت ۸۔

21۔سورہ انفال، آیت ۳۸۔

22۔سورہ الرعد، آیت ۱۱۔

23۔ نجفی، محسن علی، بلاغ القرآن، ص ۳۳۱۔

24۔سورہ النحل، آیت ۱۱۲۔

25۔جوادی، ذیشان حیدر، انوار القرآن، ص ۵۹۲۔
26۔سورہ المائدہ، آیت ۵۱۔
27۔سورہ الفرقان، آیت ۵۲۔
28۔سورہ النساء، آیت ۱۴۱۔
29۔سورہ آل عمران، آیت ۱۳۹۔
30۔سورہ النمل، آیت ۹۲۔۹۱۔
31۔سورہ الانعام، آیت ۸۲۔

عقیدۂ شفاعت از نظر قرآن وسنت

سید فرحت علی کاظمی
مبلغ حوزہ علمیہ قم

ہر مسلک اور مذہب میں کچھ الفاظ ایسے ہوا کرتے ہیں جن کی ان مسالک ومذاہب میں خاص اہمیت ہوتی ہے بلکہ اس مذہب کا اصل دار ومدار ہی ان الفاظ پر ہوتا ہے اور ان الفاظ کو ہی اس مذہب کے اصلی اصول قرار دیا جاتا ہے۔ یہ اصول اگر کسی فرد میں پائے جائیں تو اسکے لئے ایک مکمل عقیدہ اور مکمل دستور العمل قرار پاتے ہیں اور ان عقائد پر مکمل طور پر عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ ان عقائد کو اپنے اندر پختہ کرکے ہی انسان کامل ہونے کے درجہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ اسلامی ادبیات میں بہت سارے ایسے الفاظ ہیں کہ جو انسانی فکر سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور اس کے عمل سے بھی۔مثلاً لفظ ''شفاعت'' ایک دفعہ عقیدہ ہے اور اس پر عقیدہ رکھنا ہر شخص پر واجب ہے کوئی مسلمان جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا ہے اس پر واجب ہے کہ اس عقیدہ کو اپنے ایمان میں شامل کرے اور اگر ایسا نہ کرے تو گویا اس نے اسلام کے تمام قوانین کو اپنے ایمان میں شامل نہیں کیا اور جب تک وہ اپنے ان تمام عقائد کو ایمان کا حصہ قرار نہ دے، مسلمان کہلانے کے قابل نہیں۔

اسی طرح جب انسان اعمال انجام دے اور آخرت میں ''شفاعت'' کیلئے آمادہ ہو اسی کو ''شفاعت'' کا عقیدہ کہا جاتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک کلاس کے دو شاگرد ہوں اور ایک محنت کرے اور دوسرا محنت نہ کرے جب امتحان لیا جائے اور دونوں فیل ہو جائیں لیکن فرق یہ ہو کہ ایک ۱۰۰ میں سے ۲۸ نمبر لے اور دوسرا ۱۰۰ میں سے صفر نمبر لے تو اس صورت میں استاد جس نے ۱۰۰ میں سے ۲۸ نمبر لئے ہوں گے اس کو استاد پاس کر دے گا اور کہے گا کہ میں نے دیکھا کہ اس بچے نے پورا سال محنت کی اور نہ جانے کس وجہ سے یہ زیادہ نمبر نہ لے سکا اس لئے اس کو رعایتی پاس کیا جاتا ہے اور جس نے کوئی نمبر نہیں لیا اس کو کہا جائے گا کہ اس کو کس طرح پاس کیا جائے کیونکہ اس نے تو نہ محنت کی تھی اور نہ ہی نمبر لے سکا اس لئے اس کو پاس کرنا مشکل ہے۔اس دنیوی طریقہ کو دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ قیامت میں شفاعت کس طرح کی جائے گی۔ اور اس کی تحقیق کیلئے اب ہم لغت کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ ''شفاعت'' کا صحیح معلوم کیا جاسکے۔

شفاعت لغت میں

یہ مادہ ''شَفَعَ یَشْفَعُ'' سے ہے اور اس کا مصدر شَفَاعَۃً ہے جس کا معنیٰ سفارش کرنا اور کسی کے بر خلاف مدد دینا ہے۔اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ''فلان یعادینی و لہ شافع''۔فلاں شخص مجھ سے عداوت رکھتا ہے اور اس کا

مددگار ہے جو میری دشمنی پر اس کی مدد کرتا ہے اور اسی مادہ سے ہیں شَفَّعَ سفارش ماننا۔ تَشَفَّعَ سفارش کرنے کے لئے کہنا۔ اِسْتَشْفَعَ سفارش کرنے کی درخواست کرنا۔ کسی سے کسی پر مدد چاہنا۔ شافع اور شفیع بھی اسی مادہ سے ہیں۔ جس کا معنی ہے سفارشی۔[1]

شَفِیْع: صاحب شفاعت۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا[2] "جو شخص اچھی شفاعت کرے گا اس میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے گا اس میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا۔" یعنی اس میں سے گناہ اور شفاعت حسنہ سے مراد مؤمنین کیلئے دعا ہے۔ امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ ''وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى''[3] وہ کسی کی شفاعت نہیں کرتے مگر اس کی جسے وہ (خدا) چاہے جو امت میں سے اہل گناہان کبیرہ اور گناہان صغیرہ ہوں البتہ وہ جو گناہان پر توبہ کرنے والے ہیں وہ شفاعت کے محتاج نہیں ہوں گے۔[4] ''اَلشَّفَاعَةُ فی القیامة قوله تعالیٰ: لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا[5] شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے سوائے اس کے جس نے (خدائے) رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہو گا۔ ''لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ''[6] ''اس دن کوئی سفارش فائدہ نہیں دے گی سوائے اس کی (سفارش) کہ جسے (خدائے) رحمٰن نے اجازت دے دی۔" امور کی تدبیر کرنے والا صرف خدائے واحد ہی ہے مگر یہ کہ جس کو وہ تدبیر کرنے کی اجازت دے دے اور ملائکہ میں سے کچھ ایسے ہیں جن کو خدا نے تدبیر کی اجازت دی ہے اور اب وہ امور انجام دیتے ہیں جن کو خدا انجام دیتا ہے خدا کے اذن سے۔[7]

شفاعت قرآن کی نگاہ میں

قرآن مجید میں کلمہ شفاعت مختلف طریقوں اور مختلف مناسبتوں سے آیا ہے اس وجہ سے جب تک ہم ان مختلف طریقوں میں سے چند ایک کو ذکر نہ کریں تب تک ہمیں ان آیات کے بارے میں پتہ نہیں چل سکتا کہ شفاعت کا قرآن مجید میں استعمال کس طرح اور کس کے لئے کیا گیا ہے۔ اس لئے نمونے کے طور پر چند ایک آیات کو ذکر کرتے ہیں:

پہلی قسم: وہ آیات ہیں جو ابتداء امر میں شفاعت کی نفی کرتیں ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ[8] یعنی: " اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں عطا کر دیا ہے اس میں سے انفاق کرو بیشتر اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ تو کوئی بیع ہو گی اور نہ دوستی اور نہ سفارش، اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔" اس آیت میں خداوند متعال کا خطاب مؤمنین سے ہے (یا ایھا الذین آمنوا۔۔۔۔) اے ایمان والو! لیکن اس کے باوجود

آیت میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن یہ نفی مطلق نفی نہیں ہے بلکہ ایک قرینہ کے ذریعے ہے جس کو ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ خداوند متعال کا فرمان ہے (والکافرون هم الظالمون) اس لئے یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ شفاعت کفار کیلئے نہیں ہے۔[9]

دوسری قسم: وہ آیات جن میں اہل یہود کے لئے شفاعت کی نفی کی گئی ہے: وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ[10] یعنی: "اور تم ڈرو اس دن سے جبکہ کوئی شخص کسی شخص کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ ہی اس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔" اس آیت میں یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے اور ان کو شفاعت سے محروم قرار دیا گیا ہے اور قیامت کے دن اِن سے کسی قسم کی سفارش کو قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ ان یہودیوں کا کہنا تھا کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور اس نسبت سے وہ ہماری شفاعت کریں گے۔[11] اور یہی وہ بات تھی جس کی بناپر وہ ارتکاب جرم کرتے تھے اور فرائض کو انجام نہیں دیتے تھے۔

تیسری قسم: وہ آیات ہیں جن میں کفار کے لئے شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ خداوند متعال کفار سے حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ[12] یعنی: "اور ہم جزا کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دے گی۔" یہ کفار وہ لوگ ہیں کہ جو خدا، اس کے رسل اور کتب آسمانی کا انکار کرتے تھے اور اس انکار کی وجہ سے ان کی شفاعت نہیں ہو سکتی یہی انکار وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے یہ صالحین کی شفاعت سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے۔ اور اس انکار کی وجہ سے کوئی صلہ رحمی اور انس باقی نہیں رہتا کہ جس کی بناپر شفاعت کی جا سکتی ہے۔

چوتھی قسم: اس میں وہ آیات ہیں جن میں بتوں کی شفاعت کی نفی کی گئی ہے: وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ[13] اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے سفارش کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جنھیں تم گمان کرتے تھے کہ وہ بھی تمہاری (پرورش) میں (ہمارے) شریک ہیں یقیناً تمہارا باہمی تعلق ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور جس چیز کا تم گمان کرتے ہو، وہی تم سے جاتی رہی۔ یہ قسم ان افراد کے لئے ہے کہ جو بتوں کی شفاعت کے قائل ہیں گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ وہ اس شفاعت کے ذریعے ختم ہو جائیں گے۔ لیکن ان آیات نے ان کے تمام عقائد کو غلط ثابت کیا اور ان ہی عرب جہلا کا عقیدہ تھا کہ وہ ان بتوں کی پوجا کریں تاکہ وہ بت ان کی خدا کے سامنے شفاعت کریں۔

پانچویں قسم: یہاں وہ آیات ذکر کی جائیں گی جن میں شفاعت مختص ہے صرف خداوند متعال کے ساتھ: اَللّٰهُ

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ [14] یعنی: "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ دونوں کے درمیان ہے چھ وقتوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر مستولی ہوا تمہارے لئے اس کے سوا نہ کوئی سرپرست ہے اور نہ سفارشی پس کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔" اس قسم کی آیات قرآن میں بہت زیادہ ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ شفاعت صرف خدا کا حق ہے کیونکہ اقتدار اعلیٰ کی مالک صرف وہی ذات ہے چونکہ خالق ایک ہی ہے اس لئے شافع حقیقی بھی صرف ایک ہی ہے۔اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا اگر کوئی ہو سکتا ہے تو صرف اس کے اذن سے۔ بغیر اس کے اذن کے کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ شفاعت کرسکے: وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰی رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ [15] اور جو لوگ ڈرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرا کہ وہ اپنے پروردگار کے حضور میں اکٹھے کیے جائیں گے جہاں سوائے اس کے ان کیلئے نہ کوئی سرپرست ہو گا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا تاکہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔

چھٹی قسم: وہ آیات شامل ہیں جن میں شفاعت کو کسی کیلئے قرار دیا گیا ہے لیکن خداوند متعال کے اذن اور حکم سے: لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا [16] اس دن کوئی سفارش فائدہ نہیں دے گی سوائے اس (کی سفارش) کہ جسے خدائے رحمٰن نے اجازت دے دی اور جس کی بات کو اس نے پسند کرلیا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ [17] اور انہوں نے کہہ دیا کہ (خدائے) رحمٰن نے (فرشتوں کو) اولاد بنالیا وہ تو اس سے پاک ہے بلکہ وہ (فرشتے خدا کے) معزز بندے ہیں وہ اس سے کسی بات میں سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ (اللہ) سب کچھ جانتا ہے وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے سوائے اس کے جسے وہ پسند کرے اور وہ خود اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔

شفاعت علماء اسلام کی نگاہ میں

شفاعت کی تعریف کرتے ہوئے سید محسن الامین آملی یوں فرماتے ہیں۔: عبارۃ عن دعائه الله تعالیٰ لاجل الغیر و طلبه منه غفرا الذنب و قضاء الحوائج فالشفاعة نوع من الدعاء و الرجاء [18] شفاعت ایک شخص کا خدا وند متعال کو پکارنا ہے کسی دوسرے شخص کے ذریعے اور اس کا خدا سے گناہوں کی بخشش چاہنا اور حاجات کو روا کروانا پس شفاعت ایک طرح سے دعا بھی ہے اور امید بھی۔ اذ الشفاعة هی: ''السوال فی التجاوز الذنب [19] شفاعت گناہوں سے دوری کو چاہنا ہے۔اگر کلمہ شفاعت کو ملاحظہ کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ شفاعت قرآن مجید

میں جتنی طرح سے وارد ہوا ہے گناہگاروں سے عذاب کو دور کرنے کے معنی میں ہے۔[20] ملا محسن فیض کاشانی فرماتے ہیں کہ الجنة لاهل الايمان الذين لم يذنبوا كبيرة او تابوا منها او ادركتهم الشفاعة او نالتهم الرحمة[21] جنت اہل ایمان کیلئے ہے وہ اہل ایمان کہ جنہوں نے گناہان کبیرہ نہ کیے ہوں یا ان کی توبہ کی ہو یا جنہوں نے شفاعت کو درک کیا ہو یا رحمت خداوندی تک پہنچ گئے ہوں۔ ملا محسن فیض کاشانی فرماتے ہیں کہ ''اعلم انه اذا حق دخول النار على طوائف من المؤمنين فان الله تعالىٰ بفضله يقبل منهم شفاعة الانبياء والصالحين''[22] جان لو جب مؤمنین میں سے کسی ایک گروہ کا حق یہ ہو کہ اسے جہنم میں داخل کیا جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے لئے انبیاء اور صالحین کی شفاعت قبول کرتا ہے۔

الشیخ مفید علیہ رحمہ متوفی ۴۱۳ھ فرماتے ہیں: اتفقت الامامیه علی ان رسول الله ﷺ يشفع يوم القيامة لجماعة من مرتكبي الكبائر من امته، وان امير المؤمنين(ع) يشفع في اصحاب الذنوب من شيعته، وان آئمة آل محمد(ص) كذالك، وينجي الله بشفاعتهم كثيرا من الخاطئين''[23] تمام مذہب امامیہ اس بات پر متفق ہے کہ رسول گرامی اسلام ﷺ قیامت کے دن ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن سے گناہان کبیرہ سرزد ہو گئے ہوں گے اور امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب اپنے شیعوں میں سے جن سے گناہ سرزد ہو گئے ہوں گے ان کی شفاعت کریں گے اور تمام آئمہ جو آل محمد ﷺ میں سے ہیں شفاعت انجام دیں گے اور خداوند متعال ان کی شفاعت کے ذریعے بہت زیادہ گناہگاروں کو بخش دے گا۔ البتہ اس بات کو مد نظر رکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کی شفاعت کی جائے گی اگرچہ وہ اہل کبائر ہوں گے لیکن وہ افراد ہوں گے جن سے گناہ سرزد ہو گئے ہوں گے نہ یہ کہ وہ عموماً گناہ انجام دیتے ہوں گے کیونکہ وہ شخص مؤمن ہی نہیں رہتا جو جاں بوجھ کر گناہ کو انجام دیتا ہو یا اپنا وتیرہ ہی بنا لے۔ لیکن اگر کسی نادانی کی وجہ سے انجام دے دے تو اس کیلئے بخشش ہے اور وہ شفاعت کے دائرے میں آتا ہے۔

شفاعت کرنے والے

قرآن کی نظر میں شفاعت کرنے والوں کی کچھ صفات ہیں جن کی بناپر جانا جاسکتا ہے کہ وہ کون سے افراد ہیں جو شفاعت کر سکتے ہیں اور وہ صفات درج ذیل ہیں:

1. يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا[24] اس دن کوئی سفارش فائدہ نہیں دے گی سوائے اس (کی سفارش) کہ جسے خدائے رحمٰن نے اجازت دے دی اور جس کی بات کو اس نے پسند کر لیا۔
2. لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا[25] شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے سوائے اس کے جس نے (خدائے) رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہو گا۔

3. وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ[26] اور جن کو یہ لوگ اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھیں گے سوائے اس کے جس نے حق کی گواہی دی اور وہ جانتے ہیں۔

یہ وہ افراد ہیں جن کی شفاعت کو خداوند متعال قبول کرے گا اور وہ حق رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن شفاعت کر سکیں تاکہ وہ مؤمنین جن کے گناہ زیادہ ہیں اور ثواب کم ہے تو خداوند متعال ان کو مخصوص افراد کی شفاعت سے بہرہ مند کرے گا۔ یہ وہ خصوصیات اور صفات ہیں جو بعض افراد میں پائی جاتی ہیں اور قرآن نے بھی اس بات کی گواہی دی ہے اور بتایا ہے کہ ان آیات سے مراد کون لوگ ہیں۔قرآن مجید، وہ افراد جو شفاعت کرنے کا حق رکھتے ہیں ان کے نام تو بیان نہیں کرتا البتہ ان کی صفات ضرور بیان کرتا ہے جو کہ اوپر بیان کی گئی ہیں اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ وہ افراد کون ہیں جو خداوند متعال کے اذن سے شفاعت کر سکیں گے اور وہ تین قسم کے افراد ہیں :

۱۔انبیاء　۲۔ملائکہ　۳۔مؤمنون

جیسا کہ روایات میں بیان ہوا ہے۔حضرت رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:یشفع النبیون والملائکة والمؤمنون[27] انبیاء اور ملائکہ اور مؤمنین شفاعت کریں گے۔ رسول خداﷺ فرماتے ہیں:ثلاثة یشفعون الی اللہ فیشفعون،الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء[28] تین افراد خدا کے نزدیک شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا:انبیاء، علماء اور شہداء۔ نیز فرمایا: الشفعاء خمسة :القرآن والرحم والامانة ونبیکم واھل بیت نبیکم[29] شفاعت کرنے والے پانچ ہیں۔۱۔قرآن ۲۔صلہ رحمی ۳۔امانت داری ۴۔تمہارا نبیﷺ ۵۔تمہارے نبیﷺ کے اہل بیتؑ۔

شفاعت سے بہرہ مند ہونے والے

رسول خداﷺ فرماتے ہیں: شفاعتی لامتی من احب اھل بیتی[30] یعنی: "میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کیلئے ہے جو میری اہل بیت سے محبت کرتے ہیں۔" نیز فرمایا: اذا قمت المقام المحمود تشفعت فی اصحاب الکبائر من امتی فیشفعنی اللہ فیھم ،واللہ لاتشفعت فیمن آذیٰ ذرّیتی[31] یعنی: " جب میں مقام محمود پر پہنچوں گا تو میں اپنی امت کے گناہگاروں کی شفاعت کروں گا اور خداوند متعال میری اس شفاعت کو قبول کرے گا۔خدا کی قسم میں ان افراد کی شفاعت نہیں کروں گا جنہوں نے میری ذریت کو تکلیف دی۔"

شفاعت سے محروم

ا۔ نماز کو حقیر جاننے والا

رسول خداﷺ فرماتے ہیں: لا ینال شفاعتی من استخف بصلاته ولا یرد علی الحوض لا واللہ[32] میری شفاعت اس شخص کو حاصل نہیں ہو گی جو نماز کو حقیر جانے گا اور وہ میرے پاس حوض کوثر تک نہیں پہنچ سکتا۔ خدا کی قسم نہیں پہنچ سکتا۔

۲۔ ظالم

ارشاد پروردگار ہے: وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۭ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ[33] یعنی: "اور انہیں قریب آنے والی (قیامت) سے ڈراؤ جبکہ غصہ سے بھرے دل حلقوم کے پاس آ جائیں گے ظالموں کیلئے نہ تو کوئی دوست ہے اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مان لی جائے۔"

۳۔ مشرک

ارشاد پروردگار ہے: وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ[34] یعنی: "اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں ضرر پہنچاتی ہے اور نہ انہیں فائدہ دیتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں کہہ دو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ ہی زمین میں اس کی ذات پاک و برتر ہے ان چیزوں سے جنہیں وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔"

رسول خداﷺ نے فرمایا: اما شفاعتی ففی اصحاب الکبائر ماخلا اهل الشرك والظلم[35] میری شفاعت گناہان کبیرہ سرزد ہونے والوں کے لئے ہے نہ کہ شرک اور ظلم انجام دینے والوں کیلئے۔

۴۔ ناصبی

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: لو ان الملائکة المقربین والانبیاء المرسلین شفعوا فی ناصب ماشفعوا[36] یعنی: "اگر مقرب ملائکہ اور مرسل انبیاء کسی ناصبی کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔"

۴۔ کافر

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ[37] "اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں عطا کر دیا ہے اس میں سے انفاق کرو بیشتر اس کے کہ وہ دن

آجائے جس میں نہ تو کوئی بیع ہو گی اور نہ دوستی اور نہ سفارش ،اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں ۔" اس آیت میں کا فروں کی شفاعت سے نفی کی گئی ہے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ کافروں کو قیامت میں شفاعت کا حق نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ کفر ایک ایسی صفت ہے جس کی بناپر انسان خداوند متعال کا مخالف قرار پاتا ہے۔جس طرح سے آیت مبارکہ میں ہے کہ :''اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ وَ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔہُمُ الطَّاغُوۡتُ یُخۡرِجُوۡنَہُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ''۔ [38] اللہ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے اللہ انہیں تاریکی سے نور کی طرف لاتا ہے اور وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کے اولیاء طاغوت ہیں جو انہیں نور سے ظلمت کی طرف لے کر جاتے ہیں یہی لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے ۔اور حقیقت یہ ہے کہ شفاعت ہے ہی اس لئے کہ مؤمنین کو جنت میں لے جایا جاسکے اور کافر تو ہیں ہی جہنمی اس لئے ان کو شفاعت عطاء ہی نہیں کی جاسکتی۔

۵۔شیطان کا اتباع

قولہ تعالیٰ: '' فَکُبۡکِبُوۡا فِیۡہَا ہُمۡ وَ الۡغَاوٗنَ ۙ﴿۹۴﴾ وَ جُنُوۡدُ اِبۡلِیۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ ؕ﴿۹۵﴾ قَالُوۡا وَ ہُمۡ فِیۡہَا یَخۡتَصِمُوۡنَ ۙ﴿۹۶﴾ تَاللّٰہِ اِنۡ کُنَّا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۹۷﴾ اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۸﴾ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِیۡنَ ۙ﴿۱۰۰﴾ وَ لَا صَدِیۡقٍ حَمِیۡمٍ [39] پس اس وقت تمام معبود (گمراہ) عابدوں کے ساتھ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور اسی طرح ابلیس کے سارے کے سارے لشکر بھی ،وہ وہاں جھگڑے پر کمر بستہ ہو کہیں گے :اللہ کی قسم ! ہم تو واضح گمراہی میں تھے کیونکہ ہم تمہیں عالمین کے رب کے برابر سمجھتے تھے لیکن ہمیں سوائے مجرمین کے کسی اور نے گمراہ نہیں کیا (افسوس کہ آج) ہماری شفاعت کرنے والے موجود نہیں۔

۶۔قیامت کو جھٹلانے والے

وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ۙ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤی اَتٰىنَا الۡیَقِیۡنُ ؕ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنۡفَعُہُمۡ شَفَاعَۃُ الشّٰفِعِیۡنَ ؕ [40] اور ہم جزا کے دن کو جھٹلا یا کرتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

۷۔جو دین کو لہو اور لعب قرار دیتے ہیں

''وَ ذَرِ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَہُمۡ لَعِبًا وَّ لَہۡوًا وَّ غَرَّتۡہُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا وَ ذَکِّرۡ بِہٖۤ اَنۡ تُبۡسَلَ نَفۡسٌۢ بِمَا کَسَبَتۡ ۟ لَیۡسَ لَہَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیۡعٌ ۚ وَ اِنۡ تَعۡدِلۡ کُلَّ عَدۡلٍ لَّا یُؤۡخَذۡ مِنۡہَا ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اُبۡسِلُوۡا بِمَا کَسَبُوۡا ۚ لَہُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ '' [41] اور تو ان لوگوں کو چھوڑ دے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا رکھا ہے اور انہیں دنیا کی زندگانی نے دھوکا دیا ہے اور اس (قرآن) کے ذریعے نصیحت کر (ایسا نہ ہو) کہ (نفس) اس کی

وجہ سے جو اس نے کیا ہے ہلاکت میں پڑ جائے (پھر) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کا سرپرست اور سفارشی۔اور اگر وہ (نفس) ہر طرح کا بدلہ دینا چاہے گا اس سے قبول نہ کیا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کئے کہ وجہ سے گرفتار ہو گئے ان کیلئے کھولتا ہوا گرم پانی پینے کو،اور درد ناک عذاب ہو گا بوجہ اس کے جو وہ کفر کرتے تھے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔المنجد عربی اردو مادہ شَفَعَ

2۔سورہ نساء آیت ۸۵

3۔سورہ انبیاء آیت ۲۸

4۔مجمع البحرین جلد ۴ صفحہ ۳۵۳

5۔سورہ مریم آیت ۸۷

6۔سورہ طہ آیت ۱۰۹

7۔المفردات فی غریب القرآن جلد ا صفحہ ۴۵۸

8۔سورہ بقرہ آیت ۲۵۴

9۔المیزان فی تفسیر القرآن جلد ۲، صفحہ ۳۲۳

10۔سورہ بقرہ آیت ۴۸

11۔الالٰھیات جلد ۴، صفحہ ۳۳۸

12۔سورۃ المدثر آیت ۴۸،۴۶

13۔سورۃ الانعام آیت ۹۴

14۔سورۃ السجدہ آیت ۴

15۔سورۃ الانعام آیت ۵۱

16۔سورۃ طہ آیت ۱۰۹

17۔سورۃ الانبیاء آیت ۲۶-۲۸

18۔کشف الارتیاب، صفحہ ۱۹۶

19۔النھایۃ فی غریب الحدیث،لابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۴۸۵

20۔شفاعۃ حقیقۃ اسلامیۃ، صفحہ ۱۰

21۔المحجۃ البیضاء جلد ا صفحہ ۲۵۵

22۔المحجۃ البیضاء جلد ۸ صفحہ ۳۴۸
23۔شفاعۃ حقیقۃ اسلامیۃ، صفحہ ۲۶
24۔سورۃ طہ آیت ۱۰۹
25۔سورہ مریم آیت ۸۷
26۔سورۃ زخرف آیت ۸۶
27۔ صحیح بخاری ج۹ص۱۶۰، نقل از الشفاعۃ حقیقۃ اسلامیہ
28۔الخصال ۱۹۷،۱۵۶
29۔بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۳۹، ۴۳
30۔کنز العمال، ۳۹۰۵۷
31۔امالی شیخ صدوق جلد ۳ صفحہ ۲۴۲
32۔المحاسن جلد ا صفحہ ۱۵۹
33۔سورۃ المؤمن آیت ۱۸
34۔سورۃ یونس آیت ۱۸
35۔منتخب میزان الحکمہ مادہ شفاعت حدیث ۳۲۹۴
36۔المحاسن جلد ا صفحہ ۲۹۴
37۔سورہ بقرہ آیت ۲۵۴
38۔سورۃ البقرہ آیت ۲۵۷
39۔سورۃ الشعراء آیت ۹۴-۱۰۱
40۔سورۃ المدثر آیت ۴۸،۴۶
41۔سورہ انعام آیت ۷۰

تین طلاقیں: شرعی اور آئینی حیثیت

آفتاب حسین جوادی
محقق، مولف جامعہ الکوثر اسلام آباد

طلاق کے لغوی معنی کھولنے کے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں نکاح کی گرہ کھول دینے اور زوجیت کا رشتہ اور اور تعلق توڑ دینے کو طلاق کہا جاتا ہے۔ میاں بیوی میں نااتفاقی پیدا ہو جائے تو دونوں میں انتہائی کوشش کرکے صلح کروائی جائے اگر کسی صورت میں صلح ممکن نہ ہو تو مجبوراً دونوں کو الگ کرا دیا جائے، شریعت اسلامیہ انہیں مجبور نہیں کرتی کہ وہ ضرور ایک دوسرے کے پلے بندھے رہیں۔ مرد کو حق طلاق دیا اور عورت کو حق خلع، اور اگر مرد بیوی کو خوش رکھ کر بساتا بھی نہیں اور طلاق دینے پر بھی رضامند نہیں تو قاضی کو اختیار دیا کہ ان میں فیصلہ کرادے۔ طلاق دینا بے شک جائز ہے لیکن اسلام اس کی ہر گز اجازت نہیں دیتا کہ عورت کو بازیچہ اطفال بنالیا جائے بلکہ یہ اجازت انسانی کمزوری کے پیش نظر ضرورتاً دی گئی ہے ورنہ اخلاقی طور پر طلاق سے بری کوئی بات نہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق یعنی: "طلاق اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال کاموں میں سے انتہائی ناپسندیدہ کام ہے۔" طلاق معمولی چیز نہیں، نکاح ہی ایک ایسا رشتہ بنتا ہے جس سے ایک خاندان کا دوسرے خاندان کے ساتھ تعلق استوار ہوتا ہے اسی سے معاشرہ بنتا ہے طلاق سے صرف مرد و زن ہی کا رشتہ نہیں کٹتا بلکہ دو خاندان متاثر ہوتے ہیں ان کا اتحاد ٹوٹ جاتا ہے اور اختلاف و مناقشت کی وسیع خلیج ان کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ بچے اپنے والدین کے ہوتے ہوئے یتیم و بے آسرا ہو کر حوادث روزگار کا نشانہ بن جاتے ہیں انھیں تلخ حقیقتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے شریعت کی طرف سے چند ایک پابندیاں عائد کی گئی ہیں کہ طلاق دینے والے شوہر کا بالغ اور عاقل ہونا ضروری ہے بچے کا طلاق دینا صحیح نہیں نہ خود اور نہ کسی کو وکیل بنا کر خواہ وہ ممیّز اور دس کا ہی کیوں نہ ہو اسی طرح دیوانہ کا طلاق دیوانگی کی حالت میں صحیح نہیں چاہے وہ دائمی دیوانہ ہو یا وقتاً فوقتاً اس کو دورے پڑتے ہوں طلاق دینے والے پر کسی قسم کا اکراہ واجبار نہ ہو۔ نیز غصے کی حالت میں طلاق واقع نہ ہو طلاق کے صحیح واقع ہونے کے لیے دو عادل گواہوں کی موجودگی ضروری ہے اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے: وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ[1] یعنی: "اور اپنوں میں سے دو صاحبان عادل کو گواہ قرار دو۔"

زمانہ جاہلیت میں حق طلاق و رجوع غیر محدود تھا جس سے عورتوں پر بڑا ظلم روا رکھا جاتا تھا۔ آدمی بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا اس طرح اسے نہ بساتا اور نہ ہی آزاد کرتا تھا۔ اسلام نے اس ظلم کا راستہ بند کر دیا۔

پہلی یا دوسری مرتبہ سوچنے اور غور کرنے کی سہولت سے محروم بھی نہیں کیا ورنہ اگر پہلی مرتبہ کی طلاق میں ہی ہمیشہ کے لیے جدائی کا حکم دے دیا جاتا تو اس سے معاشرتی و سماجی مسائل پیدا ہوئے اور ناقابل تلافی نقصان ہوتا لہٰذا اس حکمت الٰہیہ کی بنا پر اسلامی شریعت کے زاویہ نگاہ سے ایک مجلس میں ایک ہی وقت میں تین طلاقیں کہنا ایک ہی طلاق تسلیم کی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ایک ہی نشست میں اپنی بیوی کو تحریری یا زبانی طور پر تین مرتبہ طلاق کہہ دے تو وہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام نہیں ہو جاتی بلکہ عدہ میں رجوع کر سکتا ہے۔ طلاق رجعی والی عورت کو عدت کے آخری لمحہ تک شوہر کے گھر ہی رہنا چاہیے اس لیے کہ (لاتدری لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امراً) ''تجھے کیا معلوم اس کے بعد شاید اللہ تعالیٰ بہتری کی کوئی صورت پیدا کرے'' اور عدہ گزرنے کے بعد اس سے عقد جدید کرے گا۔ رجوع یا تو لفظی ہوگا اس سے مراد ہر وہ لفظ ہے جو انشاء رجوع پر دلالت کرے مثلاً (راجعتك الی نکاحی) یاد رکھئے کہ تمام صیغوں میں (الی نکاحی) اور (فی نکاحی) کے الفاظ کو حذف کرنا جائز ہے اور اس میں عربی کی شرط نہیں ہے بلکہ معنی مقصود کی رعایت کے ساتھ ہر زبان میں واقع ہو سکتا ہے۔ یا پھر رجوع عملی ہوگا یعنی اس کے ساتھ ایسا کام کرے کہ جو صرف شوہر اپنی بیوی سے کر سکتا ہے۔ جیسے مباشرت وغیرہ رجوع کے لیے کسی کو گواہ بنانا ضروری نہیں ہے۔ مگر دشمنی اور جھگڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اس سے بچنے کے لیے گواہ بنانا مستحب ہے۔

البتہ اگر رجوع کے بعد پھر طلاق ہو جائے اس کے بعد دوبارہ رجوع پھر ہو تو تیسری بار وہ حرام ہو جائے گی اور اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اور پھر وہ شخص اپنی مرضی سے طلاق دے دے۔ یا وہ مر جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَه مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه (پس اگر تیسری دفعہ طلاق (بائن) دے دے تو پھر جب تک دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔[2] مگر ایک نشست میں تین بار طلاق واقع نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں اس کا واضح حکم موجود ہے کہ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ طلاق (رجعی) دو مرتبہ اس کے بعد یا تو قاعدہ کے مطابق روک لینا چاہیے اور یا پھر اچھے برتاؤ کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔[3] مَرَّتٰنِ تثنیہ ہے جس کا مطلب صاف ہے طلاق دو مرتبہ ایک کے بعد دوسری مراد ہے ابوحیان اندلسی نے الطلاق مرتان کی تفسیر میں لکھا ہے:

فاذا قال انت طالق ثلاثا فهذا لفظ واحد و مدلوله واحد والواحد بستحیل ان یکون ثلاثا او اثنین جب کوئی کہتا ہے تجھے تین طلاق، تو یہ ایک لفظ ہے لہٰذا اس کا معنی بھی ایک ہی ہے کیونکہ ایک کا تین یا دو ہونا محال ہے۔[4] مولوی

اشرف علی تھانوی کے استاد شیخ محمد صاحب تھانوی لکھتے ہیں قوله تعالیٰ الطلاق مرتان معناه مرة بعد مرة فالتطليق الشرعي على التفريق دون الجمع والا رسال ''الطلاق مرتان'' کا معنی ایک ہے بعد دوسری شرعی طلاق الگ الگ ہے۔ نہ اکٹھی یا پے در پے۔[5] یہی تشریح علامہ سندھی حنفی نے حاشیہ نسائی ج ۲ ص ۸۷ میں ابوالبرکات احمد نسفی نے مدارک التنزیل کشوری ج ۲ ص ۱۷۷ میں مولانا عبدالحق اکلیل نے ''اکلیل علی مدارک التنزیل'' ج ۲ ص ۱۷۱ میں اور مولانا انور شاہ الکشمیری نے فیض الباری ج ۴ ص ۳۱۱ طبع ڈابھیل میں کی ہے اور اس کی کئی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

ایک مقام پر فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ[6] ایمان والو تمہارے ہاتھ کے مال (لونڈی، غلام) اور تم میں سے جو (حد) بلوغ کو نہیں پہنچے تین وقتوں میں (تمہارے پاس آنے کی) تم سے اجازت لے لیا کرے۔ (ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب تم دوپہر کو (سونے کے لیے معمول کے مطابق) کپڑا اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے (طلقتان) ''دو طلاقیں'' نہیں فرمایا بلکہ ثلاث مرات کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ مرۃ کی جمع ہے اور ساتھ ہی اس کی وضاحت بھی کر دی کہ یہ تین اوقات وقفہ بعد وقفہ ہے جس سے واضح ہوا کہ مرۃ میں دفعہ کا مفہوم شامل ہے۔ لہٰذا ''الطلاق مرتان'' کا معنی یہ ہوا کہ دو مرتبہ وقفہ بعد وقفہ طلاق ہے جس میں مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے اگر بیک وقت ان طلاقوں کو نافذ کر دیا جائے تو مرد کو اللہ نے جو سوچ بچار کا وقفہ فراہم کیا تھا وہ ختم ہو جاتا ہے اس لیے شریعت اسلامیہ میں بیک وقت اکٹھی تین طلاقیں دینے کو شرع سے مذاق قرار دیا گیا ہے اور حکمت الٰہیہ بھی اسی بات کی مقتضی ہے۔

اس قرآن حکم کی رو سے اہل حق کے نزدیک ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں۔ آیت اللہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں: وقد اتفقت الامامیه ایضا علی ان الطلاق الثلاث واحدة فلو طلقها ثلاثا لم تحرم علیه ویجوز له مرجعتها ولا تحتاج الی محلل نعم لو راجعها ثم طلقها و هکذا ثلاثا حرمت علیه فی الطلاق الثالث ولا تحل له حتی تنکح زوجا غیره ولو طلقها ثم رجعها تسع مرات مع تخلیل المحلیل حرمت علیه فی التاسعه حرمه موبدة یعنی: "اور نیز امامیہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ تین طلاقیں ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایک ہی نشست میں اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دے دے تو وہ اس پر حرام نہیں ہوتی بغیر محلل کے اس کا رجوع کرنا

جائز ہے۔ اگر رجوع کے بعد پھر طلاق ہو جائے اس کے بعد پھر رجوع اور پھر طلاق تو تیسری بار وہ حرام ہو جائے گی اور پھر اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اگر نو بار یہی عمل جاری رہے تو نویں مرتبہ حرام مؤبد ہو جائے گی۔"[7]

مندرجہ بالا موقف کی تائید مزید

قرآن و سنت پر مبنی اس موقف کی تائید مزید اہل سنت کے جید اور مستند علماء کے تصریحات سے ہوتی ہے۔ مشہور مفسر فخر الدین الرازی نے اپنی تفسیر میں ''الطلاق مرتان'' کے تحت لکھا ہے: هو اختيار كثير من علماء الدين انه لو طلقها اثنين او تلاثا لا يقع الاالواحدة وهذا القول هوالاقيس لان النهى يدل على اشتمال المنهى عنه على مفسدة راجعة والقول يالوقوع سعى فى ادخال تلك المفسرة فى الوجودوانه غير جائز فوجب ان يجكم بعدم الوقوع۔ یعنی: "بہت سے علماء دین کی پسندیدہ رائے یہی ہے کہ خاوند اگر دو یا تین اکٹھی طلاقیں دے دے تو اس طرح ایک ہی طلاق واقع ہو گی اور یہ رائے زیادہ قرین قیاس بھی ہے۔ کیونکہ کسی چیز سے منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑے مفسد اور خرابی پر مشتمل ہے۔ اور یہ مسلک وقوع (بیک وقت تین طلاقوں کو تینوں شمار کر لینا) اس مفسدہ اور خرابی کو وجود میں لانے کا سبب ہے اور یہ بات جائز نہیں لہٰذا عدم وقوع (یعنی بیک وقت تین طلاقوں کے نہ ہونے) کا حکم لگانا ضروری ہے۔"[8]

امام رازی نے واضح کیا کہ ان کے دور میں طلاق ثلاثہ کے ایک ہونے کا مذہب بہت سے ائمہ حدیث کا تھا اور پھر انہوں نے خود اپنا موقف بھی بتا دیا کہ میرا موقف بھی یہی ہے کہ ان علماء کا نظریہ سب سے زیادہ مناسب اور درست ہے۔ بیک وقت تین طلاق سے جس معاشرتی خرابی اور پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ پیغمبر اسلام ﷺ سے مخفی نہیں تھا۔ آپ کے نزدیک اس مسئلے کی اہمیت کچھ کم نہ تھی۔ ایک مرتبہ آپ کو پتہ چلا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو یکبارگی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں تو آپ غصہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہ کو عتاب فرمایا: ایلعب بكتاب الله وانى بين اظهر كم..... الخ کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جاتا ہے اور ابھی میں تم میں موجود ہوں۔[9]

طلق ركانه بن عبد يزيد امرائة ثلاثا فى مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديداً فساله رسول الله (ص) كيف طلقتها؟ قال طلقتها ثلاثا قال فى مجلس واحد؟ قالم نعم قال فانها تلك واحد فارجعها ان شئت قال فرجعتها قال وكان ابن عباس يرى ان الطلاق عند كل طهر یعنی: "رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ اور بعد ازیں پشیماں ہو کر رسول

خداﷺ سے سوال کیا حضور نے پوچھا تم نے کس طرح طلاق دی؟ کہنے لگا میں نے تین طلاق دی ہیں آپ نے فرمایا ایک نشست میں؟ کہا ہاں فرمایا: ایک ہی ہے، چاہو تو رجوع کر سکتے ہو رکانہ کہتے ہیں کہ میں نے پھر رجوع کر لیا اور ابن عباس کے نزدیک طلاق کی شکل یہی تھی کی طہر میں ایک طلاق دی جائے۔[10]

یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہے اور ان احادیث کی تصحیح بہت سے نامور محدثین نے بھی کی ہے حافظ ان تیمیہ حرانی نے مندرجہ بالا حدیث پر صحت کا حکم لگاتے ہوئے مزید لکھا ہے: وثبت ایضاف مسند احمد ابن رکانة بن عبد یزید طلق امرائه ثلاثا فی مجلس واحد فقال النبی ہی واحده ولم یثبت عن النبی خلاف ہذا السنة بل ما یخالفہا اما انه ضعیف بل مرجوح واما انه صحیح لا یدل علی خلاف ذلک۔ یعنی: "مسند احمد میں ثابت ہے کہ رکانہ بن عبدیزید نے اپنی بیوی کو مجلس واحد میں تین طلاقیں دیں۔ جنہیں نبی اکرم نے ایک طلاق قرار دیا۔ اس سنت کے خلاف آنحضرتﷺ سے کوئی بات ثابت نہیں۔ مخالف روایتیں توضعیف اور مرجوح ہیں یا اگر صحیح ہیں تو ان سے اس کے خلاف استدلال درست نہیں۔"[11]

مزید برآن ابن تیمیہ حرانی نے اپنے ''مجموع فتاویٰ'' ج ۳۲، مطبوعہ سعودی عرب صفحہ ٦٦ سے لے کر ص ۱۰۱ تک عقلی و نقلی دلائل و براہین سے تین طلاق کو طلاق واحد ثابت کیا ہے۔ زمانہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اور اسی طرح خلافت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک ایک نشست کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ چنانچہ صحیح مسلم ج ا ص ۴۷۷، ۴۷۸ باب طلاق ثلاث مطبوعہ لکھنو میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اکرمﷺ، حضرت ابوبکر کی خلافت اور اسی طرح ابتدائی دو سال دور خلافت عمر میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔[12]

حافظ ابن قیم الجوزیہ نے اغاثۃ اللہفان میں ابوداؤد کے حوالے سے ابن عباس ہی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اذا قال انت طالق ثلاثا بفم واحد فھی واحدۃ وہذا الاسناد علی شرط البخاری جب مرد اپنی بیوی سے ایک ہی مجلس یا ایک ہی موقع پر تین طلاقیں دے تو وہ ایک ہی ہوگی اور ابن قیم الجوزیہ کہتے ہیں کہ یہ سند شرط بخاری پر ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ایسی تین طلاقیں جو مجلس واحد میں دی گئی ہوں ایک رجعی طلاق ہے اور یہ عمل خود زمانہ نبویﷺ میں جاری رہا بلکہ خود آنحضرتﷺ نے رکانہ صحابی سے اس پر عمل کرایا اور پھر بعد از پیغمبر اس پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ لہٰذا اس مسئلہ کی مخالفت اللہ اور رسول کی مخالفت ہے۔ اگر اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل اور تحقیق مطلوب ہو تو زاد المعاد، اعلام الموقعین اور اغاثۃ اللہفان کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

عالم اسلام کا معروف ادارہ بنام دارالتقریب بین المذاہب الاسلامیہ مصر کے آرگن رسالہ الاسلام العدد ۲ السنہ ۱۱ صفحہ ۲۱۷ پر شیخ الازہر مفتی اعظم علامہ شیخ محمود شلتوت کا جو انٹرویو شائع ہوا تھا اس میں انہوں نے فقہ جعفریہ کے متعلق مندرجہ ذیل ریمارکس پیش کئے ہیں:

لقد رجحت مذهب الشيعة خصوصا لقوة الدليل فی كثير من مسائل المسلمين وان المباحث، سيجد فی مذهب الشيعة ما يقوی دليله ويلتؤ مع ابداف الشريعة من صلاح السرة والمجتمع وانا افتی فی كثير من المسائل بمذهب الشيعة مثلاً الطلاق الثلاث بلفظ واحد فانه يقع فی اكثر المذاهب السنية ثلاثة وفی مذهب الشيعة يقح واحدة وقد رأی القانون العمل به واصحب الفتوی بمذهب ابل السنة لا يقام لها وزن فی نظر القضاء الشرعی السنی۔ یعنی: "میں نے بذات خود دلیل کی قوت کو تسلیم کرتے ہوئے مسلمانوں کے بہت سے مسائل میں مذہب شیعہ کی فقہ جعفریہ کو ترجیح دی ہے اور مذہب شیعہ میں وقت کے ساتھ ساتھ وسیع مطالعہ کرنے والا محسوس کرتا ہے کہ اس کی دلیل مضبوط ہوتی ہے۔ مثلاً خاندان اور اجتماع کی اصلاح کے بارے میں مقاصد شریعت کے عین مطابق ہے۔ میں بہت سے مسائل میں مذہب شیعہ کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں مثلاً ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دینا اکثر سنی مذاہب میں اس سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن مذہب شیعہ میں ایک ہی رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ اور مصری اسلامی قانون بھی اسی پر عمل کر رہا ہے۔ جب کہ سنی مذہب کا فتویٰ شرعی ہائی کورٹ کی نظر میں شیعہ فقہ کے نظریہ کے مقابلے میں بے وزن رہ جاتا ہے۔"

اس سلسلہ میں مصر کے مفتی اعظم علامہ محمود شلتوت مزید صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الطلاق بالثلاث لا يقع الاواحدة رجعية ويرد الرجل زوجة اليه بكلمة الرجعة اوبلمخالطة الخاصة یعنی: "اکٹھی تین طلاقیں صرف ایک رجعی طلاق کے حکم میں ہوتی ہیں کلمہ رجوع یا مخصوص خلوت کے ساتھ آدمی اپنی بیوی کو لوٹا سکتا ہے۔" [13] ان کے علاوہ عہد حاضر کے ایک محدث شیخ جمال الدین قاسمی شامی نے نکاح وطلاق کے موضوع پر ایک کتاب الاستیناس فی تصحیح انکحه الناس لکھی ہے اس میں انہوں نے طلاق کے مسئلہ پر مدلل ومفصل بحث کے بعد یہی رائے ظاہر کی ہے کہ جو تین طلاقیں ایک مجلس میں بیک وقت دی جائیں ان سے ایک طلاق رجعی ہی واقع ہوگی نیز مصر کے شرعی قانون کی کتاب الدلیل المرشد کی دفعہ نمبر ۳ ملاحظہ ہو: الطلاق المقترن بعد دلفظا واشارتاً لا يقع الا واحدة [14]

معلوم ہوا کہ اسلامی دنیا کی عالمی دینی الازہر یونیورسٹی نے فقہ جعفریہ کو باقاعدہ فقہ تسلیم کرکے اس کو اپنے نصاب میں شامل کر دیا اور شیعہ فقہی مسائل بالخصوص نکاح، طلاق ثلاثہ یعنی تین طلاقوں والے مسئلہ کو

حکومت مصر نے اسلامی آئین و قانون کا جزو قرار دے دیا ہے۔ مصری علماء جن میں علماء ازہر بھی شامل ہیں اس کے مطابق فتوے دیتے ہیں اور وہاں کی عدالتیں بھی اسی قانون پر عمل پیرا ہیں۔ زمانے کے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر نہ صرف مصری حکومت بلکہ دیگر کئی اسلامی ممالک نے بھی اس بارے میں قانون طلاق کی اصلاح کر لی ہے اور اس قانون کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھال لیا ہے چنانچہ جناب طاہر محمود نے اپنی کتاب Reform of Muslim Law میں اس سلسلہ کو تاریخ وار بیان کیا ہے کہ ''مصر نے ۱۹۲۹ء میں سوڈان نے ۱۹۳۵ء میں اردن نے ۱۹۵۱ء میں شام نے ۱۹۵۳ء میں مراکش نے ۱۹۵۹ء میں اور پاکستان نے ۱۹۶۱ء کو عائلی قوانین میں اکٹھی تین طلاق کے متعلق ایک رجعی طلاق کا قانون بنایا۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔ سورہ طلاق آیت ۲

2۔ سورہ بقرہ آیت ۲۳۰

3۔ سورہ بقرہ آیت ۲۲۹

4۔ البحر المحیط، ج ۲ ص ۱۹۲ و تفسیر النہر الماد بر حاشیہ تفسیر مذکور ص ۱۹۱ طبع اولی ۱۳۲۸ھ مطبعۃ السعادہ مصر

5۔ حاشیہ نسائی، ج ۲ ص ۲۹، طبع دہلی

6۔ سورۃ النور آیت ۵۸

7۔ اصل الشیعہ واصولہا، ص ۱۴۰ طبع نجف

8۔ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۹۶ مطبوعہ قاہرہ

9۔ سنن نسائی کتاب الطلاق ج ۲ ص: ۸۹ طبع دہلی

10۔ مسند امام احمد، ج ۱ ص ۲۶۵، طبع بیروت۔ فتح الباری ج ۵، طبع دہلی، مسند ابی یعلی ج ۳ ص ۲۵ طبع مکہ المکرمہ۔ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹ طبع دکن

11۔ فتاوی ابن تیمیہ، ج ۲، ص ۸۶ طبع بیروت

12۔ کذا فی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، ص ۱۹۰ مطبوعہ قسطنطنیہ

13۔ فتاوی ص ۳۰۶ طبع دار الشروق قاہرہ

14۔ الدلیل المرشد، ص ۳۸۳، طبع قاہرہ

دین اور سیاست میں عدم جدائی

(امام خمینیؒ اور مولانا مودودیؒ کے افکار کا ایک جائزہ)

روشن علی: اسسٹنٹ پروفیسر
وفاقی نظامت تعلیمات اسلام آباد

یہ دنیا عرش سے لے کر فرش تک اللہ ربّ العٰلمین کی تخلیق ہے: "وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ"[1] اور اگر آپ ان سے پوچھیں: آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اور سورج و چاند کو کس نے مسخر کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! تو پھر یہ کہاں الٹے جا رہے ہیں؟ اس حقیقت کا ثبوت کتبِ سماویہ ہی سے نہیں بلکہ فطرتِ انسانیّہ، عقلِ سلیم، تاریخِ انسانی، ماہرینِ آثارِ قدیمہ، معلوم کدہ اثریّات، ماہرینِ علمِ نفسیات، اور جدید ترین ایٹمی سائنس کی انکشافات، سب کی سب خالق کائنات کی ہستی کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا مالک اور بادشاہ ہے اور یہ تمام کائنات اسی کی ملکیت اور زیرِ فرمان ہے: "لَه مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَه قَانِتُوْن"[2] جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہے۔ سب اس کے تابعِ فرمان ہیں۔ اپنی مخلوق کا نظم، نہ تو اس نے کسی جن، انسان اور ملک کے سپرد کیا ہے، کہ جس طرح وہ چاہے مختارِ کلّ اور مطلق العنان کی طرح کائنات کا نظم اور نسق چلائے اور تصرّفات کرے اور نہ ہی طبیعت اور فطرت (Nature) کے حوالے کیا ہے کہ جیسے چاہے چلاتی رہے بلکہ سارا نظامِ کائنات اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

اللہ ربّ العٰلمین نے انسان کی جسمانی زندگی کو بحال رکھنے کے لیے اپنی نعمتوں کے بے شمار خزانے فراہم کیے ہیں: "وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا"[3] اور اسی نے تمہیں ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے اس سے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے اور اسی نے ہی زمین کی تمام اشیاء کو انسان کے لیے خلق کیا ہے: اَلَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً[4] یہ نہیں بلکہ تمام کائنات انسان کے لیے ہی مسخّر کی ہے: "اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ"[5] کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ نے تمہارے لیے مسخّر کیا۔

اسی طرح انسان کی روحانی، اخلاقی اور تمدّنی زندگی کے لیے کامل اور مبنی بر عدل نظامِ حیات بھی دیا ہے، جس میں زندگی کے ہر شعبے کے لیے قوانین اور ہدایات موجود ہیں: "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ"[6] بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے

ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔اللہ تعالیٰ کی ذات صفاتِ کمال کی جامع ہے اور ہر عیب سے پاک ہے: سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ [7] جو باتیں یہ لوگ کہتے ہیں وہ ان سے پاک اور بالاتر ہے۔اس لیے اس کا نازل کردہ اور عطا کردہ نظامِ حیات ،دین اسلام بھی کامل ہے اور ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا [8] آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کردیں اور تمہارے لیے دین اسلام سے راضی ہوا۔اس کے احکام اور قوانین کسی خاص فرد یا خاص قبیلے اور قوم کی خواہشات اور اغراض کے تابع نہیں ہیں۔

بلکہ پورے نوعِ انسانی کی مصلحت پر مبنی ہیں۔اس کو چھوڑنے والے سرگرداں اور پریشاں ہیں۔اصلاح معاش اور معاد دونوں اس الٰہی نظام کی اطاعت پر موقوف ہیں۔یہ ایک عالمگیر اور ہمہ گیر نظامِ حیات ہے لہٰذا اس سے دور ہونے والا گمراہی کے پھندوں میں پھنس جائے گا اور دنیا اور آخرت میں خسارہ اٹھائے گا: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ [9] اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا خواہاں ہو گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

اس کامل اور مقدّس نظام کے اصول اور احکام کا سرچشمہ وحی اور رسالت ہے۔کیونکہ رسول اور نبی حاکمِ حقیقی کا نمائندہ اور سفیر ہوتا ہے ،ان میں سے ہر نبی نے اپنی قوم کو یہ کہا کہ: اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ [10] اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔اللہ تعالیٰ کے ان فرستادہ بندوں نے زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح کے لیے جدوجہد کی تاکہ اللہ کی زمین پر اللہ کا دین اور نظام قائم ہو جائے۔اور اسی کا قانون جاری و ساری ہو۔ان کی یہ جدوجہد پوری زندگی کی اصلاح کے لیے تھی اور ریاست کی اصلاح اس کے ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ تھا۔قرآن کریم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف ،حضرت موسیٰ ،حضرت داؤد ،حضرت سلیمان علیہم السلام اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ اسلامی ریاست قائم بھی کی اور اسے معیاری شکل میں چلایا بھی۔پس سیاست انبیاء کی تبلیغ کا اہم حصہ تھی، جس کے ذریعے انھوں نے لوگوں کی دنیوی اور اخروی اصلاح کی۔

چونکہ ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا [11] اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ہاں وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی اور اسی کے ذریعے دوسری حکومتوں کے بادشاہان کو اپنے سفیر بھیج کر اسلام کی دعوت دی اور ان سے جنگ بھی کی۔اب جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی یا پیغمبر

نہیں آئے گا تو ضروری ہے کہ کوئی ایسا بندہ اس زمین پر حاکم ہو جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو صحیح طور پر جانتا ہو اور عمل بھی کرتا ہو تاکہ وہ اللہ کی سرزمین پر اللہ کے احکامات کا اجراء کرے اور اس کے بندوں کی دنیاوی اور اخروی اصلاح کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیئے دنیائے اسلام میں امام خمینی اور مولانا مودودیوہ واحد عالم دین ہیں کہ جنہوں نے قرآن وسنت کی تعلیمات سے رہنمائی لیتے ہوئے دین وسیاست کی ہم آہنگی پر بہت زور دیا ہے اور ایک اسلامی حکومت کے قیام کو ناگزیر قرار دیا ہے اس مقالے میں دین وسیاست کی جدائی کے خلاف ان دونوں شخصیات کے نظریات اور جدوجہد کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ چونکہ بحث دین اور سیاست کے متعلق ہے اس لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے دین اور سیاست کو واضح کیا جائے اور یہ واضح ہو جائے کہ دین اور سیاست میں کتنا گہرا ربط اور تعلق ہے۔

دین وسیاست کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

''دین'' عربی زبان کا لفظ ہے، اور ''دانَ یدین'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ قرآن مجید اور کتبِ لغت میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے ،ان میں چند معانی یہ ہیں صاحبِ لغت المنجد'' الدین'' کے معنی بیان کرتے ہیں:۔''الدین'' مصدرہ. حساب ۔''یوم الدین'' اسی سے ہے ملکیت ، قدرت، حکم ، مذہب ، ملّت، حالت،عادت، سیرت، تدبیر، نافرنی،گناہ، مجبوری ،پرہیز گاری ،فرمانبرداری، بدلہ، قہر وغلبہ، ذلّت اورادیان،کہتے ہیں ''قوم دین '' اطاعت شعار لوگ''[12] مندرجہ بالا معانی سے لفظ کی معنوی وسعت کااندازہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ انتہائی وسیع مفہوم رکھتا ہے اور کئی ایک معانی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ معانی کا فرق اور امتیاز محلِ استعمال سے واضح ہوتا ہے ۔ قرآن مجید میں بھی مذکورہ لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔ مولانا عبدالرّشید نعمانی لغات القرآن میں دین کے معانی لکھتے ہیں: ''دین : جزا ،اطاعت ،شریعت ،بدلہ ،اطاعت کرنا ،حکم ماننا،دین بمعنیٰ ملّت بھی ہے مگر اس کا استعمال اطاعت اور شریعت کی پابندی کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔''[13]

قرآن مجید کے حوالے سے مولانا عبدالرّحمٰن، مفردات القرآن میں لکھتے ہیں:۔ ''دین ،شریعت اور ملت کے الفاظ قرآن میں آئے ہیں ،دین کا لفظ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے ، مختصراً یہ چار معانی میں استعمال ہوتا ہے، اوّل: اللہ تعالیٰ کی کامل اور مکمل حاکمیت، دوم: انسان کی مکمل عبودیت اور بندگی، سوم : قانون جزاوسزا اور چہارم: اس کی خوبی جزاوسزا کے نفاذ کی قدرت۔ پھر یہ لفظ کسی ایک معنی میں بھی آجاتا ہے اور کبھی ایک سے زیادہ معانی میں مثلاً ''اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ'' (الزمر: ۳) میں لفظ چاروں مفہوم ظاہر کر رہا ہے۔''[14] گویا عقائد، اعمال، عبادات، سیاسیات سزاوجزا، قانون اور شریعت وغیرہ کا نظام ''دین'' ہے، اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے،

جس کی توضیح قرآن مجید سے ہوتی ہے، نظامِ حیات کے مفہوم کے حوالے سے احمد پرویز لکھتے ہیں:۔''الدین'' سے مراد ہے، خدا کا عطا کردہ نظامِ زندگی جو ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتا ہے اور جس کے مطابق ہمارے اعمال کے نتائج مرتب ہوتے ہیں، [15] دنیا میں نظامِ معاشرہ، ضابطۂ زندگی، قانونِ حکومت، آئینِ مملکت، عدل وغیرہ کی مختلف اصطلاحات رائج ہیں لیکن قرآن کریم نے ان سب کی جگہ ایک جامع اصطلاح دی ہے، اور وہ ہے ،''الدین'' یہی ہمارے معاشرے کا نظام، ہماری زندگی کا ضابطہ، ہماری حکومت کا قانون اور ہماری مملکت کا آئین ہے ،اس آئین کی زد سے انسانوں کی آزادی اور پابندی کی حدود مقرّر کرنے کا پورا اقتدار خدا کو حاصل ہوتا ہے، کسی اور کو نہیں ہوتا، اس لیے ''الدین'' میں اقتدارِ اعلیٰ (sovereignty) خدا کی ہوتی ہے۔''[16] اسی طرح سیاست بھی عربی زبان کا لفظ ہے جو ساس، یسوس سے اخذ کیا گیا ہے جس کے مختلف مفاہیم ہیں جن میں سے چند درج ذیل پیش کئے جارہے ہیں:

علامہ فخر الدین الطریحی سیاست کی معنی تحریر کرتے ہیں:۔" ساس یسوس ..الرعیة امرها و نهاها۔"[17] جب رعیت کے بارے میں ہو تو اس کے معنی ہونگے اس نے حکم کیا اور منع کیا۔لویس معلوف المنجد میں سیاست کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:۔" السیاست: استصلاح الخلق بارشادهم الی الطریق المنجّی فی العاجل والاٰجلِ۔"[18] سیاست، عوام کی اصلاح کرنا اور ان کی ہدایت کرنا ایک ایسے راستے کی طرف جو انہیں نجات دلائے دنیا و آخرت میں۔مزید لکھتے ہیں : " فنّ الحکم و ادارةِ اعمال الدولةِ الداخليةِ و الخارجيةِ و منه السياسة الداخليّة و الخارجيّة"[19] سیاست حکومت کرنے کا فن ہے اور مملکت کے داخلی و خارجی کاموں کو چلانا ہے اور اس میں سے ہی سیاست داخلی و خارجی ہے۔سیاست ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے عدل اور انصاف قائم کیا جاسکتا ہے اور معاش کی اصلاح کی جا سکتی ہے :۔"السیاست المدنیة: تدبیر المعاش مع العموم عَلٰی سنَنِ العَدلِ و الاستقامةِ۔"[20] عوام کی معاشی حالت کی اصلاح کرتے ہوئے عدل واستقامت کا پورا پورا لحاظ کرنا۔

علّامہ ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔" فالسیّاسة والملك هی کفالة للخلق و خلافة لله فی العباد لتنفیذ احکامه فیهم۔"[21] سیاست اور حکومت مخلوق کی کفالت ہے اور اللہ کی نیابت ہے اللہ کے بندوں پر اس کے احکام نافذ کرنے میں۔

ابن نجیم سیاست کا مقصد اور اقسام لکھتے ہیں:۔" والسیاسة نوعان سیاسة عادلة تخرج الحق من الظالم الفاجر فهی من الشریعة .... ونوع الاٰخر سیاسة ظالمة فالشّریعة تحرمها"[22] سیاست کے دو اقسام ہیں ایک عدل اور

انصاف پر مبنی سیاست ، جس کے ذریعے مظلوم کو ظالم سے ان کا حق دلایا جاتا ہے یہ سیاست شریعت کا ایک حصہ ہے .... دوسری سیاست سیاست ظالمہ ہے جس کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

پس سیاست کا مطلب یہ ہوگا کہ ملک و ملت میں عادلانہ نظام جو عین شریعت الٰہیہ کے مطابق ہو قائم کیا جائے، جس کے ذریعے احکام الٰہی کو نافذ کیا جائے تاکہ ملک میں امن و سلامتی ہو، جس کی وجہ سے لوگ دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کریں۔ دین و سیاست میں کسی قسم کی جدائی نہیں ہے بلکہ سیاست دین کا ایک اہم جزء ہے۔ جس کے بارے میں حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: "و لا نقول انّ السياسة العادلة مخالفة للشريعة الكاملة بل هى جزء من اجزائها و باب من ابوابها و تسميتها سياسة امر اصطلاحى والّا فاذا كانت عدلا فهى من الشّرع"[23] ہم یہ نہیں کہتے کہ سیاست عادلہ شریعت کاملہ کے خلاف ہے بلکہ یہ تو شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے اور اس کے ابواب میں سے ایک باب ہے اور اس کو سیاست کہنا صرف ایک اصطلاح ہے ورنہ اگر یہ عدل اور انصاف پر مبنی ہو تو شریعت ہی کا ایک حصہ ہے۔

نتیجہ: دین اور سیاست کا لغوی مفہوم بیان کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ دین و سیاست دونوں ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ ان کو جدا کرنا ناممکن ہے۔ دوسرے الفاظ میں دین کل ہے اور سیاست اس کا جز ہے (جس طرح انسان کل ہے اور سر اس کا جز ہے لہٰذا انسان بغیر سر کے زندگی گزار نہیں سکتا، اسی طرح دین بھی بغیر سیاست کے قائم نہیں رہ سکتا۔) لہٰذا دین ، سیاست کے بغیر ناقص ہو جائے گا بلکہ مردہ ہو جائے گا۔ پس اگر دین کو زندہ قائم رکھنا ہے تو سیاست کا ہونا ضروری ہے ، تاکہ اس کے ذریعے دین کا نظام عدل باقی رہے ، مظلوم کو ظالم سے حق دلوایا جائے، شریعت احکام اور حدود کا اجرا ہو اور فتنہ و فساد کو روکا جائے تاکہ تمام انسان امن و سکون کے ساتھ اپنی زندگی بسر کریں۔

دین اور سیاست میں جدائی اور امام خمینیؒ

امام خمینی دین اور سیاست میں جدائی کے علل و اسباب کچھ طرح بیان کرتے ہیں :

(الف) اغیار کی سازش

اغیار نے ایک بدترین چیز خود ہمارے اور ہمارے لوگوں کے درمیان القا کی ہے کہ اسلام فقط عبادت کے لیے ہے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مذہب کو مسخ کیا گیا ہے لہٰذا اب حضرت عیسی علیہ السلام کا مذہب مسخ ہو چکا ہے جبکہ ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت فقط عبادت تک محدود رہی ہو ، اور ظالموں کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہو۔ ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا یہ سب مسخ شدہ چیزیں ہیں۔ اسی طرح انہوں نے اسلام کو بھی ہماری

اور جاہلوں کی نظروں میں مسخ کر دیا ہے؛اور آج اسلام کو کسی اور ہی شکل میں دکھایا جا رہا ہے اور یہ وہ مکروہ حیلہ ہے کہ جو پوری منصوبہ بندی کے ساتھ انجام دیا گیا ہے۔[24]

(ب)اندرونی سازش

عالمی لٹیروں کے خفیہ ہاتھوں نے مختلف اسلامی طبقات کے اندر گھسے ہوئے چند اشخاص اور گروہوں کے ذریعے سالہا سال سے اس منصوبہ پر عمل کیا ہے اور افسوس کے ساتھ ان کا یہ منصوبہ انجام بھی پا چکا ہے ؛ اور اپنے گندے نتائج بھی اقوام و ملل کے سامے پیش کر چکا ہے اور وہ منصوبہ ہے کہ علمائے اسلام کو مساجد و مدارس کے حجروں اور مختلف گوشوں میں بیٹھ جانا چاہیے۔۔۔اور یہ نظریہ یورپ سے لیا گیا ہے چونکہ انہوں نے بھی اپنے روحانی طبقہ کو گوشہ نشین کر دیا تھا تاکہ جو ان کا دل چاہے قوم و ملت کے ساتھ کرتے پھریں اور کوئی بھی اس کے سامنے '' کیوں '' نہ کہہ سکے۔[25]

(ج) علماء کی غفلت

ان آخری دو صدیوں میں کہ جب سے غیر حکومتوں کے ہاتھ اسلامی ممالک کی طرف بڑھنے لگے ہیں، اور ان کے منحوس سائے کی وجہ سے مسلمان علاقوں پر تاریکی اور ظلمت چھانے لگی ہے، تب سے یہ مسلمانوں کے خداداد ذخائر کو فنا کرتے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی سیاسی و اجتماعی مسائل سے غفلت ،استعمار و استثمار کرنے والے ممالک اور ان مغرب زدہ اور مشرق زدہ نوکروں کے ہاتھوں، مسلمانوں کے محروم طبقات پر تھونپی گئی ہے یہاں تک کہ اکثر علمائے اسلام بھی خیال کرتے ہیں کہ اسلام کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ایک مسلمان کو سیاست میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ان حیلہ باز لٹیروں نے اپنے کارندوں اور روشن فکر نوکروں کے ذریعے، اسلام کو بھی مسیحیت کی طرح منحرف اور گوشہ نشین کرنے اور علمائے دین کو عبادی مسائل کے چوکھٹے میں مقید کرنے کی کوشش کی ہے۔اور ائمہ جمعہ و جماعت کو مساجد اور عقد وازدواج کی محافل تک محدود کر دیا ہے اور عوام میں سے مقدس قسم کے لوگوں کو ذکر و دعا اور جوانوں کو عیش و نوش میں سرگرم کرکے اجتماعی میدان سے خارج اور اسلامی علاقوں کی مشکلات اور مسلمانوں کے امور میں اہتمام کرنے سے غافل کر دیا ہے۔اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت زیادہ کامیابی حاصل کی ہے اور ہماری اس جہالت اور غفلت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمان علاقوں کو اپنی کالونیوں میں بدل دیا ہے۔ بہت سے مسلمان حکمرانوں اور بادشاہوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے اور خود انہی کے ہاتھوں قوموں کو کمزور اور تباہ و برباد کرنے لگے ہیں جس کی وجہ سے اغیار سے وابستگی، فقر و فاقہ اور اس کے برے نتائج عوام کا مقدر بن چکے ہیں۔[26]

(د) عالمی استعمار کا پروپیگنڈا

(۱) اسلام حکومت و سیاست سے خالی ہے

اسلام کے بارے میں پروپیگنڈا شروع کیا گیا کہ اسلام ایک ملائم مکتب ہے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے اور یہ دعا و ذکر اور خالق و بندوں کے درمیان روابط کا مکتب ہے اور اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسلام کو حکومت سے کوئی سروکار نہیں ! اس بات کا اس قدر پروپیگنڈہ کیا گیا کہ خود علمائے دین بھی بہت سے افراد کا یہ اعتقاد ہو گیا کہ عالم دین کو سیاست سے کیا غرض ؟ اور اس کا حکومت سے کیا تعلق ؟ نظام حکومت سے عالم دین کا کیا تعلق ؟ عالم دین کو تو فقط مسجد جانا چاہیے اور نماز پڑھانی چاہیے اور اسی طرح کے دوسرے کام کرنے چاہیں ؛ مثلاً درس پڑھانا چاہیے، مباحثہ کرنا چاہیے اور لوگوں کو شرعی آداب کی تعلیم دینی چاہیے لہٰذا (استعمار) نے جب دیکھا کہ عالم دین کی نماز اور اسلام کی نماز سے انھیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا لہٰذا جتنا چاہیں نماز پڑھیں، صرف وہ تیل کی دولت سے کوئی سروکار نہ رکھیں، نماز پڑھ پڑھ کر تھک جائیں، جتنا چاہیں درس و تدریس اور مباحثے کرتے رہیں لیکن ان کی استعماری سیاست کے ساتھ کوئی سروکار نہ رکھیں۔

یہاں ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ انہیں کھلا نہ چھوڑیں تاکہ جو ان کا دل چاہے ہمارے ساتھ کرتے پھریں، انہوں نے لوگوں کے کانوں میں اس قدر تکرار اور پروپیگنڈہ کیا ہے کہ کس کی وجہ سے آج سبھی لوگ اس چیز کے عادی ہو گئے ہیں اور سیاست و دین کو جدا سمجھنے لگے ہیں لہٰذا اب بھی لوگ یہی سوچتے ہیں کہ سیاست میں علمائے دین کی مداخلت عالم دین کی شان کے خلاف ہے۔ یہ بات علمائے دین کی شان میں نہیں کہ وہ جا کر دیکھیں کہ حکومت کیا کر رہی ہے اور یہ ظالم عوام کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ ان کی نظر میں علمائے دین کی شان یہی ہے کہ وہ مدارس میں بیٹھے رہیں اور اور اول ظہر اور اول مغرب کے وقت نماز جماعت پڑھاتے رہیں اور عوام بھی اسی قدر علمائے دین سے تعلق رکھیں ! انہوں نے اسلام کو سیاست سے بالکل جدا کر دیا ہے، ان کی نظر میں سیاست اور دیانت جدا ہیں گویا سیاست ان کے لیے اور دیانت ہمارے لیے ہے، طاقت و قدرت کے مراکز ان کے ہاتھ میں رہیں جو دل چاہے کرتے رہیں جبکہ مساجد اور مسجد میں موجود بوڑھے ہمارے لیے ہیں یہ ہے اسلام کی وہ تفسیر جو انہوں نے آغاز ہی سے ہمارے سامنے بیان کی ہے۔[27]

(۲) اسلام کا سیاسی چہرہ چھپانے کے لیے استعمار کی کوشش

ان کا منصوبہ یہ ہے کہ ہمیں پس ماندہ رکھیں اور اسی حال میں جس میں ہیں، غربت میں زندگی بسر کرتے رہیں تاکہ یہ لوگ سرمائے، زیر زمین خزانوں، منابع، زمینوں اور ہماری افرادی قوت سے استفادہ کریں یہ چاہتے ہیں ہم درماندہ اور گرفتار بلا رہیں ہمارے غریب انہی بدبختیوں میں گرفتار رہیں اور ان اسلامی احکام قبول نہ

کریں جس نے غریب اور غربا کے مسئلے کو حل کیا ہے استعمار اور اس کے ایجنٹ محلوں میں بیٹھیں اور خوشحالی کی زندگی بسر کریں۔ یہ سب وہ منصوبے ہیں جو حوزہ ہای علمیہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں اس طرح کہ اگر کوئی حکومت اسلام یا حکومت اسلامی کے طریقے کے لیے بات کرنی چاہے تو تقیہ میں بات کرنی پڑے گی اور استعمار زدہ لوگوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ فوجی لباس کو خلاف مروت و عدالت سمجھا جاتا ہے حالانکہ ہمارے آئمہ فوجی تھے سردار تھے مجاہد تھے جنگوں میں جنگی لباس پہن کر شرکت کرتے تھے دشمنان دین کو قتل کرتے تھے، ان کے فوجی قتل ہوتے تھے۔ حضرت علیؑ سر پر خود، جسم پر زرہ پہنتے اور تلوار حمائل کیا کرتے تھے۔ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ بھی ایسے ہی کرتے تھے اس کے بعد موقعہ نہیں ملا ورنہ امام محمد باقر بھی اسی طرح ہوتے اور اب نوبت یہ ہو گئی ہے کہ فوجی لباس پہننا عدالت کے خلاف ہو گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ فوجی لباس نہ پہننا چاہیے اور اگر ہم اسلامی حکومت تشکیل دیں تب بھی اسی عمامہ و عبا و قبا میں ہی تشکیل دینی چاہیے ورنہ خلاف مروت و خلاف عدالت ہو جائے گا یہ سب اسی پروپیگنڈے کی موجیں ہیں جو یہاں تک پہنچی ہیں اور ہمیں اس منزل تک پہنچا دیا ہے کہ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم ثابت کریں کہ اسلام کے پاس بھی (فوجی نظام ہے اور) حکومتی قوانین ہیں۔[28]

دین وسیاست میں جدائی اور مولانا مودودی

دین وسیاست میں جدائی کے اسباب کے بارے میں مولانا مودودی کے افکار کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

دین سے غفلت، جہالت اور دشمنوں کی سازش

اسلام کے متعلق اس قسم کے فقرے آپ اکثر سنتے رہتے ہیں کہ یہ ایک'' جمہوری نظام '' ہے۔'' اسلام آمریت کا حامی ہے''۔'' اسلام شولزم کا علمبرادر ہے۔'' وغیرہ پچھلی صدی کے آخری دور سے اس قسم کے فقروں کا بار بار اعادہ کیا جارہا ہے مگر جو لوگ ان کو زبان سے نکالتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ ان میں سے ایک فی ہزار بھی ایسے نہیں ہیں جنہوں نے اس دین کا باقاعدہ مطالعہ کیا ہو اور یہ سمجھنے کی کوشش کی ہو کہ اسلام کا نظام حیات کیا ہے؟ اور اس میں جمہوریت کس حیثیت سے ہے؟ اور کس نوعیت کی ہے؟ یا عدل اجتماعی اور سیاسی استحکام کے لیے اس نے کیا اصول وضع کیے ہیں؟ ان میں سے بعض لوگ تو اسلامی نظام جماعت کی چند ظاہری شکلوں کو دیکھ کر اس پر جمہوریت یا آمریت یا سوشلزم کا نام چسپاں کر دیتے ہیں، اور اکثر ایسے ہیں جن کی ذہنیت کچھ اس طور پر بنی ہے کہ دنیا میں (خصوصا عالمی قیادت پر فائز طاقتوں اور اپنے ممالک کے برسر اقتدار لوگوں میں) جو چیز مقبول عام ہو اس کو کسی نہ کسی طرح میں موجود ثابت کر دینا ان کے نزدیک اس مذہب کی سب سے بڑی خدمت

ہے۔ شاید وہ اسلام کو اس یتیم بچے کی طرح سمجھتے ہیں جو ہلاکت سے بس اس طرح بچ سکتا ہے کہ کسی بااثر شخص کی سرپرستی اس کو حاصل ہو جائے۔ یا پھر غالباً ان کا خیال یہ ہے کہ ہماری عزت محض مسلمان ہونے کی حیثیت سے قائم نہیں ہو سکتی، بلکہ صرف اس طرح قائم ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے مسلک میں دنیا کے کسی چلتے ہوئے مسلک کے اصولوں کی جھلک دکھا دیں۔ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ جب دنیا میں اشتراکیت کا غلغلہ بلند ہوا تو مسلمانوں میں کچھ لوگوں نے پکارنا شروع کیا کہ اشتراکیت تو محض اسلام ہی کا ایک جدید ایڈیشن ہے۔ اور جب ڈکٹیٹر شپ کا آواز اٹھا تو کچھ دوسرے لوگوں نے اطاعت امیر، اطاعت امیر کی صدائیں بلند کرنی شروع کر دیں اور کہنے لگے کہ یہاں سارا نظام جماعت، ڈکٹیٹر شپ ہی پر قائم ہے۔

غرض اسلام کا نظریہ سیاسی اس زمانے میں ایک چیستان، ایک چوں چوں کا مربّہ بن کر رہ گیا ہے، جس میں سے ہر وہ چیز نکال کر دکھادی جاتی ہے جس کا بازار میں چلن ہو۔ ضرورت ہے کہ باقاعدہ علمی طریقے سے اس امر کی تحقیق کی جائے کہ فی الواقع اسلام کا سیاسی نظریہ ہے کیا؟ اس طرح نہ صرف ان پراگندہ خیالیوں کا خاتمہ ہو جائے گا جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، اور نہ صرف ان لوگوں کا منہ بند ہو جائے گا جنہوں نے حال میں علی الاعلان یہ لکھ کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا تھا کہ ''اسلام سرے سے کوئی سیاسی و تمدنی نظام تجویز ہی نہیں کرتا۔'' بلکہ در حقیقت تاریکیوں میں بھٹکنے والی دنیا کے سامنے ایک ایسی روشنی نمودار ہو جائے گی جس کی وہ سخت حاجت مند ہے، اگرچہ اپنی اس حاجت مندی کا شعور نہیں رکھتی۔[29]

اسلامی حکومت کی ضرورت

مولانا مودودی لکھتے ہیں:۔''ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے اگر وہ بحیثیت مسلمان زندگی گزارنا چاہتے ہیں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اپنی زندگی کو خدا کی اطاعت میں دیں اور اپنے انفرادی اور اجتماعی تمام معاملات کا فیصلہ خدا کے قانون اور اس کی شریعت کے مطابق کریں۔ اسلام اس بات کو گوارا کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں کہ آپ ایمان کا اعلان تو کریں اللہ رب العالمین پر اور زندگی کے معاملات طے کریں غیر الٰہی قانون کے مطابق۔ یہ وہ سب سے بڑا تناقض ہے جس کا تصور کیا جا سکتا ہے اور اسلام اس کو گوارا کرنے کے لیے نہیں، اس تناقض کو مٹانے کے لیے آیا ہے۔ اور اسلامی ریاست اور اسلامی دستور کے مطالبہ کی پشت پر دراصل یہی احساس کارفرما ہے کہ اگر مسلمان خدا کے قانون کی پیروی نہیں کرتا تو اس کا دعوی اسلام ہی مشتبہ ہو جاتا ہے یہ وہ حقیقت ہے جس پر پورا قرآن دلیل ہے۔[30]

مسلمان اپنے ایمان کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے جب تک وہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت قائم نہ کر لیں۔ خدا کے قانون کی بالادستی قائم کئے بغیر بحیثیت مسلمان زندگی نہیں گزار سکتے اس لیے ان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ

خلافت الٰہی کا نظام قائم ہو اور زندگی کے تمام معاملات خدا کے قانون کے مطابق طے ہوں۔ انبیاء کرام علیہم السلام اس لیے مبعوث کیے گئے کہ خدا کی حاکمیت کا نظام قائم کر دیں۔[31] قرآن کی رو سے اللہ اتعالی مالک الملک ہے اور خلق اسی کی ہے لہٰذا فطرتاً امر کا حق (Right to Rule) بھی صرف اسی کو پہنچتا۔ اس کے ملک (Dominion) میں اس کی خلق پر، خود اس کے سوا کسی دوسرے کا امر جاری ہونا اور حکم چلنا بنیادی طور پر غلط ہے۔ صحیح راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ اس کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت میں اس کے قانون شرعی کے مطابق حکمرانی ہو اور فیصلہ کئے جائیں۔[32]

غیر اسلامی حکومت کا بطلان

اس کے برعکس ہر وہ حکومت باغیانہ ہے جو خداوند عالم کی طرف سے اس کے پیغمبروں کے لائے ہوئے قانون کے بجائے کسی دوسری بنیاد پر قائم ہو بلحاظ اس کے کہ تفصیلات میں ایسی حکومتوں اور عدالتوں کی نوعیتیں باہم کتنی ہی مختلف ہوں۔ ان کے تمام افعال بے اصل، بے وزن اور باطل ہیں۔ ان کے حکم اور فیصلہ کے لیے سرے سے کوئی جائز بنیاد ہی نہیں ہے۔ اہل ایمان (یعنی خدا کی وفادار رعایا) ان کے وجود کو بطور ایک خارجی واقعہ (Defacto) کے تسلیم کر سکتے ہیں مگر بطور ایک جائز وسیلہ انتظام و فصیلِ قضا یا (Dejure) کے تسلیم نہیں کر سکتے۔ ان کا کام اپنے اصلی فرمانروا (اللہ) کے باغیوں کی اطاعت کرنا اور ان سے اپنے معاملات کا فیصلہ چاہنا نہیں ہے اور جو ایسا کریں ادعائے اسلام و ایمان کے باوجود وفاداروں کے زمرہ سے خارج ہیں۔ یہ بات صریح عقل کے خلاف ہے کہ کوئی حکومت ایک گروہ کو باغی بھی قرار دے اور پھر اپنی رعایا پر ان باغیوں کے اقتدار کو جائز بھی تسلیم کرے اور اپنی رعایا کو ان کا حکم ماننے کی اجازت بھی دے دے۔[33]

دین و سیاست میں جدائی کے خلاف امام خمینی، مولانا مودودی کا نظریہ

جو لوگ کہتے ہیں سیاست اسلام سے علیحدہ ہے، دین علیحدہ ہے اور سیاست علیحدہ ہے، ان لوگوں نے اسلام کو نہیں پہچانا۔ وہ اسلام کہ جس کی حکومت رسول خداﷺ کے زمانے میں تشکیل پائی ہے اور یہ حکومت (بعد از رسول خداﷺ) عادلانہ اور غیر عادلانہ صورت میں قائم رہی ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام کے زمانے میں بھی یہ عادلانہ حکومت تھی اور سیاست کے ساتھ حکومت تھی۔ سوال یہ ہے کہ سیاست ہے کیا؟ حاکم اور ملت کے درمیان روابط اور مفاسد کی روک تھام کا نام سیاست ہے، اسلام کے سیاسی احکام، اس کے عبادی احکام سے زیادہ ہیں۔ اسلام کی سیاست کے بارے میں جو کتابیں ہیں وہ عبادت کے کتابوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں یہ غلط بات ڈال دی گئی ہے، حتی اس وقت بہت سے لوگوں کو یقین آگیا ہے کہ اسلام سیاست سے جدا فقط خدا اور ہمارے درمیان ہے، ایک عبادی حکم ہے۔ لہٰذا جائیں اور مساجد میں بیٹھ جائیں اور جس قدر ہو سکتا ہے

دعائیں کریں اور قرآن پڑھیں، ہم تم سے کوئی سروکار نہیں رکھیں گے ! لیکن یہ اسلام نہیں ہے اسلام تو ظالموں کے مقابلے میں کھڑا ہوا ہے اور اس نے جنگ و قتال کا حکم دیا ہے اور کفار اور جسارت کرنے والوں کے مقابلے میں لڑنے کا حکم دیا ہے۔اسلام میں ان کے بارے میں اس قدر احکام ہیں، جہاد و قتال کا حکم ہے، تو کیا پھر بھی اسلام سیاست سے دور ہے؟کیا اسلام فقط مسجد میں جانے اور قرآن و نماز پڑھنے کا نام ہے؟ لیکن ایسا نہیں ہے، اسلام میں یہ احکام بھی ہیں جنہیں اجرا ہونا چاہیے۔[34]

حکومت کے قیام کے لیے رسول ﷺ اللہ کا مشن

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: ''وہ رسول خدا ﷺ کہ جو سالہا سال تک سیر و سلوک میں تھے جب آپ کو فرصت ملی تو ایک سیاسی حکومت تشکیل دیں تاکہ عدالت قائم کر سکیں۔ عدالت قائم کرنے کے نتیجے میں ہر شخص کے لیے موقعہ فراہم ہو جاتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے اسے پیش کرے: جب وہ پریشانی کی حالت میں ہے تو ایسا نہیں کر سکتا۔ پریشان حالات میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا، اہل عرفان، اپنا عرفان پیش نہیں کر سکتے، اہل فلسفہ اپنے فلسفے کے جلوے دکھا نہیں سکتے اور اہل فقہ، علم فقہ کی وضاحت نہیں کر سکتے لیکن جب کوئی عادل حکومت ہو اور وہ عدالت کا اجراء کرے تو پھر موقعہ پرست اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے بلکہ ایک پر سکون ماحول فراہم ہو جاتا ہے اور اس کے پر سکون ماحول میں سب کچھ کیا جاسکتا ہے۔ بنابرایں'' ما نودی بشئ مثل ما نودی بالولایۃ'' (الکافی، ج ۲، ص ۴۰) حکومت ہی کی وجہ سے ہے؛ اور کوئی بھی چیز اس سیاسی امر کی مانند نہیں ہے کہ جس کی دعوت دی گئی ہے۔[35]

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔ ''ہجرت مدینہ سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ دعا منگوائی جاتی ہے: '' وَ قُلْ رَّبِّ اَدْ خِلْنِیْ مُدْ خَلَ صِدْ قٍ وَّ اَ خْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْ قٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُ نْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا (بنی اسرائیل۔ ۸۰) اور دعا کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔ یعنی یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنا دے تاکہ اس کی طاقت سے میں دنیا کے اس بگاڑ کو درست کر سکوں، فواحش و معاصی کے اس سیلاب کو روک سکوں اور تیرے قانونِ عدل کو جاری کر سکوں۔ یہی تفسیر ہے اس آیت کی جو حسن بصری اور قتادہ نے کی ہے اور اکو ابن جریر اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر مفسرین نے اختیار کیا ہے اور اسی کی تائید یہ حدیث کرتی ہے کہ : '' ان اللہ لیزع بالسلطان ما لایزع بالقرآن۔ (ابن کثیر الحافظ ابو الفداء اسماعیل، البدایۃ والنہایۃ، ج ۲، ص ۱۲، طبع اولیٰ ۱۳۰۴ھ بیروت لبنان) یعنی اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتا ہے جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتا''۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں

جو اصلاح چاہتا ہے، وہ صرف وعظ وتذکیر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لیے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔ پھر جب کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی ﷺ کو سکھائی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت دین کے اور نفاذ شریعت اور اجرائے حدود اللہ کے لیے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب و مندوب ہے اور لوگ غلطی پر ہیں جو اسے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ دنیا پرستی اگر ہے تو یہ کہ کوئی شخص اپنے لیے حکومت کا طالب ہو۔ رہا خدا کے دین کے لیے حکومت کا طالب ہونا تو یہ دنیا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہی کا عین تقاضا ہے۔[36]

قرآن تمام زندگی کا دستور ہے

مذہب اسلام کی سند قرآن کریم ہے، جو آج بھی محفوظ ہے، اس کا ایک کلمہ بھی تبدیل نہیں ہوا۔ اس قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے یعنی یہ انسان سازی کی کتاب ہے جس انسان میں سب کچھ ہے؛ معنویت بھی اور مادیت بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اسی طرح قرآن کریم بھی انسان کی تعمیر کے لیے آیا ہے اور انسان کے تمام پہلوؤں کی تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ یعنی انسان کی تمام ضروریات خواہ وہ انفرادی ضروریات ہوں یا شخص اور خالق اللہ تبارک و تعالیٰ کے درمیان روابط ہوں، یا توحید کے مسائل ہوں یا حق تعالیٰ کی صفات کے مسائل ہوں یہ سب اس میں ہیں۔ سیاسی واجتماعی مسائل ہیں اور کفار کے ساتھ جنگ کے مسائل ہیں؛ قرآن ان سب چیزوں سے بھرا پڑا ہے اور ان آیات نے لوگوں کو تیار کیا ہے اور پیغبر اکرم کو مامور کیا ہے کہ آپ ﷺ تجاوز اور تعدی کرنے والے لوگوں کے ساتھ جنگ کریں اور ظالموں کے خلاف لڑیں۔[37]

قرآن مجید اسلامی تصور ریاست کا سب سے پہلا ماخذ ہے۔ اس میں اللہ التعالی کے احکام اور اس کے فرامین ہیں۔ یہ احکام و فرامین انسان کی پوری زندگی کے معاملات پر حاوی ہیں۔ ان میں صرف انفرادی کردار اور سیرت ہی کے بارے میں ہدایات نہیں دی گئی ہیں۔ بلکہ اجتماعی زندگی (Social life) کے بھی ہر پہلو کی اصلاح و تنظیم کے لیے کچھ اصول اور کچھ قطعی احکام دیئے گئے ہیں، اور اس سلسلے میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ مسلمان اپنی ریاست کن اصولوں اور کن مقاصد کے لیے قائم کریں۔[38]

اسلام اور سیاست

اسلام نے انسان کے تولد سے پہلے فردی زندگی کی بنیادیں رکھ دی ہیں، یہاں تک کہ وہ خاندانی زندگی شروع کرتا ہے اور پھر اس نے معاشرے پر مشتمل خاندان کی بنیاد رکھی ہے اور اس کے فرائض معین کئے ہیں یہاں تک کہ وہ تعلیم میں داخل ہوتا ہے ار معاشرے میں جاتا ہے اور پھر اس کے دوسری اقوام و ملل کے ساتھ تعلقات استوار ہوتے ہیں۔ ان سب چیزوں کے بارے میں شرع مقدس میں لائحہ عمل اور فرائض موجود ہیں، ایسا نہیں کہ اسلام

میں فقط دعا اور زیارت ہی ہے؛ دعا اور نماز ہی اسلامی احکام نہیں ہیں بلکہ یہ ابواب اسلام کا فقط ایک باب ہیں، جبکہ اسلام میں سیاست بھی ہے اور مملکت کو چلانے والا نظام بھی ہے اسلام نے بڑے بڑے ممالک کا نظام چلایا ہے۔[39]

اسلام میں انسان کے تمام پہلوؤں سے متعلق احکام موجود ہیں، اسلام میں جو احکام آئے ہیں وہ سیاسی احکام ہوں یا حکومت سے متعلق احکام ہوں یا اجتماع و معاشرت سے متعلق ہوں یا افراد سے تعلق رکھنے والے مسائل ہوں یا اسلامی ثقافت سے مربوط چیزیں ہوں یہ سب کی سب انسانی ضروریات کے مطابق ہیں یعنی انسان کو جس قدر بھی ضرورت ہے خواہ وہ مادی ضرورت ہو، اس کے لیے مادی احکام موجود ہیں اسی طرح یہ انسانی ضرورت ماورائے طبیعت کہ جس سے اس وقت میں اور آپ غافل ہیں؛ سے بھی تعلق رکھتی ہے؛ لہٰذا اسلام میں اس کے لیے بھی احکام موجود ہیں چونکہ اسلام ہماری ضروریات کو پورا کرنا چاہتا ہے اور ہماری تربیت کرنا چاہتا ہے۔[40]

انسان کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں زندگی گزارنا چاہتا ہے؛ وہ اس دنیا میں حکومت بنانا چاہتا ہے اور وہ اس دنیا میں مادیت سے متعلق تمام چیزیں اختیار کرنا چاہتا ہے لہٰذا اسلام میں یہ سب کچھ ہے؛ جس قدر آیات و روایات سیاست کے بارے میں نقل ہوئی ہیں، اس قدر عبادت کے بارے میں نقل نہیں ہوئی ہیں۔ آپ علم فقہ کے پچاس سے زیادہ ابواب کو ملاحظہ کیجئے ان میں سے سات یا آٹھ ابواب فقط عبادت سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ باقی سب سیاست و اجتماعیات اور معاشرت سے تعلق ہے۔ ہم نے ان سب کو چھوڑ دیا ہے اور اسی ایک (عبادی) پہلو کو لے لیا ہے کہ جو ایک کمزور پہلو ہے۔ انہوں نے ہمارے سامنے اسلام کا اس قدر برا تعارف کرایا ہے کہ ہمیں بھی یقین آگیا ہے کہ اسلام کا سیاست سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؛ سیاست تو قیصر و شاہ کے لیے، ملا کے لیے فقط مسجد و محراب ہے! لیکن یہ محراب کو بھی ہمارے لیے نہیں چاہتے۔ اسلام دین سیاست ہے جس میں حکومت ہے؛ آپ حضرت امیر علیہ السلام کا وہ مکتوب پڑھیں کہ جو آپ نے مالک اشتر کے نام لکھا تھا دیکھیں جنگ و سیاست کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ اور حضرت امام کے کیا دستورات ہیں۔[41]

مولانا مودودی لکھتے ہیں: ''سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ اسلام محض چند منتشر خیالات اور منتشر طریق ہائے عمل کا مجموعہ نہیں ہے جس میں ادھر ادھر سے مختلف چیزیں لا کر جمع کر دی گئی ہوں، بلکہ یہ ایک باضابطہ نظام ہے جس کی بنیاد چند مضبوط اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اس کے بڑے بڑے ارکان سے لے کر چھوٹے چھوٹے جزئیات تک ہر چیز اس کے بنیادی اصولوں کے ساتھ ایک منطقی ربط رکھتی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اس نے جتنے قاعدے اور ضابطے مقرر کئے ہیں ان سب کی روح اور ان کا جوہر اس کے اصول ادلیہ ہی سے ماخوذ ہیں۔ ان اصول ادلیہ سے پوری اسلامی زندگی اپنی مختلف شاخوں کے ساتھ بالکل اسی طرح نکلتی ہے جس طرح درخت میں آپ دیکھتے ہیں کہ بیخ سے جڑیں، اور جڑوں سے تنا، اور تنے سے شاخیں اور

شاخوں سے پتیاں پھوٹتی ہیں اور خوب پھیل جانے کے باوجود اس کی ایک ایک پتی اپنی جڑ کے ساتھ مربوط رہتی ہے۔ پس آپ اسلامی زندگی کے شعبہ کو بھی سمجھنا چاہیں آپ کے لیے ناگزیر ہے کہ اس کی جڑ کی طرف رجوع کریں، کیونکہ اس کے بغیر آپ اس کی روح کو نہیں پا سکتے۔اسلام کے متعلق دو باتیں قریب قریب ہر مسلمان کو معلوم ہیں۔ اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کا مشن ہے یہ صرف محمد بن عبد اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مشن ہی نہیں ہے اسلامی تاریخ کے قدیم ترین دور سے جتنے انبیاء بھی خدا کی طرف سے آئے ہیں، سب کا یہی مشن تھا، دوسری یہ کہ خدا کی طرف سے جتنے انبیاء بھی آئے ہیں ان کی آمد کا مقصدِ وحید خدائے واحد کی خدائی منوانا اور صرف اسی ایک کی عبادت کروانا تھی۔[42]

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو زندگی گزارنے کے تمام اصولوں کو بیان کرتا ہے اور اسلام کے تمام احکام چاہے عبادی ہوں یا سیاسی، اجتماعی ہوں یا انفرادی وغیرہ ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح ایک درخت میں موجود جڑ، شاخ اور ٹہنیوں اور پتوں کا ایک دوسرے سے ربط ہے اور جڑے ہوئے ہیں۔

سیاسی و معنوی حکومت

اسلام ایک ایسا نظام ہے کہ جس کا ایک پہلو سیاسی حکومت پر مشتمل ہے جبکہ اس کا دوسرا حصہ معنوی حکومت پر، یعنی انسان کے دو پہلو ہیں، ایک اس کا مادی پہلو ہے کہ جس کی تمام سمتوں کے لیے اسلام نے احکام بیان کئے ہیں اور ایک اس کا معنوی پہلو ہے کہ جو موجودہ حکومتوں میں بہت ہی زیادہ ناشناختہ اور غیر معلوم ہے۔ لیکن اسلام انسان کی معنوی تربیت اور اس کی تہذیب نفس کرنا چاہتا ہے کہ جس کے ذریعے سے انسان ایسی منزل پر پہنچ جائے گا کہ جسے سوائے خدا کے کوئی اور نہیں جانتا اور یہ اسلام ہی ہے کہ جس نے عوام الناس کے ہاتھوں کو تھاما ہوا ہے تاکہ انہیں ملکوت اعلیٰ کے مرتبہ تک پہنچادے جبکہ دیگر نظام ہائے حکومت میں اس طرح نہیں ہے۔[43]

اسلامی حکومت

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: اسلام میں سب کچھ ہے اسلام میں دنیا بھی ہے اور آخرت بھی، اسلام نے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھا ہے، اسلامی حکومت، دوسری حکومتوں کی طرح نہیں ہے کہ فقط ایک پہلو پر نظر رکھے ہوئے ہو، اسلامی حکومت ایک ایسی حکومت ہے کہ جو انشاء اللہ اگر سب کی سب عملی صورت اختیار کرلے تو اقوام کے لیے دنیا و آخرت کی سعادت کی ضامن ہے اور ہوگی۔[44] قرآن جس ریاست کا تخیل پیش کر رہا ہے اس کا مقصد سلبی (Negative) نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایجابی (Positive) مقصد اپنے سامنے رکھتی ہے۔ اس کا مدعا صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روکے، ان کی آزادی کی حفاظر کرے، اور مملکت

کو بیرونی حملوں سے بچائے، بلکہ اس کا مدعا اجتماعی عدل کے اس متوازی نظام کو رائج کرنا ہے جو خدا کی کتاب پیش کرتی ہے۔اس کا بدی کی ان تمام صورتوں کو مٹانا اور نیکی کی ان تمام شکلوں کو قائم کرنا ہے جن کو خدا نے اپنی واضح ہدایات میں بیان کیا ہے۔[45] یہ ہمہ گیر ریاست ہے،اس کا دائرہ عمل پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔یہ تمدن کے ہر شعبہ کو اپنے مخصوص اخلاقی نظریہ اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتی ہے۔[46]

قرآن کا حکومت و معنویت پر مشتمل ہونا

امام خمینیؒ قرآن کے حکومتی نظریے کے بارے میں فرماتے ہیں: قرآن وہ کتاب ہے کہ جس کے ذریعے انسان اس دنیا سے آخر دنیا تک بلکہ (کمال و سعادت کے) آخری مراحل تک حرکت کرتا ہے۔قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو انسان کی روحانیت کو بھی کامل کرتی ہے اور حکومت کے احکام و قوانین بھی بتاتی ہے۔ غرض یہ کہ تمام چیزیں قرآن میں موجود ہیں۔[47] امام خمینیؒ مزید فرماتے ہیں: خیال نہ کریں کہ اسلام پس یہی کچھ ہے اور فقط نماز و روزے کا نام اسلام ہے؛ایسا نہیں ہے ! اگر ایسا ہوتا تو پیغمبر اسلام ﷺ بھی مسجد میں بیٹھ جاتے اور فقط نماز ہی پڑھتے ؛آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آغاز سے لیکر آخر تک اس قدر مشکلات کس لیے برداشت کی ہیں، اس میں شکست کھائی بھی ہے اور دی بھی ہے، اور جس قدر ہو سکا ہے مسائل کو حل کیا ہے۔ امیر المؤمنین ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہے دوسروں نے بھی اس روش پر عمل کیا ہے، صالحین بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، بیدار لوگ بھی اسی طرح تھے، ایسا نہیں کہ وہ مسجد میں بیٹھ جائیں اور کسی بھی کام سے سروکار نہ رکھیں اور گھروں میں بیٹھ جائیں اور کوئی کام نہ کریں اور بے طرف رہتے ہوئے کہیں ہمیں ان کاموں سے کیا ![48]

سیاست انبیاء کرام علیہم السلام کا شعبہ ہے

انبیاء کرام علیہم السلام نے اس قدر زحمتیں اٹھائی ہیں لیکن جب ہم ان کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں خصوصاً حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو آپ جان لیں گے کہ ان میں سے بعض نے حکومت تشکیل دینے کا حکم دیا تھا اور حکومتی احکامات صادر کیے تھے۔"[49] معاشرے کی اصلاح کے لیے قانونی مجموعہ کافی نہیں ہے قانون اسی وقت اصلاح اور انسانی سعادت کا ضامن ہوتا ہے جب قوت مجریہ اس کی پشت پناہی کر رہی ہو اس لیے خداوند عالم نے قانونی مجموعہ بھیجنے کے ساتھ ایک حکومت، مرکز اجراء اور ادارہ قانونی بھی ضروری قرار دیا ہے مسلمان معاشرے کے اجرائی اور ادارئی نظام کے سربراہ خود رسول خدا ﷺ تھے۔ آپ ﷺ ابلاغ وحی کے اور بیان و تفسیر، عقائد او احکام اور نظام اسلام کے ساتھ اجرائے احکام اور نظام اسلام قائم کرنے کے لیے بھی پوری کوشش کرتے تھے تاکہ ایک اسلامی حکومت کا

وجود عمل میں آ جائے مثلاً اس زمانے میں صرف قانون جزا کے بیان پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا اجرا بھی فرماتے تھے (چور کا) ہاتھ کاٹتے تھے (زانی پر) حد بھی جاری کرتے تھے۔[50]

اسی طرح مولانا مودودی لکھتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام نے انسانی زندگی کے لیے جو نظام مرتب کیا اس کا مرکز و محور، اس کی روح اور اس کا جوہر یہی عقیدہ (کہ حکومت و حاکمیت اور قانونی بالادستی صرف اللہ کی ہے) ہے اور اسی پر اسلام کے نظریہ سیاسی کی بنیاد بھی قائم ہے۔ اسلامی سیاست کا سنگ بنیاد یہ ہے کہ حکم دینے اور قانون بنانے کے اختیارات تمام انسانوں سے فرداً فرداً اور مجتمعاً سلب کر لیے جائیں، کسی شخص کا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ حکم دے اور دوسرے اس کی اطاعت کریں، وہ قانون بنائے اور دوسرے اس کی پابندی کریں۔ یہ اختیار صرف اللہ کو ہے۔''[51] (کہ وہی قانون بنائے اور وہی حکم دے اور اسی کی اطاعت کی جائے، لہٰذا وہ جس کو بھی اپنی طرف سے نمائیندہ بنا کر بھیجے وہی اس کی طرف سے قانونی حاکم ہے۔ یہ دعوی انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور نے نہیں کیا پس انبیاء ہی سیاست کے اہل ہیں۔)

سیاست انبیاء کا حق ہے

جب سیاست معاشرے کی ان چیزوں کی طرف راہنمائی کرے کہ جن میں معاشرے اور افراد کی اصلاح ہے تو اس معنی میں سیاست ہماری روایات میں نبی اکرم ﷺ کے لیے لفظ سیاست کے ساتھ ثابت ہے، اور دعا و زیارت جامعہ میں بھی بظاہر لفظ سیاست آیا ہے یعنی '' ساسۃ العباد'' اور روایت میں پیغمبر اکرم ﷺ سیاستِ امت کی کفالت کی خاطر مبعوث ہوئے ہیں۔ لہٰذا سیاست انبیاء، علماء اور اولیاء کے لیے ایک قسم کا حق ہے لیکن جو سیاست وہ کرتے ہیں اس میں اور دنیا والوں کی سیاست میں یہ (اہ دنیا) کرتے ہیں اس میں فرق ہے، بالفرض اگر ایک ایسا شخص مل جائے کہ جو صحیح سیاست کو اجرا کرے نہ کہ شیطانی اور فاسد سیاست کو اور کوئی حکومت یا صدر مملکت اگر صحیح سیاست کو اجرا کرے کہ جو قوم و ملت کی صلاح و بھلائی پر مشتمل ہو تو یہ سیاست، انبیائے کرام کے لیے ثابت شدہ سیاست کا ایک پہلو ہوگا۔ اور یہی سیاست انبیاء اولیاء اور اب علمائے اسلام کے لیے ثابت ہے۔ انسان ایک پہلو نہیں رکھتا اور معاشرہ بھی ایک پہلو نہیں رکھتا، انسان فقط ایک حیوان نہیں کہ جو جس کا کام فقط کھانا پینا ہی ہو، شیطانی سیاست اور (عام لوگوں کی) صحیح سیاست بھی امت کے فقط ایک ہی پہلو کی راہنمائی کرتی ہے اور وہ اس کا حیوانی پہلو ہے اور معاشرے کا مادی پہلو ہے اور یہ سیاست، اس سیاست کا ایک ناقص جز ہے کہ جو اسلام میں انبیااور اولیا کرام کے لیے ثابت ہے۔ وہ لوگ اور ملل، معاشرے اور افراد کی کی مصلحتوں کی جانب راہنمائی و ہدایت کرنا چاہتے ہیں کہ جو انسان اور معاشرے کے لیے قابل تصور ہیں، یہ وہی ہے کہ جسے قرآن کریم میں ''الصرط المستقیم'' کہا جاتا ہے لہٰذا ہم نماز میں ''اھدنا الصراط المستقیم'' کہتے ہیں یعنی قوم

وملت کی، افراد کی معاشرے کی ایک ایسے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرے کہ جو یہاں سے شروع ہو کر آخرت پر ختم ہوتا ہے، جس کا رخ اللہ کی طرف ہوتا ہے۔[52]

لہٰذا سیاست یہ ہے کہ معاشرے کی ہدایت کرے اور معاشرے کی تمام مصلحتوں کو مد نظر رکھے اور انسان و معاشرے کے تمام پہلوؤں کو نظر انداز نہ کرے اور ان کی اس چیز کی طرف راہنمائی کرے کہ جو ان کی اصلاح میں ہیں اور یہ سیاست فقط انبیائے کرام سے مختص ہے۔ دوسرے لوگ اس قسم کی سیاست نہیں کر سکتے چونکہ یہ فقط انبیا و اولیا سے مختص ہے۔ آپ لوگوں کی سیاست اگر صحیح بھی ہو تو پھر بھی ایک حیوانی سیاست ہے، جو لوگ خود فاسد ہیں ان کی سیاست بھی شیطانی ہے۔ جو لوگ صحیح راہنمائی کرتے ہیں پھر بھی ان کی سیاست مرتبہ حیوانیت تک محدود ہے اور اسی دنیا کی رفاہ و آسائش تک محدود ہے۔ اور اسی عالم کی حیثیت سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن انبیائے کرام اس عالم کی طرف بھی اور اس عالم کی طرف بھی لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ ملت و قوم کی صلاح میں ہے اور معاشرے کی مصلحت میں ہے، فقط اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں؛ اور مرتبہ اول سے آخر تک مادی اور معنوی صلاح چاہتے ہے چونکہ انسان کے کمال کے بہت سے مراتب ہیں۔ اسلامی سیاست مداروں اور روحانی سیاست مداروں اور انبیائے کرام کا مشغلہ ہی سیاست ہے۔ دیانت ہی وہ سیاست ہے کہ جو لوگوں کو اس جگہ سے متحرک کرتی ہے اور وہ تمام چیزیں کہ جو عوام کی مصلحت اور معاشرے کی صلاح میں ہیں، ان کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتی ہے اور یہی صرط مستقیم ہے۔[53]

اسی طرح مولانا مودودی لکھتے ہیں:۔''انبیاء علیہم السلام بالعموم اور محمد ﷺ بالخصوص اللہ تعالیٰ کی اس سیاسی اور قانونی حاکمیت کے مظہر ہیں۔ یعنی اللہ کی اس حاکمیت کا نفاذ انسانوں میں جس واسطے سے ہوتا ہے وہ واسطہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اس لیے ان کے حکم کی اطاعت اور ان کے طریقے کی پیروی اور ان کے فیصلوں کو بے چون وچرا ماننا ہر اس فرد اور گروہ اور قوم کے لیے لازم ہے جو اللہ کی اس حاکمیت کو تسلیم کرے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں بار بار پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل آیات ملاحظہ ہوں:۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء۔ ۸۰) جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (النساء۔ ۶۴) ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔''[54]

پیغمبر ﷺ اسلام کا حکومت تشکیل دینا

امام خمینیؒ لکھتے ہیں: پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک ایسی عادلانہ حکومت تشکیل دی کہ جس کی بنیادیں الٰہی قوانین پر قائم تھی اور بیس سال سے زیادہ عرصے کی طاقت فرس کوششوں کے بعد منطقی اور الٰہی باتوں اور اپنی عادلانہ

سیرت و کردار اور عظیم اخلاق کے ساتھ دلوں کو اپنی جانب جذب کیا اور حیرت انگیز آسمانی و زمینی طاقت اور مقدس الٰہی دین کے راستے میں جان نثاروں کے ایثار کی وجہ سے آپ ﷺ ایک بنیادی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، جس کی بنیا عدالت و توحید پر استوار تھی اور جیسا کہ آپ ﷺ جانتے ہیں اور دنیا کی تاریخ میں پڑھا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دن تک توحید خدا کے نظام کو چلانے اور وحدت کلمہ اور توحید آرا و عقائد کی خاطر کسی بھی کوشش سے دریغ نہیں کیا یہاں تک کہ دین و آئین (اسلام) اور مدینہ فاضلہ کا نظام قائم ہو گیا۔[55]

رسول خدا ﷺ کی سنت اور طریقہ، تشکیل حکومت کے لازم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اولاً: آپ ﷺ نے خود حکومت بنائی تھی اور تاریخ گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے حکومت تشکیل کی اور قانون کا اجرا کیا، نظام اسلام کو قائم کیا اور معاشرے کا باقائدہ انتظام کیا، اطراف میں والی بھیجے، قضاوت فرمائی، قاضیوں کا تقرر فرمایا، بادشاہوں اور قبائل کے سربراہوں کے پاس سفیر بھیجے دوسرے ممالک میں بھی سفیروں کو بھیجا، معاہدہ کئے اور جنگ کی سربراہی کی مختصر یہ کہ تمام حکومتی احکام کی انجام دہی فرمائی۔ ثانیاً: اپنے بعد کے لیے خدا کے حکم سے حاکم معین فرمایا اور جب خدا نے رسول ﷺ کے بعد معاشرے کے لیے ایک حاکم معین کروایا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ رسول خدا ﷺ کے بعد بھی حکومت ضروری ہے۔[56]

مولانا مودودی لکھتے ہیں: ''یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف قرآن پہنچا دینے پر اکتفا نہیں کیا تھا۔ بلکہ ایک ہمہ گیر تحریک کی راہنمائی بھی کی تھی جس کے نتیجے میں ایک مسلم سوسائیٹی پیدا ہوئی۔ ایک نیا نظام تہذیب و تمدن وجود میں آیا اور ایک ریاست قائم ہوئی۔ (اسلامی ریاست، ص ۲۷۴) جہاں قرآن کا تعلق ہے وہ اس معاملہ میں بالکل واضح ہے محمد ﷺ صرف نامہ بر نہیں تھے، بلکہ خدا کی طرف سے مقرر کئے ہوئے رہبر، حاکم اور معلم بھی تھے کہ جن کی پیروی و اطاعت مسلمانوں پر لازم تھی۔[57]

تمام اسلامی احکام میں سیاست کا وجود ہے

امام خمینیؒ کہتے ہیں: تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ہر ممکن ذریعے سے دشمنان اسلام کے زہریلے پروپیگنڈے کے خلاف قیام کریں، تاکہ سب پر واضح ہو جائے کہ اسلالم ایک عدل قائم کرنے والی حکومت تشکیل دینے کے لیے آیا ہے۔ اور اس دین میں مالیات و بیت المال جیسے مالی امور سے متعلق قوانین اور معاشرے کے تمام طبقات سے مالیات وبیت المال جیسے مالی امور سے متعلق قوانین اور معاشرے کے تمام طبقات سے مالیات جمع کرنے کا طریقہ کار ایک عادلانہ طریقے پر تدوین کیا گیا ہے۔[58]

اسی طرح مولانا مودودی لکھتے ہیں: ''اسلامی ذہن یا قرآنی ذہن، کہ حقیقت میں ایک ہی چیز ہیں، جس نظریہ زندگی کے تحت چند اعتقادات پر ایمان لاتا ہے۔ چند عبادات تجویز کرتا ہے، چند شعائر (جو عام اصطلاح میں ''مذہبی شعائر'' کہے جاتے ہیں) اختیار کرتا ہے، ٹھیک اسی نظریہ کے تحت وہ کھانے کی چیزوں میں، پہننے کے سامان میں، لباس کے وضعوں میں، معاشرت کے طریقوں میں، تجارتی لین دین میں، معاشی بندوبست میں، سیاست کے اصولوں میں، تمدن و تہذیب کے مختلف مظاہروں میں، مادی وسائل اور قوانینی طبعی کے علم کے استعمال کرنے کے مختلف طریقوں میں بعض کو رد کرتا ہے اور بعض کو اختیار کرتا ہے۔

یہاں چونکہ نقطہ نظر ایک ہے، طریق فکر ایک ہے، نصب العین ایک ہے، ترک و اختیار کا معیار ایک ہے اس لیے زندگی بسر کرنے کے طریقے، سعی و جہد کے راستے، معاملات دنیا کی انجام دہی کے اصول الگ نہیں ہو سکتے۔ جزئیات میں عمل کی شکلیں الگ ہو سکتی ہیں، احکام کی تعبیروں اور فروعات پر اصول کے انطباق میں تھوڑا بہت اختلاف ہو سکتا ہے، ایک ہی ذہن کی کارفرمائی مختلف مظاہر اختیار کر سکتی ہے، لیکن یہ اختلاف عوارض کا اختلاف ہے، جوہری اختلاف ہر گز نہیں ہے۔ جس بنیاد پر اسلام میں زندگی کی پوری اسکیم مرتب کی گئی ہے اور اس کے تمام شعبوں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے وہ کسی قسم کا اختلاف قبول کر نہیں سکتی، آپ خواہ پاکستانی ہوں یا ترکی، یا مصری ہوں، اگر آپ مسلمان ہیں تو یہی اسکیم اپنی اسی اسپرٹ کے ساتھ آپ کو اختیار کرنی پڑے گی اور اس اسکیم کو رد کر دینا پڑے گا جو اپنی اسپرٹ اور اپنے اصولوں کے لحاظ سے اس کے خلاف ہو۔[59]

عبادات کا سیاسی پہلو

اسلام دین سیاست ہے یہ وہ دین ہے کہ جس کے احکام اور مقامات مقدسہ پر سیاست واضح طور پر دکھائی دیتی ہے ہر روز اسلامی ممالک کی تمام مسجدوں میں شہروں سے لے کر دیہات تک سب بستیوں اور قصبوں میں جماعت کے لیے اجتماع ہوتا ہے تاکہ ہر شہر اور ہر قصبہ کے مسلمان ایک دوسرے کے حالات کو جانیں اور مستضعفین کے حالات سے باخبر ہوں اسی طرح ہفتہ میں ایک مرتبہ کسی ایک مقام پر نماز جمعہ کے لیے ایک بڑے اجتماع کا انعقاد ہوتا ہے یہ نماز دو خطبوں پر مشتمل ہے ان دو خطبوں میں ضروری ہے کہ حالات حاضرہ پر بات ہو، ملک کی ضروریات بیان ہوں، علاقے کی ضروریات کا تذکرہ ہو، سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی پہلو زیر بحث آئیں اور عوام ان مسائل سے آگاہ ہوں۔

اسی طرح سال میں دو عیدیں ہوتی ہیں ان عیدوں پر بھی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں نماز عید میں بھی دو خطبے ہوتے ہیں ان دو خطبوں میں بھی حمد اور رسول اکرم ﷺ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام پر درود و سلام کے بعد سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی پہلوؤں نیز ممالک اور علاقے کی ضروریات پر بات ہونی چاہیے۔ خطباء کرام کو چاہیے

کہ وہ عوام کو مسائل سے آگاہ کریں سب سے بڑھ کر حج کا اجتماع ہے کہ جو سال میں ایک مرتبہ منعقد ہوتا ہے واجب ہے کہ تمام اسلامی ممالک سے جو افراد مستطیع ہیں وہ جمع ہوں اور ضروری ہے کہ وہاں مسائل اسلامی پر بات ہو حج کے مقامات پر، عرفات میں ، خصوصا منیٰ میں اور بعد ازاں مکہ مکرمہ میں اور اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کے حرم میں عوام کے (اپنے) ملک اور اسلامی ممالک کے حالات سے آگاہ ہونا چاہیے۔

وہاں در حقیقت ایک مجلس عالی منعقد ہوتی ہے تمام اسلامی ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے ایک اجتماع عالی کا انعقاد ہوتا ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ہر روز محلے کے حالات کو سدھارنے کے لیے اجتماع ہوتا ہے اور ہر ہفتہ کا بڑا اجتماع جو شہروں میں اور ایسے مقامات پر منعقد ہوتا ہے کہ جہاں شرائط نماز پوری ہوتی ہوں شہروں اور ان سے بالاتر سارے ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے ہیں اور اسی طرح ہر سال کے دو بڑے اجتماع تمام ملکوں کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے ہیں اور سال میں ایک مرتبہ بہت بڑا اجتماع حج کے موقع پر منعقد ہوتا ہے جس میں تمام اسلامی ممالک کے افراد شریک ہوتے ہیں۔حج کے مقامات پر منعقد ہونے والے یہ اجتماعات تمام اسلامی ممالک کے حالات سدھارنے کے لیے ہیں سب سیاسی مسائل ہیں یہ وہ مسائل ہیں کہ جن کی طرف مسلمان کو توجہ رکھنی چاہیے۔[60]

اسی طرح مولانا مودودی لکھتے ہیں:۔''یہاں آپ ''مذہبی ''اور''دنیوی'' شعبوں کو ایک دوسرے سے الگ کر ہی نہیں سکتے۔ اسلام کی نگاہ میں دنیا و آخرت دونوں ایک ہی مسلسل زندگی کے دو مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ سعی و عمل کا ہے، اور دوسرا مرحلہ نتائج کا۔آپ زندگی کے پہلے مرحلے میں دنیا کو جس طرح برتیں گے دوسرے مرحلے میں ویسے ہی نتائج ظاہر ہوں گے۔ اسلام کا مقصد آپ کے ذہن اور آپ کے عمل کو اس طرح تیار کرنا ہے، کہ زندگی کے اس ابتدائی مرحلے میں آپ دنیا کو صحیح طریقہ سے برتیں تاکہ دوسرے مرحلے میں صحیح نتائج حاصل ہوں۔ پس یہاں پوری دنیوی زندگی ''مذہبی'' زندگی ہے، اور اس میں اعتقادات و عبادات سے لے کر تمدن و معاشرت اور سیاست و معیشت کے اصول و فروع تک ہر چیز ایک معنوی اور مقصدی ربط کے ساتھ مربوط ہے۔ اگر آپ اپنے سیاسی و معاشی معاملات کو اسلام کی تجویز کردہ اسکیم کے بجائے کسی اور اسکیم کے مطابق منظّم کرنا چاہتے ہیں تو یہ جزوی ارتداد ہے، جو آخر کار کلی ارتداد پر منتہی ہوتا ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اسلامی تعلیمات کا تجزیہ کرکے بعض کو رد کرتے ہیں اور بعض کو قبول کرتے ہیں۔ آپ معتقدات دین اور عبادات دینی کو قبول کرتے ہیں، مگر اس نظام زندگی کو ترک کردیتے ہیں جس کی عمارت انہی عبادات کی بنیاد پر اٹھائی گئی ہے۔''[61]

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔الزمر:۳۸

2۔البقرہ:۱۱۶

3۔سورۃابراہیم: ۳۴

4۔سورۃالبقرہ:۲۹

5۔سورہ لقمان:۲۰

6۔سورۃالحدید : ۲۵

7۔سورۃالانعام:۱۰۰

8۔سورۃالمائدہ آیۃ:۳

9۔سورۃآل عمران:۸۵

10۔سورۃالشعراء آیۃ ۱۶۳

11۔الاحزاب:۴۰

12۔المنجد،دارالاشاعت اردو بازار کراچی،ص۳۴۶،سن اشاعت ۱۹۷۵ء

13۔مولانا عبدالرشید نعمانی،لغات القرآن،عمر فاروق اکیڈمی لاہور

14۔مولانا عبدالرحمان کیلانی،مترادفات القرآن،مکتبہ اسلام وسن پورہ لاہور،ص۵۰۹۔

15۔پرویزاحمد،لغات القرآن،ص۶۸۳

16۔پرویزاحمد،لغات القرآن،ص۶۸۲

17۔فخرالدین الطریحی مجمع البحرین جلد۴ص۷۸انتشارات مرتضوی چاپخانہ حیدری تہران طبع سوم سال ۱۳۷۵ھ

18۔لویس معلوف:''المنجد''،ص۳۶۲

19۔ایضا

20۔ایضاً

21۔علّامہ عبدالرحمان ابن الخلدون،مقدّمۃابن الخلدون،ص۱۱۳،دارالفکر بیروت،سال طبع ۱۴۰۸ھ ق

22۔ابن نجیم البحرالرّائق ج۵ص۷۶طبع بیروت

23۔ محمد بن ابی بکر شمس الدین ابن قیم الجوزیۃ کتاب "الطرق الحکمیہ فی السیاست الشرعیۃ "المطبعۃ المنیریۃ بالقاہرہ طبع اول سال طبع ۱۳۷۲ھ، ص ۱۷

24۔ صحیفہ نور، ج ۵، ص ۱۶۷

25۔ صحیفہ نور، ج ۱۴، ص ۱۱۹

26۔ صحیفہ نور، ج ۱۸، ص ۸۸۔۸۹

27۔ صحیفہ نور، ج ۲، ص ۱۶۳۔ ۱۶۴

28۔ ولایت فقیہ، ص ۱۲۔ ۱۳

29۔ اسلامی ریاست ص ۱۱۱۔ ۱۱۲

30۔ اسلامی ریاست ص ۴۹

31۔ اسلامی ریاست۔ ص ۵۶

32۔ اسلامی ریاست۔ ص ۴۹

33۔ اسلامی ریاست ص ۵۳

34۔ صحیفہ نور ج ۱، ص ۲۳۹۔ ۲۴۰

35۔ صحیفہ نور، ج ۲۰، ص ۳۰

36۔ تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۶۳۸

37۔ صحیفہ نور، ج ۳، ص ۲۱

38۔ اسلامی ریاست، ص ۲۷۲

39۔ صحیفہ نور، ج ۱، ص ۱۱۹

40۔ صحیفہ نور، ج ۲ ص ۲۳۲

41۔ صحیفہ نور، ج ۵، ص ۲۱

42۔ سلامی ریاست، ص ۱۲۳

43۔ صحیفہ نور، ج ۵، ص ۱۰۸

44۔ صحیفہ نور، ج ۱۳، ص ۱۸۰

45۔ اسلامی ریاست ص ۱۳۵۔ ۱۳۶

46۔ اسلامی ریاست، ص ۱۳۶

47۔ صحیفہ نور، ج ۱۷، ص ۳۴

48۔ صحیفہ نور، ج ۱۹، ص ۹۶

49۔ صحیفہ نور، ج ۲، ص ۲۳۲۔ ۲۳۳
50۔ ولایت فقیہ ص ۱۸
51۔ اسلامی ریاست، ص ۱۲۶
52۔ صحیفہ نور، ج ۱۳، ص ۲۱۷
53۔ صحیفہ نور، ج ۱۳، ص ۲۱۸
54۔ اسلامی ریاست، ص ۳۶۸
55۔ کشف الاسرار، ص ۱۰۶
56۔ ولایت فقیہ، ص ۱۸
57۔ ایضاً
58۔ کتاب البیع، ۲، ص ۴۵۹۔ ۴۶۰
59۔ اسلامی ریاست ص ۴۵۔ ۴۶
60۔ صحیفہ نور، ج ۸، ص ۲۶۴۔ ۲۶۵
61۔ اسلامی ریاست ص ۴۶

کتابیات

1) ابن نجیم البحر الرّائق، طبع بیروت
2) پرویز احمد، لغات القرآن
3) امام خمینی: صحیفہ نور
4) امام خمینی: ولایت فقیہ،
5) امام خمینی: کشف الاسرار
6) امام خمینی: کتاب البیع
7) علّامہ عبد الرحمان ابن الخلدون، مقدّمۃ ابن الخلدون، دار الفکر بیروت، سال طبع ۱۴۰۸ھ ق
8) فخر الدین الطریحی مجمع البحرین، انتشارات مرتضوی چاپخانہ حیدری تہران طبع سوم سال ۱۳۷۵ھ
9) محمد بن ابی بکر شمس الدین ابن قیم الجوزیۃ کتاب "الطرق الحکمیہ فی السیاست الشرعیۃ" المطبعۃ المنیریۃ بالقاہرہ طبع اول سال طبع ۱۳۷۲ھ
10) السید ابو الاعلیٰ مودودی: "اسلامی ریاست" اسلامی پبلیکیشنز لاہور سال ۱۹۹۸ء
11) السید ابو الاعلیٰ مودودی: "تفہیم القرآن" پبلشر ادارہ ترجمان القرآن لاہور طبع یازدہم سال ۱۹۸۳ء
12) مولانا مودودی: ''خلافت و ملوکیت''، پبلشر ادارہ ترجمان القرآن لاہور

13) المنجد، دارالاشاعت اردو بازار کراچی، ص ۳۴۶، سن اشاعت ۱۹۷۵ء
14) مولانا عبدالرشید نعمانی، لغات القرآن، عمر فاروق اکیڈمی لاہور
15) مولانا عبدالرحمان کیلانی، مترادفات القرآن، مکتبہ اسلام وسن پورہ لاہور

غلو اور غالیوں کے خلاف ائمہ طاہرین کی جد و جہد

سید حسنین عباس گردیزی
پرنسپل جامعۃ الرضا، بہار کہو اسلام آباد

غلو کا لغوی معنی

الغُلُوُّ کا معنی کسی چیز کے حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ اگر یہ تجاوز کسی کی قدر و منزلت اور فضیلت کے متعلق ہو تو اسے غُلُوُّ کہا جاتا ہے اور اگر اشیاء کے نرخ اور قیمت کے بارے میں ہو تو اسے غلاء (مہنگائی) کا نام دیا جاتا ہے اور اگر تیر اپنی حدود سے تجاوز کر جائے تو غُلُوُّ کہتے ہیں۔ ابلنے اور جوش کھانے کو غلیان اور غیر معمولی سرکش حیوان کو غلواء کہتے ہیں ان تمام معنوں کے لئے فعل کا ایک ہی مادہ استعمال ہوتا ہے۔[1] بعض افراد کی رائے ہے کہ غلو، افراط و تفریط دونوں طرفوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ بعض دوسرے افراد غلو کو فقط افراط کے معنی میں منحصر سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلے پر تقصیر استعمال کرتے ہیں۔[2] علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں غلو کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا ہے :بانه ما يقابل التقصير وهو تجاوز الحدفقال ان معنى الاية لا تتجاوزوا الحد الذى حده الله لكم الى الا زدياد وضده: التقصير وهو الخروج عن الحد الى النقص او الزياده فى الحد والنقصان عنه كلاهما فساد و دين الله الذى امر به هو بين الغلو والتقصير وهو الا قتصاد، اى الا عتدال۔[3]

اصطلاحی معنی

شرعی اعتبار سے انبیا ،آئمہ اور اولیاء کرام کے مقام و مرتبے میں مبالغہ کرنا اس طرح کہ انہیں الوہیت اور ربوبیت کے مقام پر پہنچا دینا یا انہیں معبودیت، خلق اور رزق وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کا اس طرح شریک قرار دینا کہ ضروریات دین کا انکار لازم آئے۔[4]

قرآن میں غلو کا معنی

قرآن مجید کی دو آیات میں غلو استعمال ہوا ہے:

1. يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا[5] اے اہل کتاب ! اپنے دین میں غلو سے

کام نہ لو اور اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ نہ کہو، بے شک مسیح عیسی بن مریم تو اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم تک پہنچا دیا اور اس کی طرف سے وہ ایک روح ہیں۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آو اور یہ نہ کہو کہ تین ہیں، اس سے باز آجاؤ اس میں تمہاری بہتری ہے۔ یقیناً اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں اور زمین میں موجود ساری چیزیں اسی کی ہیں اور کار سازی کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

اس آیت میں اہل کتاب کو غلو کرنے سے منع کیا ہے اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں یا یہودی؟ تو اس بارے میں زیادہ تر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ عیسائی مراد ہیں کیونکہ غلو کے موارد عیسائیوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔[6] اور بعض کی رائے کے مطابق عیسائی اور یہودی دونوں مراد ہیں۔[7] البتہ اس بارے میں اتفاق ہے کہ غلو کا موضوع حضرت عیسیٰؑ ہیں اس غلو کے حوالے سے عیسائیوں کے تین گروہ ہیں۔ بعض کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا ہیں، بعض کا نظریہ یہ ہے کہ وہ تین خداؤں میں سے ایک ہیں تیسرے گروہ کا کہنا ہے کہ وہ خدا کا بیٹا ہیں۔[8]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں نے یہ غلو کیا کہ انہیں فعل حرام کا نتیجہ قرار دیا اور حضرت مریمؑ کی طرف ناروا نسبت دی ہے۔[9] مفسرین نے اس نکتہ پر بھی بحث کی ہے کہ عیسائیوں سے مراد کون سے ہیں؟ بعض نے کہا کہ اہل نجران مقصود ہیں[10] دوسروں کا قول ہے کہ تمام نصاری مراد ہیں۔[11] قرآن مجید کی ایک دوسری آیت جس میں غلو کا تذکرہ ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

2. قُلْ يَاَ هْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ[12] یعنی: "اے رسول ﷺ! کہہ دو کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اس قوم کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکی ہے اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کر چکی ہے اور سیدھے راستہ سے بہک چکی ہے۔ اس آیت میں خطاب رسول اکرم ﷺ کو ہوا ہے کہ وہ اہل کتاب سے کہیں وہ دین الٰہی میں غلو نہ کریں اور جو حدود مقرر کی گئی ہیں ان سے تجاوز نہ کریں یہاں پر دین میں غلو سے مراد اکثر مفسرین نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں الوہیت اور خدا قرار دینے کا عقیدہ مراد لیا ہے گویا وہی مطالب جو گزشتہ آیت میں بیان ہوئے ہیں وہ یہاں پر ذکر ہوئے ہیں۔[13]

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید میں غلو سے مراد کسی کو خدا قرار دینا اور اسے الوھیت کا درجہ دینا ہے۔ ان آیات سے اور قرآن کی دیگر آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ غلو کی تاریخ پرانی ہے اسلام سے قبل مختلف اقوام میں بالخصوص یہود و نصاریٰ کے درمیان یہ موجود تھا۔ یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کی الوھیت کا دعویٰ کیا۔ قرآن کریم

نے ان کے خرافاتی نظریے کو یوں نقل کیا ہے: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ [14] یعنی یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ روایات اس بات کی حکایت کرتی ہیں کہ حضرت عزیرؑ کے توسط سے کچھ ایسے معجزات رونما ہوئے جس کے سبب یہودی یہ کہنے لگے کہ ان میں الوہیت پائی جاتی ہے یا اس کا کچھ جزء شامل ہے۔ یہودیوں کی طرح عیسائیوں کے ہاں بھی ایسے نظریات پائے جاتے ہیں جن کا تذکرہ گزشتہ آیات میں ہو چکا ہے انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں غلو کیا اور ان کی الوہیت کا دعوی کیا قرآن مجید نے یہودیوں کے عقیدے کو بیان کرنے کے فوراً بعد ان کے نظریات کا تذکرہ کیا ہے۔

3. وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ [15] یعنی: "اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں یہ سب زبانی باتیں ہیں ان باتوں میں وہ بالکل اپنے سے پہلے کافروں کی طرح ہیں۔ اللہ انہیں قتل کرے یہ کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔" اس آیت میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے پہلے بھی کفار اپنے بزرگوں کے بارے میں غلو کا شکار تھے۔

قرآن مجید ایک اور مقام پر عیسائیوں کے غلو کا پردہ چاک کرتا ہے: ''لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللهَ هُوَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ [16] یعنی حقیقت میں وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم اللہ ہے۔ غلو جیسا باطل اور انحرافی عقیدہ مسلمانوں میں بھی سرایت کر گیا۔ جس کی طرف رسول اکرم ﷺ نے توجہ دلائی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے:

ا۔ ''حد سے زیادہ میری مدح و ستائش نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی مدح و ستائش میں افراط سے کام لیا ہے میرے بارے میں کہو کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں'' [17]

۲۔ ابو رافع قرظی اور سید نجرانی نے کہا کہ: اے محمد ﷺ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم تمہاری پرستش کریں اور تمہیں رب قرار دیں؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ اس کے علاوہ کسی کی پرستش کریں اور اس کے سوا کسی اور کا حکم دوں۔ اس نے مجھے اس لیے مبعوث نہیں فرمایا اور نہ ہی اس قسم کا حکم دیا ہے اس پر یہ آیت (وماکان لبشر) سورہ آل عمران ۷۹ نازل ہوئی۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے رسول اللہ! کیا ہم تمہیں سجدہ نہ کریں! رسول اکرم نے جواب دیا: خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے البتہ اپنے نبی کا عزت و احترام کرو اور حق کو اس کے اہل کے لیے پہچان کرو۔ [18]

۳۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:۔ مجھے میری شان و منزلت سے آگے نہ بڑھاو۔ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے مجھے اپنا بندہ قرار دیا ہے۔ [19]

۴۔آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :۔دو قسم کے گروہوں کو میری شفاعت نصیب نہیں ہو گی :ایک ظالم اور سمت کار بادشاہ اور دوسرا دین میں غلو کرنے والا ،جو دین سے خارج ہو جاتا ہے اور توبہ نہیں کرتا اور غلو سے اجتناب نہیں کرتا۔[20]

پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں غلو کے اشارے موجود تھے اور رسول اکرم ﷺ اپنے بعد امت میں اس کے پھیلنے کے امکانات کو دیکھ رہے تھے لہٰذا آپ ﷺ نے غلو کے خطرے سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا اور اس سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ "مسلمانوں میں اس عقیدے کے داخل ہونے کے مختلف عوامل اور اسباب تھے:

ا۔اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے وہ افراد جنہوں نے ظاہر میں اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا لیکن دل سے اسلام کی حقانیت کو تسلیم نہیں کیا انہوں نے مسلمانوں کے عقائد کو بگاڑنے کے لیے مختلف اسلامی شخصیات کے متعلق غلو کو رواج دیا انہوں نے ضعیف الایمان مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھ کر ان کے درمیان غلو جیسے باطل عقائد کو ہوا دی۔

۲۔دوسری جانب وہ قومیں جو مجوسیت اور دیگر ادیان کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئیں لیکن اسلام کی روح کو نہ سمجھ سکیں یا انہوں نے ظاہر میں اسلام کو قبول کیا اور اپنے باطل عقائد کو مسلمانوں کے اندر پھیلایا۔

غلو کی علامات

وہ نظریات جو غالیوں کے عقائد شمار ہوتے ہیں اور غلو کی نشانیاں قرار پاتے ہیں وہ یہ ہیں:

ا۔رسول اکرم ﷺ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ یا دوسرے اولیاء الٰہی کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھنا۔

۲۔یہ عقیدہ رکھنا کہ کائنات کا انتظام وانصرام یا تدبیر ،رسول خدا ﷺ امیر المومنین علیؑ اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام یا کسی اور فرد کے سپرد کی گئی ہے۔

۳۔امیر المومنین علی اور آئمہ علیہم السلام یا کسی اور شخص کی نبوت کا نظریہ رکھنا۔

۴۔کسی فرد کا علم غیب سے ذاتی طور پر آگاہ ہونا بغیر اس کے کہ اسے وحی یا الہام ہو اس بات کا عقیدہ رکھنا۔

۵۔یہ عقیدہ رکھنا کہ اہل بیت کی معرفت اور محبت عبادت الٰہی اور فرائض الٰہی کی انجام دہی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔[21]

البتہ وہ عقائد جن پر دلیل قطعی (خواہ وہ عقلی ہو یا نقلی) قائم ہو تو اسے غلو یا حد سے تجاوز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر اہل بیت کی عصمت امیر المومنین علی کی خلافت اور وصایت بلا فصل اور ان کے بعد باقی اماموں کی امامت اور ولایت کا عقیدہ امام کے علم لدنی کا نظریہ رجعت کا عقیدہ اور دیگر شیعہ عقائد جن پر محکم اور متقن ادلہ قائم کی گئی ہیں ۔انہیں غلو اور حد سے تجاوز قرار دینا کسی لحاظ سے درست نہیں ہے۔غلو اسلام کے تمام فرقوں میں پایا جاتا ہے جن کی مثالیں تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں۔لیکن متعصب افراد نے اسے صرف شیعہ فرقے سے منسوب کیا ہے۔جو کہ سراسر غلط ہے۔شیعوں کے عقائد مسلم طور پر ان کی کتب میں موجود

ہیں۔ یہاں پر ہم چند شیعہ علماء کے نظریات بیان کریں گے تاکہ غلو اور غلاۃ کے بارے میں شیعہ اثنا عشری فرقہ کا نظریہ واضح ہو جائے۔

شیخ صدوق فرماتے ہیں: غلاۃ اور مفوضہ کے سلسلے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ کافر باللہ ہیں۔ یہ لوگ اشرار ہیں جو یہودی، نصاریٰ مجوسی، قدریہ، حروریہ سے منسلک ہیں یہ تمام بدعتوں اور گمراہ فکروں کے پیروکار ہیں۔[22] شیخ مفید فرماتے ہیں: غلات اسلام کا دکھاوا کرنے والا گروہ ہے یہ وہی افراد ہیں جنہوں نے امیر لمومنین علی اور ان کی پاکیزہ اولاد کو الوہیت اور نبوت کی نسبت دی ہے یہ افراد گمراہ اور کافر ہیں اور امیر المومنین نے ایسے لوگوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا ہے دوسرے آئمہ نے بھی ایسے افراد کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیا ہے۔[23]

علامہ حلی بیان فرماتے ہیں: "بعض غالی حضرات امیر المومنین علی کی الوہیت اور بعض ان کی نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں یہ سب نظریات باطل ہیں کیونکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ اللہ جسم نہیں ہے اس میں حلول محال اور اس کے ساتھ ایک ہو جانا (اتحاد) باطل ہے اسی طرح ہم نے ثابت کیا ہے کہ محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔[24] محقق حلی فرماتے ہیں:۔غلات اسلام سے خارج ہیں اگرچہ وہ ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔[25] علامہ نراقی کا قول ہے: غالیوں کی نجاست میں کسی قسم کا شک نہیں ہے یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت علی علیہ السلام یا دیگر افراد کی الوہیت کے قائل ہیں۔[26] صاحب جواہر کا قول ہے:۔غلات، خوارج، ناصبی اور ان کے علاوہ دیگر افراد جو ضروریات دین کے منکر ہیں یہ کبھی بھی مسلمانوں کے وراث نہیں ہو سکتے۔[27]

آقا رضا ہمدانی لکھتے ہیں: وہ فرقہ جن کے کفر کا حکم دیا گیا ہے وہ غلات ہیں اور ان کے کفر میں شک و شبہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ امیر المومنین اور دوسرے افراد کی الوھیت کے قائل ہیں۔[28] امام خمینیؒ تحریر الوسیلہ میں فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔اگر غالی کا غلو الوھیت، توحید اور نبوت کے انکار کا لازمہ قرار پائے تو یہ کافر ہیں۔[29]

ان اقوال سے ثابت ہوا کہ علماء شیعہ غالیوں کے کفر اور نجاست کا حکم دیتے ہیں اور ان کے حوالے سے انہوں نے فقہی احکام بھی بیان کر دیئے ہیں مثلاً ان کی نجاست، ان کا ذبیحہ حرام ہے اور وہ مسلمانوں کی میراث نہیں پا سکتے۔ جرح والتعدیل کے ماہر شیعہ علماء کا غالیوں کے بارے میں موقف انتہائی واضح ہے۔[30]

غلو اور غالیوں کے بارے میں آئمہ اہل بیت کا موقف اور ان کا طرز عمل

رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو اپنی امت میں رونما ہونے والے فتنوں سے باخبر کر دیا تھا انہی امور میں سے ایک وہ راز تھا جس سے حضرت علی ؑ کو آگاہ فرمایا کہ ایک قوم تمہاری محبت کا اظہار کرے گی اور اس میں غلو کی حد تک پہنچ جائے گی اور اس کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو کر کفر و شرک کی حدوں میں داخل ہو

جائے گی۔ احمد بن شاذان نے اپنی اسناد سے امام صادق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے آباء واجداد سے اور انہوں نے علی سے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا :

"اے علیؑ میری امت میں تیری مثال عیسی بن مریمؑ کی ہے ان کی قوم ان کے حوالے سے میں تین گروہوں میں بٹ گئی ایک گروہ مومن تھا اور یہ ان کے حواری تھے دوسرا گروہ ان کا دشمن تھا جو کہ یہودی تھے۔ تیسرا گروہ، وہ تھا جنہوں نے ان کے بارے میں غلو کیا اور ایمان کی حدود سے خارج ہو گئے۔ میری امت تیرے بارے میں تین گروہوں میں تقسیم ہو گی۔ایک گروہ تمہارا شیعہ ہو گا اور یہ مومنین ہوں گے دوسرا گروہ تمہارا دشمن ہو گا اور یہ شک کرنے والے ہوں گے تیسرا گروہ تمہارے بارے میں غلو کرنے والا ہو گا اور یہ منکرین کا گروہ ہو گا۔ اے علی ؑ ! جنت میں آپ اور آپ کے شیعہ جائیں گے اور جہنم تمہارے دشمنوں اور غلو کرنے والوں کا ٹھکانہ ہو گی۔"[31]

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے خود فرمایا ہے: میرے بارے میں دو قسم کے افراد ہلاک ہوں گے ایک غالی محب اور دوسرا دشمن جفاکار[32] ابن نباتہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: خدایا ! میں غلو کرنے والوں سے ایسے بیزار اور بری ہوں جس طرح عیسی بن مریم ؑ عیسائیوں سے بری اور بیزار تھے۔اے اللہ ان (غالیوں کو) ہمیشہ ذلیل ورسوا فرما اور ان میں سے کسی کی بھی نصرت نہ فرما۔[33] آپ نے ایک اور مقام پر فرمایا: ہمارے بارے میں غلو سے پرہیز کرو، کہو کہ ہم پروردگار کے بندے ہیں، اس کے بعد ہماری فضیلت میں جو چاہو کہو۔[34] امام صادقؑ سے روایت ہے کہ یہودی علماء میں سے ایک شخص امیر المومنینؑ کے پاس آیا اور کہا اے امیر المومنین ؑ ! آپ کا خدا کب سے ہے؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں تیرے غم میں روئے میرا خدا کب نہیں تھا؟ جو یہ کہا جائے کہ کب سے تھا میرا خدا کب سے پہلے تھا جب کب نہ تھا اور بعد کے بعد بھی رہے گا جب بعد نہ ہو گا اس کی کوئی غایت نہیں اور اس کی غایت وانتہا کی حد نہیں، حد انتہا اس پر ختم ہے وہ ہر انتہا کی انتہا ہے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنینؑ کیا آپ نبی ہیں ؟آپ ﷺ نے فرمایا: وائے ہو تم پر ! میں تو محمدؐ کے غلاموں میں ایک غلام ہوں۔[35]

غالیوں کے ساتھ امیر المومنین کا سلوک

عبداللہ بن سبا اصل میں یمن کا رہنے والا اور صنعا کے یہودیوں میں سے تھا۔ حجاز بصرہ اور کوفہ میں اس کا بہت آنا جانا تھا۔ حضرت عثمان کے زمانے میں دمشق کا سفر کیا تو اہل شہر نے اسے شہر سے نکال دیا اس کے بعد یہ مصر چلا گیا۔ وہاں حضرت عثمان کے خلاف جو شورش برپا ہوئی اس میں پیش پیش تھا اور ان کے زبردست مخالفوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔[36] ابن سبا کے حالات میں ہے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ خیال کیا کہ امیر

المومنین علی ؑ خدا ہیں اور مقام الوھیت رکھتے ہیں جب حضرت علیؑ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ابن سبا کو بلایا اور اس بارے میں پوچھا تو اس نے واضح طور پر اپنے عقیدے کا اعتراف کیا اور کہا کہ ہاں تو وہ (خدا) ہے میرے دل میں یہی الہام ہوا ہے کہ تو خدا ہے اور میں تیرا رسول ہوں۔امیر المومنین نے اسے فرمایا وائے ہو تم پر ! شیطان نے تجھ سے مذاق کیا ہے تیری ماں تیری میت پر روئے۔اس سے روگردانی کر اور توبہ کر۔اس نے قبول نہ کیا۔حضرت امیر نے اسے زندان میں ڈال دیا اور اسے تین دن کی مہلت دی تاکہ وہ توبہ کر لے، لیکن اس نے توبہ نہ کی۔حضرت علی ؑ نے اسے آگ میں جلا دیا اور فرمایا اس پر شیطان مسلط ہو گیا تھا وہ اس کے پاس آتا تھا اور یہ عقیدے اسے تلقین کرتا تھا۔[37]

اس حوالے سے ایک اور واقعہ بھی تاریخ میں نقل ہوا ہے: جنگ جمل کے بعد قوم زط (جٹ) کے بعض افراد جو کہ سبائیہ (عبد اللہ بن سبا کے پیروکار) تھے اور ان کی تعداد ستر تھی، حضرت علیؑ کے پاس آئے سلام کیا اور اپنی زبان میں آپ سے گفتگو کی آپ نے انھیں کی زبان میں جواب دیا۔آپ نے انہیں کہا: جیسا تم کہہ رہے ہو وہ نہیں ہوں، میں اللہ کا بندہ اور مخلوق ہوں۔ان لوگوں نے حضرت علی ؑ کی بات کا انکار کیا اور ان سے کہا تو ہی خدا ہے۔آپ نے انہیں کہا: اگر ان باتوں سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ نہیں کروگے جو تم نے میرے بارے میں کہی ہیں تو تم سب کو قتل کر دوں گا۔وہ اپنی باتوں پر ڈٹے رہے اور ہر گز توبہ نہ کی حضرت علیؑ نے ان کے لیے زمین میں گڑھے کھودنے کا حکم دیا۔گھڑئے کھودے گئے اور ان کے درمیان سوراخ کرکے انہیں آپس میں ملا دیا گیا پھر ان افراد کو ان گڑھوں میں ڈالا گیا اور ان گڑھوں کا منہ بند کر دیا گیا ایک خالی گڑھے میں آگ جلائی گئی۔ دھوئیں اور گھٹن کی وجہ سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔[38]

البتہ اس واقعے کو ایک اور طرح سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ کے حکم کے مطابق گڑھوں میں آگ جلائی گئی اور پھر آپ نے اپنے غلام قنبر کو حکم دیا کہ انہیں پکڑ کر آگ میں ڈالے۔اس طرح سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔اس بارے میں ایک شعر بھی حضرت علیؑ سے منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا :

انی اذا البصرت امراً منکر اً　　اوقدرت ناری ودعوت قنبراً

ثم احفرت حضراً فحفراً　　وقنبر یحطم حطماءِ منکراً [39]

امام زین العابدین علیہ السلام کا موقف

امام علی بن الحسین علیہ السلام نے فرمایا: ''جو ہم پر جھوٹ باندھے اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو، میں نے جب عبد اللہ بن سبا کے بارے میں سوچا تو میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اس نے بہت بڑا دعویٰ کیا تھا، اسے کیا ہو گیا تھا ! اللہ کی اس پر لعنت ہو۔خدا کی قسم علیؑ اللہ کے صالح بندے اور رسول اللہ کے بھائی تھے درگاہ

احدیت میں انہیں جو مقام و مرتبہ ملا اس کی وجہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تھی جس طرح رسول اکرم ﷺ کو عظیم مقام منزلت سے نہیں نوازا گیا مگر خدا کی اطاعت کی وجہ سے۔

امام زین العابدینؑ نے ابو خالد کابلی کو امت میں غلو کے بارے میں آگاہ کیا جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے دین میں غلو کیا تھا۔امامؑ نے فرمایا : یہودی حضرت عزیر سے محبت کرتے تھے ۔یہاں تک کہ انہوں نے ان کے بارے میں وہ کچھ کہا جو نہیں کہنا چاہیے تھا۔لہٰذا نہ حضرت عزیرؑ ان سے تھے نہ وہ حضرت عزیرؑ سے تھے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کو دل و جان سے چاہا اور ان کے بارے وہ کچھ کہا جو ان کے شایان شان نہ تھا لہٰذا نہ حضرت عیسیٰ ؑ کا ان سے کوئی تعلق رہا اور نہ ہی ان کا حضرت عیسیٰ ؑ سے کوئی تعلق رہا اور حقیقت میں ہم بھی اس بدعت کا شکار ہوں گے ۔بہت جلد ہمارے شیعیوں کا ایک گروہ ہم سے محبت کرے گا۔یہاں تک کہ وہ ہمارے بارے میں وہی کچھ کہے گا جو یہودیوں نے حضرت عزیر اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہا تھا۔ لہٰذا یہ لوگ ہم میں سے نہیں ہوں گے اور نہ ہی ہمارا ان سے کوئی تعلق ہو گا۔[40]

غالیوں کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام کی رائے

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا : اللہ تعالیٰ ابو الخطاب اس کے اصحاب اور اس پر لعنت میں شک کرنے والوں اور اس بارے میں توقف کرنے والوں اور شک کرنے والوں پر لعنت کرئے ۔۔اے علیؑ ! ان پر لعنت کرنے میں کوتاہی نہ کرو، بتحقیق اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے۔اس کے بعد انہوں نے کہا کہ رسول ﷺ خدا نے فرمایا ہے: جو شخص اس فرد پر لعنت کرنے سے ناراض ہو جس پر ذات باری تعالیٰ نے لعنت کی ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔[41]

ابو الخطاب محمد بن مقلاص بن راشد منقری بزار برادا جدع اسدی تھا کوفے کا رہنے والا ایک غالی انسان تھا اس کے اصحاب اور پیروکاروں کو خطابیہ کہا جاتا ہے۔[42] ابتداء میں وہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق ؑ کے اصحاب میں سے تھا، شروع میں اس کا عقیدہ یہ تھا کہ آئمہ ، پیغمبر ہیں پھر انہیں خدا سمجھنے لگا اور جعفر بن محمدؑ اور ان کے آباء کی الوھیت کا قائل ہو گیا۔ اس نے کہا کہ امام جعفر صادقؑ اپنے زمانے کا خدا ہے اور یہ وہ نہیں جسے وہ محسوس کرتا ہے اور اس سے روایت کرتا ہے چونکہ اس نے عالم بالا سے اس دنیا میں نزول کیا ہے اس لیے اس نے آدمی کی شکل اختیار کی ہے۔[43] اس کا خیال تھا کہ جعفر صادقؑ نے اسے اپنے بعد اپنا قیم اور وصی مقرر کیا ہے پھر اس سے آگے بڑھا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا اور یہ کہا کہ وہ اسم اعظم جانتا ہے اور آخر میں کہنے لگا کہ وہ فرشتوں میں سے ہے۔[44] رفتہ رفتہ اس کے گروہ میں اضافہ ہوا اور انہوں نے کوفے کے گورنر کی مخالفت شروع کر دی ۔ایک دن جب ان میں سے ستر افراد ہنگامہ برپا کرنے کے لیے مسجد کوفہ میں جمع تھے تو گورنر

کوفہ نے ان پر حملہ کر دیا اور سخت مقابلے میں اس کے بہت سارے ساتھی مارے گئے اس دوران ابوالخطاب کو گرفتار کیا گیا حاکم کوفہ نے حکم دیا کہ فرات کے کنارے ''دار الرزق ''میں اس کے پیروکاروں کے ساتھ سولی پر لٹکایا جائے۔اس کے بعد ان کے جسموں کو جلایا گیا اور ان کے سروں کو منصور دوانقی کے پاس بھیجا گیا اس نے حکم دیا کہ تین دن تک ان سروں کو بغداد کے دروازے پر لٹکایا جائے اور پھر آگ میں جلایا جائے۔[45]

زرارہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بیان۔بنان پر لعنت کرے۔ بنان (اللہ کی لعنت ہو اس پر) نے میرے باپ پر جھوٹ اور افتراء باندھا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے باپ علی ابن الحسینؑ عبد صالح تھے۔[46] بیان بن سمعان تمیمی فہدی غلات کا سرغنہ تھا اس کے پیروکاروں کو بیانیہ کہا جاتا ہے اس کا نام بنان بن سمعیان فہدی اور تمیمی بھی آیا ہے یہ شخص امام زین العابدینؑ اور محمد باقرؑ کا معاصر تھا۔[47] اس نے پہلے تو اپنے آپ کو ابو ہاشم عبد اللہ ابن محمد بن حنفیہؑ کا جانشین کہا پھر غلو کیا اور علیؑ کو خدا سمجھا اور تناسخ اور رجعت کا عقیدہ اپنایا۔[48] پھر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور امام محمد باقرؑ کو خط لکھا کہ تو اسلام قبول کر اور امان میں رہ بلند ہو جا اور نجات اور کامیابی پالے کیونکہ تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوت کو کہاں رکھا ہے اور رسول کا فرض صرف پہنچا دینا ہے جس نے کسی کو ڈرایا اس نے عذر کو بر طرف کر دیا۔امام نے اس کے خط لانے والے عمرو بن عفیف ازدی کو مجبور کیا کہ وہ خط نگل لے۔پس اس نے خط کھایا اور مر گیا۔[49] آخر کار انہوں نے مسجد کوفہ میں ہنگامہ برپا کیا۔خالد بن عبد اللہ قسری نے اسے اور اس کے پندرہ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا انہیں رسی سے باندھ کر ان پر تیل چھڑکا گیا اور انہیں آگ لگا دی گئی۔یہ واقعہ ۱۱۹ ہجری کو رونما ہوا۔[50]

غالیوں کے خلاف امام صادق علیہ السلام کی جد و جہد

امام صادقؑ کے دور میں غلاۃ کا مسئلہ بہت بڑھ گیا تھا،اسی کے پیش نظر امام نے اپنے شاگردوں کے درمیان مختلف علوم کی تعلیم شروع کر دی،آپ کے آواز تحریک آفاقی ہو گئی اور آپ کے شاگرد پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا،لوگوں کو ان علوم سے آگاہ کرنے لگے جس سے وہ بالکل جاہل تھے،اور جو کچھ اپنے آباء اور رسول اکرم ﷺ سے سینہ بہ سینہ ملا تھا اس کو لوگوں کے دلوں تک منتقل کرنے لگے،اس کے سبب سطحی اور سادہ لوح افراد یہ سمجھے کہ امام غیب کا علم رکھتے ہیں۔اور غیب کا علم رکھنے والا الوہیت (خدائی)کے درجہ پر فائز ہوتا ہے بعض فتنہ پرور افراد نے سادہ لوح افراد کو آلہ کار بنایا تاکہ لوگوں کے عقائد کی تخریب کے سلسلہ میں اپنی غرض کو پورا کر سکیں جو ان کا اصلی مقصد تھا۔یہ کام خاص طور سے ان لوگوں سے لے رہے تھے جو ابھی ابھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ان کا تعلق سوڈان،زط وغیرہ سے تھا،جو اپنے میراثی عقائد لے کر آئے

تھے، اس طرح سے بعض مادی اور روحانی احتیاج کے پیش نظر غلو کو اپنایا اور صراط حق و مستقیم سے دور ہو گئے اور امام صادقؑ کے بارے میں طرح طرح کے خرافات پھیلانے لگے۔

مالک ابن عطیہ نے امام صادقؑ کے بعض اصحاب سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن امام صادق بہت غیظ وغضب کی کیفیت میں باہر آئے اور آپ نے فرمایا: میں ابھی اپنی ایک حاجت کے لیے باہر نکلا اس وقت مدینہ میں مقیم بعض سوڈانیوں نے مجھ کو دیکھا تو ''لبیك یا جعفر بن محمد لبیك ''کہہ کر پکارا، تو میں الٹے پاؤں اپنے گھر لوٹ آیا اور جو کچھ ان لوگوں نے میرے بارے میں بکا تھا اس کے لیے بہت دہشت زدہ تھا، یہاں تک کہ میں نے مسجد جا کر اپنے رب کا سجدہ کیا اور خاک پر اپنے چہرے کو رگڑا اور اپنے نفس کو ہلکا کر کے پیش کیا، اور جس آواز سے مجھے پکارا گیا تھا اس سے اظہار برایت کیا، اگر حضرت عیسیٰ ؑ اس حد تک بڑھ جاتے جو خدا نے ان کے لیے معین کی تھی آپ ایسے بہرے ہو گئے ہوتے کہ کبھی نہ سنتے ایسے نابینا بن جاتے کہ کبھی کچھ نہ دیکھتے ایسے گونگے بن جاتے کہ کبھی کلام نہ کرتے، اس کے بعد آپ نے فرمایا: خدا ابولخطاب پر لعنت کرے اور اس کو تلوار کا مزہ چکھائے۔[51]

ابو عمرو کشی نے سعد سے روایت کی ہے، مجھ سے احمد بن محمد بن عیسیٰ، انہوں نے حسین ابن سعید بن ابی عمیر سے اور انہوں نے ہشام بن الحکم سے انہوں نے امام صادقؑ سے روایت کی کہ امام نے فرمایا: خدا بنان، سری بزیع پر لعنت کرے، وہ لوگ سر تا پا انسان کی حسین صورت میں در حقیقت شیطان دکھائی دیتے تھے۔ روای کہتا ہے کہ میں نے آپ سے عرض کی کہ وہ اس آیت : وَهُوَالَّذِیْ فِی السَّمَاءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ [52] [یعنی: "وہ، وہ زمین و آسمان کا خدا ہے] کی یوں تاویل کرتا ہے کہ آسمان کا خدا دوسرا ہے اور جو آسمان کا خدا ہے زمین کا خدا نہیں ہے، اور آسمان کا خدا، زمین کے خدا سے عظیم ہے، اور اہل زمین آسمانی خدا کی فضیلت سے آگاہ ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں، امام صادقؑ نے فرمایا : "خدا کی قسم ان دونوں کا خدا صرف ایک اور اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ زمینوں اور آسمانوں کا رب ہے، بنان جھوٹ بول رہا ہے خدا اس پر لعنت کرے اس نے خدا کو چھوٹا کر کے پیش کیا اور اس کی عظمت کو حقیر سمجھا ہے۔"[53]

کشی نے اپنے اسناد کے ساتھ امام صادق ؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے اس قول پروردگار: هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ[54] کیا ہم آپ کو بتائیں کہ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں، وہ ہر جھوٹے اور بد کردار پر نازل ہوتے ہیں، کے بارے میں فرمایا: کہ وہ (جھوٹے و بد کردار) لوگ، سات ہیں: مغیرہ بن سعید، بنان، صائد، حمزہ بن عمار زبیدی، حارث شامی، عبداللہ بن عمرو بن حارث، الوالخطاب۔[55]

کشی نے حمدویہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یعقوب نے، انہوں نے ابن ابی عمیر سے، انہوں نے عبد الصمد بن بشیر سے، انہوں نے مصارف سے روایت کی ہے، جب کوفہ سے کچھ لوگ آئے تو میں نے جا کر امام صادق کو ان لوگوں کے آمد کی خبر دی، آپ فوراً سجدے میں چلے گئے اور زمین سے اپنے اعضاء چپکا کر رونے لگے، اور انگلیوں سے اپنے چہرہ کو ڈھانپ کر فرمارہے تھے، نہیں بلکہ میں اللہ کا بندہ اس کا ذلیل و پست ترین بندہ ہوں اور اس کی تکرار کرتے جارہے تھے جب آپ نے سر اٹھایا تو آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو آنکھوں سے چل کر ریش مبارک سے بہہ رہا تھا، میں اس خبر دینے پر نہایت شرمندہ تھا، میں نے عرض کی: یا ابن رسول اللہ ﷺ ! میری جان آپ پر فدا ہو، آپ کو کیا ہوا، اور وہ کون ہیں؟

آپ نے فرمایا: مصادف! عیسیٰ کے بارے میں نصاریٰ جو کچھ کہہ رہے تھے اگر اس کے سبب وہ خاموشی اختیار کر لیتے تو ان کا حق تھا کہ اپنی سماعت گنوا دیتے، بصارت دے دیتے، ابو الخطاب نے جو کچھ میرے بارے میں کہا اگر اس کے سبب سکوت کر لوں اور اپنی سماعت و بصارت سے چشم پوشی کر لوں تو یہ میرا حق ہے۔[56] شیخ کلینی نے سدیر سے روایت کی ہے کہ، میں نے حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کی کہ ایک گروہ ہے جو اس بات کا عقیدہ رکھتا ہے کہ آپ ہی خدا ہیں، اور اس کے ثبوت میں اس آیت : ''ھو الذی فی السماء الہ وفی الا رض الہ ''[57] کو ہمارے سامنے تلاوت کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا: سدیر! میری سماعت و بصارت، گوشت و پوست اور رواں رواں ان لوگوں سے بیزار ہے اور خدا بھی ان سے بیزار ہے، وہ لوگ میرے اور میرے آباء اجداد کے دین پر نہیں ہیں خدا کی قسم روز محشر خدا ان لوگوں کو ہمارے ساتھ محشور نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ لوگ غضب و عذاب الہیٰ کے شکار ہوں گے۔[58]

روای کہتا ہے کہ میں نے عرض کی: اے فرزند رسول خدا ﷺ ! ایک گروہ ایسا ہے جو اس بات کا معتقد ہے کہ آپ رسولوں میں سے ہیں اور اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں: یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ''اے میرے رسولو! پاکیزہ غذائیں کھاو اور نیک اعمال انجام دو کہ میں تمہارے نیک اعمال سے خوب باخبر ہوں"[59] آپ نے فرمایا: اے سدیر! میری سماعت و بصارت، گوشت و پوست، خون ان لوگوں سے اظہار برایت کرتے ہیں یہ لوگ میرے اور میرے آباء اجداد کے دین پر نہیں خدا کی قسم روز محشر خدا ان لوگوں کو ہمارے ساتھ محشور نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ لوگ عذاب و غضب الہی کے شکار ہوں گے۔ روای کہتا ہے، میں نے عرض کی: فرزند رسول خدا پھر آپ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: علم الہی کے خزانہ دار، احکام الہی کے ترجمان اور معصوم قوم ہیں، اللہ نے ہماری اطاعت کا حکم دیا ہے، اور ہماری نافرمانی سے منع کیا ہے، ہم زمین پر بسنے والے اور آسمان کے رہنے والوں کے لیے حجت کامل ہیں۔[60]

مغیرہ بن سعید غلو کرنے والوں کے گروہ کی ایک فرد تھا جو سحر و جادو کے ذریعہ سطحی اور عام فکر کے حامل لوگوں کو اپنی طرف جذب کرتا تھا پھر ان لوگوں کے لیے آئمہ اہل بیت کے حوالے سے غلو کو آراستہ کر دیتا تھا امام صادق نے اس غالی شخص کی حقیقت اپنے اصحاب کے سامنے واضح کر دی۔ ایک دن اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا: خدا مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے اور اس یہودیہ پر لعنت کرے جس سے وہ مختلف قسم کے جادو، ٹونے اور کرتب سیکھتا تھا، مغیرہ نے ہماری جانب جھوٹ باتوں کی نسبت دی جس کے سبب خدا نے اس سے نعمت ایمان کو لے لیا ایک گروہ نے ہم نے جھوٹا الزام لگایا خدا نے ان کو تلوار کا مزہ چکھایا خدا کی قسم ہم کچھ نہیں صرف اللہ کے بندے ہیں۔اس نے ہم کو خلق کیا اور انتخاب کیا ہم کسی کے ضرر و فائدہ پر قدرت نہیں رکھتے اگر کچھ (قدرت) ہے تو رحمت الٰہی ہے اگر مستحق عذاب ہے تو اپنی غلطیوں کے سبب ہوں گے۔

خدا کی قسم !خدا پر ہماری کوئی حجت نہیں اور نہ ہی خدا کے ساتھ کوئی برائت ہے، ہم مرنے والے ہیں قبروں میں رہنے والے محشور کیے جانے والے، واپس بلائے جانے والے، روکے جانے والے اور سوال کیے جانے والے ہیں، ان کو کیا ہو گیا ہے۔ خدا ان پر لعنت کرے، انہوں نے خدا کو اذیت دی اور رسول اکرمؐ کو قبر میں اذیت دی اور امیر المومنین و فاطمہ زہرا، حسن، حسین بن علی علیہم السلام کو اذیت دی۔ آج کل تمہارے درمیان میں ہوں جو رسول اکرم ﷺ کا گوشت پوست ہوں، لیکن راتوں کو جب کبھی بستر استراحت پر جاتا ہوں تو خوف وہراس کے عالم میں سوتا ہوں، وہ لوگ چین وسکون کے ساتھ خواب خرگوش کے مزے لیتے ہیں اور میں خوف وہراس کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔

میں دہشت و جبل کے درمیان لرزہ براندام ہوں، میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو کچھ میرے بارے میں بنی اسد کے غلام اجرع براد، ابوالخطاب نے کہا: خدا اس پر لعنت کرے، خدا کی قسم اگر وہ لوگ ہمارا امتحان لیتے اور ہم کو اس کا حکم دیتے تو واجب ہے کہ اس کو قبول نہ کریں، آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ لوگ ہم کو خائف وہراساں پا رہے ہیں؟ ہم ان کے خلاف اللہ کی مدد چاہتے ہیں اور ان سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ میں تم سب کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں فرزند رسول ﷺ خدا ہوں اگر ہم نے ان کی اطاعت کی تو اللہ ہم پر رحمت نازل کرے اور اگر ان کی نافرمانی کی تو ہم پر شدید عذاب نازل کرے۔[61]

امام صادقؑ نے غلاۃ کی جانب سے دی گئی ساری نسبتوں کی نفی کی ہے، مثلاً علم غیب خلقت تقسیم رزق وغیرہ ۔ابی بصیر سے روایت ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی، یا بن رسول اللہ ﷺ! وہ لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ بارش کے قطرات، ستاروں کی تعداد، درختوں کے پتوں، سمندر کے وزن، ذرات زمین کا علم رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

سبحان اللہ ! خدا کی قسم خدا کے علاوہ کوئی بھی ان کا علم نہیں رکھتا۔آپ سے کہا گیا کہ فلاں شخص، آپ کے بارے میں کہتا ہے کہ آپ بندوں کے رزق تقسیم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہم سب کا رزق صرف خدا کے ہاتھوں میں ہے مجھ کو اپنے اہل وعیال کے لیے کھانے کی ضرورت پڑی تو میں کشمکش میں مبتلا ہوا، میں نے سوچ بچار کے ذریعہ ان کی روزی فراہم کی اس وقت میں مطمئن ہوا۔

زرارہ سے روایت ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی کہ عبد اللہ بن سبا کے فرزندوں میں سے ایک تفویض کا قائل ہے !آپ نے فرمایا: تفویض کا قائل ہے !آپ نے فرمایا: تفویض سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے محمد ﷺ و علیؑ کو خلق کیا اس کے بعد سارے امور ان کو تفویض (حوالے) کر دیئے لہٰذا اب یہی لوگ رزق تقسیم کرتے ہیں اور موت وحیات کے مالک ہیں۔ آپ نے فرمایا: کہ وہ دشمن خدا جھوٹ بولتا ہے، جب تم اس کے پاس جانا تو اس آیت کی تلاوت کرنا: اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَالْوَاحِدُ الْقَهَّارُ[62] یا ان لوگوں نے اللہ کے لیے ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اس کی طرح کائنات خلق کی ہے اور ان پر خلقت مشتبہ ہو گئی ہے کہہ دیجیے کہ اللہ ہی ہر شی کا خالق ہے وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔ میں واپس گیا اور جو کچھ امام نے کہا تھا وہ پیغام سنا دیا تو گویا وہ پتھر کی طرح ساکت رہ گیا یا بالکل گونگا ہو گیا۔ مفضل روایت کرتے ہیں کہ امام صادق نے ہم سے اصحاب خطاب اور غلاۃ کے حوالے سے فرمایا: "اے مفضل ! ان کے ساتھ نشست وبرخاست نہ کرو۔ ان کے ساتھ کھانا پینا نہ رکھو۔ان سے میل جول نہ رکھو، نہ ان کے وراث بنو اور نہ ان کو اپنا وراث بناو۔"[63]

☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔الصحاح: ج ۴، ص ۲۴۴۸۔۲۴۴۹، تاج العروس، ج ۱۰، ص ۲۶۹۔۲۷۰ مفردات القرآن: ج ۲، ص ۷۶۳

2۔التفسیر الکبیر، ج ۱۲، ص ۶۲، لسان العرب، ج ۷، ص ۳۶۸، فیروز آبادی، قاموس المحیط، ج ۲

3۔طبرسی، مجمع البیان، ج ۲، ص ۲۳۰

4۔ابو الحسن اصفہانی، صراط النجاۃ، ج ۱، ص ۷۷، خمینی، تحریر الوسیلہ، ج ۱، ص ۱۱۸، جعفر سبحانی، کلیات فی علم الرجال، ص ۴۰۹۔

5۔سورۃ النساء، آیت ۱۷۱

6۔طبری، جامع البیان، ج ۶، ص ۲۴۔۲۵ شیخ طوسی، التبیان ج ۳، ص ۳۹۹۔۴۰۳ ابن کیثر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۱، ص ۵۸۹۔۵۹۰، ابو حیان البحر المحیط، ج ۳، ص، ۴۰۲، ۴۰۰

7۔ طبرسی، مجمع البیان، ج ۲، ص ۱۴۴
8۔ ابو الفتوح رازی تفسیر شیخ ابو الفتواح رازی: ج ۴، ص ۷۷۔۷۹، طبرسی، مجمع البیان، ج ۲، ص ۱۴۴
9۔ قرطبیؒ، الجامع، ج ۶، ص ۲۱، طبرسی، مجمع البیان ج ۲، ص ۱۴۴
10۔ ابو حیان، البحر المحیط، ج ۳، ص ۴۰۲، ۴۰۰، تفسیر شیخ ابو الفتوح رازی۔ ج، ۴ ص ۷۷۔۷۹
11۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج، ا، ص ۵۸۹۔۵۹۰
12۔ سورۂ مائدہ ۷۷
13۔ ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم، ج ۲، ص ۸۲، طبری جامع البیان: ج ۶، ص ۲۰۴، قرطبیؒ الجامع: ج ۶، ص ۲۵۳، کاشانی، منہج الصادقین، ج ۳، ص ۲۸۸
14۔ سورۂ توبہ ۳۰
15۔ سورۂ توبہ ۳۰
16۔ سورۂ مائدہ ۷۲
17۔ صحیح البخاری، باب المناقب
18۔ بحار: ج ۲۵، ص ۲۶۲، الدر المنثور: ج ۲، ص ۴۷، ۴۶ مجمع البیان: ج ا، ص ۴۶۶
19۔ بحار ج، ۲۵، ص ۲۶۵
20۔ بحار ج ۲۵، ص ۲۶۸۔۲۶۹، حمیری قرب الاسناد، ص ۳۱، صدوق، خصال، ج، ا ص ۶۳
21۔ بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۳۴۶۔
22۔ اعتقادات۔ ص ۷۱۔
23۔ تصحیح الاعتقاد، ص ۱۰۹۔
24۔ انوار الملکوت: ص ۲۵۲ ۔
25۔ المعتبر، ج، ا، ص ۹۸۔
26۔ مستند الشیعہ، ج، ا، ص ۲۰۴۔
27۔ مستند الشیعہ، ج، ا، ص ۲۰۴۔
28۔ مصباح الفقیہ: ج ۹، ص ۵۶۸۔
29۔ تحریر الوسیلہ ج ا، ص ۱۱۸۔
30۔ رجال کشی، ج، ا، ص ۲۲۳ شمارہ ۱۷۰۰؛ رجال طوسی، ص ۵۱، رجال ابن داود، ص ۲۵۴۔
31۔ بحار، ج ۲۵، ص ۲۶۶۔۲۶۵ ابن شاذان، ایضاح دفائن النواصب، ص ۳۳۔
32 بحار، ج، ۲۵، ص ۲۸۵، مناقب ابن شہر آشوب، ج، ا، ص ۲۶۴۔

33۔امالی شیخ طوسی، ص ۶۵۴، بحار ج ۲۵، ص ۲۶۶، مناقب ابن شہر آشوب، ج، ا، ص ۲۶۳۔
34۔بحار، ج، ۲۵، ص، ۲۷۰، خصال، ج ۲، ص ۶۱۴۔
35اصول کافی، ج، ا، ص ۸۹۔
36۔الکامل: ج ۳، ص ۱۵۴، تہذیب تاریخ ابن عساکر، ج ۷، ص ۴۲۸۔ تاریخ طبری۔ ج ۲، ص ۶۴۸۔
37۔رجال کشی: ج ا، ص ۳۲۳۔ بحار ج ۲۵، ص ۲۸۶، قاموس الرجال ج، ۵، ص ۴۶۱۔
38۔رجال کشی: ج ا، ص ۳۲۵، شرح نہج البلاغہ (حدیدی) ج ۵، ص، ۱۵ الوافی ج ۲، ابواب الحدود، ص ۷۰۔
39۔بحار ج ۲۵، ص ۲۸۵، مستدرک الوسائل: ج ۳، ص ۳۴۳، مناقب شہر آشوب، ج ا، ص ۲۶۵۔
40۔رجال کشی: ج ا، ص ۳۳۶، بحار ج ۲۵، ص ۲۸۳، منہج المقال ص ۳۵۵۔
41۔بحار، ج، ۲۵، ص ۳۱۸۔۳۱۹، رجال کشی ج ۲، ص ۸۱۰۔۸۱۱، قاموس الرجال ج ۸، ص ۴۰۱۔
42۔الانساب ج ۵، ص ۱۶۱، الکنی والالقاب ج ا، ص ۶۴۔
43۔الملل و نحل: ج، ا، ص، ۱۳۷، ۱۳۶، الفریق بین الفرق، ص ۱۵۰۔ منہاج السنۃ، ج، ا، ص ۲۳۹۔
44۔فرق الشیعہ ص ۱۰۵، ۶۹۔ مقالات الاسلامیین ج، ا، ص ۷۷، الفرق المتفرقہ ص ۴۲۔
45۔المقالات والفرق، ص ۸۱۔ ۸۲ فرق الشیعہ، ص ۱۰۳، ۱۰۵۔
46۔مقیاس الھدایۃ ص ۸۹، رجال کشی ج ۲، ص ۵۹۰، بحار ج، ۲۵، ص ۲۷۰، ۲۷۱۔
47۔الانساب ج ۲، ص ۳۸۱، ۳۸۶؛ قاموس الرجال ج ۲، ص ۴۶۔۲۴۷۔
48۔الفرق الاسلامیہ ص ۳۵۔
49۔فرق الشیعہ ص ۸۵، الملل والنحل ج، ا، ص ۱۱۴ قاموس الرجال، ج ۲، ص ۲۴۷۔
50۔الکامل: ج ۵، ص ۲۰۸، المقالات والفرق، ص ۳۳، فرق الشیعہ ص ۵۰۔
51۔الکافی، ج، ۸، ص ۲۲۶۔
52۔سورہ زخرف ۸۴۔
53۔رجال کشی، ج، ۴، ص، ۵۹۲۔
54۔سورہ شعراء آیت ۲۲۳، ۲۲۲۔
55۔اصول کافی، ج، ا، ص ۲۶۹۔
56۔رجال کشی، ج، ۴، ص ۵۸۸۔
57۔سورہ زخرف، آیت ۸۲۔
58۔مقیاس الھدایۃ، ص ۸۹، رجال کشی، ج ۲، ص ۵۹۴ بحار ج ۲۵، ص ۲۹۸۔
59۔سورہ مومنون، آیت ۵۱۔

60۔اصول کافی، ج،ا، ص۲۶۹۔
61۔رجال کشی، ج۲، ص۴۹۲، ۴۹۱، بحار الانوار، ج۲۵، ص۲۸۹۔۲۹۰۔
62۔سورہ رعد، آیت ۱۶۔
63۔رجال کشی، ج۲، ص۵۸۶، بحار، ج۲۵، ص۲۹۶، تنقیح المقال، ج۳، باب مقاتل، ص۲۴۴۔۔

مراجع و مصادر

1) ابن شاذان، محمد بن احمد (نویں صدی) ایضاح دفائن النواصب والمناقب المائۃ النجف مکتبۃ الحیدریہ ۔
2) ابن شہر آشوب، محمد بن علی (م،۵۸۸) المناقب، قم، موسسہ انتشارات علاقہ ۔
3) ابن عساکر، علی بن حسن (م،۵۷۱) تاریخ مدینہ دمشق، دار البشیر ۔
4) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر (ما۔۷۷۴ھ) تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دار لفکر، ۱۹۷۰ء ۔
5) ابن منظور، محمد بن مکرم (م۔۷۱۱ھ) لسان العرب، قم، نشر ادب الحوزہ، ۱۴۰۵ ہجری ۔
6) ۔ابوحیان، محمد بن یوسف (م۔۷۵۴) تفسیر البحر المحیط، ۱۴۰۳ ہجری۔ ۱۹۸۳ء بیروت دار لفکر۔
7) استر آبادی، محمد بن علی (م۱۰۳۸) نہج المقال فی تحقیق احوال الرجال، تعلیق ۔
8) محمد باقر بن محمد اکمل، مطبعہ محمد حسین طہرانی، ۱۳۰۰ ہجری ۔
9) اشعری سعد بن عبداللہ، (م،۳۰۱) المقالات والفرق، تصحیح و تعلیق محمد جواد مشکور مرکز انتشارات علمی وفرہنگی ۳۱۶۱ ہجری تیسری بار اشاعت)۔
10) اصفہانی ابوالحسن (۱۳۲۵) صراط النجاۃ، حاشیہ ابراہیم حسینی اصطہباناتی تصحیح ابوالقاسم شرافت، تہران چاپ خانہ اسلامیہ ۱۳۷۷ ہجری اشاعت دہم۔
11) بخاری، محمد بن اسماعیل (م۔۲۵۶) صحیح البخاری شرح و تحقیق شیخ قاسم اشمای الرفاعی، بیروت، دار القلم لبقہ الاولی ۱۹۸۷ء ۔
12) تستری، محمد تقی، قاموس الرجال، تہران مرکز نشر الکتاب ۱۳۸۲ ہجری ۔
13) جوہری، اسماعیل بن حماد (م ۳۹۳) الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ انتشارات امیری، ۱۳۶۸ش، اشاعت اول۔
14) حمیری عبداللہ بن جعفر (تیسری صدی) قرب الاسناد تہران مکتبۃ نینوی الحدیثہ ۔
15) خمینی، روح اللہ (م۔۱۴۱۰ ہجری) تحریر الوسیلہ، بیروت، دار الانوار، ۱۴۰۳ ہجری ۱۹۸۲ء ۔
16) رازی فخر الدین (م۔۶۰۶) التفسیر الکبیر ۔
17) زبیدی واسطی، محمد مرتضی (م۱۲۰۵) تاج العروس من جواہر القاموس، بیروت، دامکتبہ الحیاۃ، ۱۳۰۶ اشاعت اول۔
18) سبحانی، جعفر کلیات فی علم الرجال، قم مرکز مدیریت حوزہ علمیہ قم ۱۴۰۸ ہجری اشاعت دوم۔
19) سمعانی، عبدالکریم بن محمد (م۔۵۶۲) الانساب، حیدر آباد دکن، مجلس دائرۃ المعارف۔
20) سیوطی، جلال الدین (م،۹۱۱) الدار المنثور فی التفسیر بائماثور قم، مکتبہ اللہ العظمی النجفی ۱۴۰۴ ہجری۔

21) شہرستانی، محمد بن عبدالکریم (م۵۴۸) الملل والنحل، لایپزیک، اتوھاراس و تیز ۱۹۲۳ء۔
22) صدوق، محمد بن علی (م۳۸۱) الخصال، تصحیح و تعلیق علی اکبر غفاری، قم جماعۃ المدرسین فی الحوزہ العلمیہ، ۱۴۰۳ ہجری۔
23) طباطبائی، محمد حسین (م۱۴۰۲) المیزان فی تفسیر القرآن، تہران دار الکتب الاسلامیہ ۱۳۸۹ ہجری دوسری اشاعت۔
24) طبرسی، فضل بن حسن (م۵۴۸) مجمع البیان فی تفسیر القرآن، قم، مکتبہ آیۃ اللہ العظمی المرعشی النجفی ۱۴۰۳ ہجری۔
25) طبری، محمد بن جریر (م۳۱۰) جامع البیان فی تفسیر القرآن، بیروت، دار المعرفہ ۱۳۹۸ھ۔
26) طوسی، محمد بن حسن (م۴۶۰) التبیان، تحقیق و تصحیح احمد حبیب قیصر عاملی، بیروت ۱۹۷۸ء تیسری اشاعت۔
27) فیروزآبادی، محمد بن یعقوب (م۸۱۷) القاموس المحیط، بیروت دار الجلیل۔
28) قرطبی، محمد بن احمد (م۶۷۱) الجامع لاحکام القرآن، دار الکتاب العربی ۱۳۸۷ھ۔۱۹۶۷ء تیسری اشاعت۔
29) قمی، عباس (م۱۳۱۹) الکنی والالقاب، نجف منشورات مطبعہ حیدریہ، ۱۳۸۹ ہجری ۱۹۴۹ء۔
30) کلینی، محمد بن یعقوب (م۳۲۹) الکافی، تصحیح، تعلیق علی اکبر غفاری، دار الکتب الاسلامیہ، تیسری اشاعت۔
31) مبرد محمد بن یزید (م۲۸۵) الکامل تعلیق، محمد ابو الفضل ابراہیم فجالہ مکتبہ نہضۃ مصر و مطبعتھا۔
32) مجلسی محمد باقر (م۔۱۱۱۱) بحار الانوار الجامعۃ لدرر الاخبار آئمۃ الاطہار، بیروت موسسہ الوفا ۱۴۰۳ ہجری ۱۹۸۳ء دوسری اشاعت۔
33) کاشانی فتح اللہ (۹۸۸) منہج الصادقین فی الزام المخالفین متدم و حاشیہ ابو الحسن مرتضوی، تصحیح علی اکبر غفاری انتشارات علمیہ اسلامیہ۔

آمدِ اُمید مستضعفین جہاں، امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف

محمد علی فاضل
محقق مؤلف، مترجم واُستاذ جامعہ الکوثر اسلام آباد

ارضِ خداپر پوری دنیاکے مظلوم و مقہور عوام ظالم آقاوں کے ظلم و ستم کی چکی میں صدیوں سے پس رہے ہیں اور اُن کی روحیں کسی نجات دہندہ کے انتظار میں سسک رہی ہیں۔ہاں وہ خداوندِ عالم کے حکم کے مطابق پردہ غیبت میں ہیں اور جب زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی تو بحکمِ خدا ظہور فرمائیں گے اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔اب وہ وقت دور نہیں جب ہم استکبار کی غلامی کے طوق کو اتار پھینکیں گے اور مصائب و مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے۔آمدِ امام کے بعد دنیا کی کیا کیفیت ہوگی ؟اس بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ذرا غور کریں.........

ا۔زمین کی بہاریں لوٹ آئیں گی

چونکہ امام کی تعریف یوں کی گئی ہے:الامام السحاب الماطر والغیث الماطل والشمس المضیئة والسماء الظلیلة والارض البسیطه والعین والغریزة والغدیر والروضة[1] یعنی: "امام برستا بادل ہے، مسلسل بارش ہے، روشن سورج ہے، سایہ فگن آسمان ہے، وسیع زمین ہے، بہتا چشمہ ہے اور سدا بہار باغ ہے۔" اسی لئے ہم حضرت ولی اللہ الاعظم کی زیارت کے وقت ان کی بارگاہ ملکوتی میں ان الفاظ کے ساتھ سلام عقیدت پیش کرتے ہیں:السلام علی ربیع الانام ونضرة الانام[2] یعنی: اے انسانیت کی بہار اور اے زمانے کی تروتازگی آپ پر میرا سلام ہو۔" اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ جب آپ ظہور فرمائیں گے تو خزاں آلودہ زمین کی بہاریں لوٹ آئیں گی اور زمانے پر سرور و شادمانی کی حکمرانی ہو گئی۔

۲۔امام کاہر قدم مبارک ہوگا

آپ جہاں پر بھی قدم رکھیں گی وہی جگہ اپنی برکتیں ظاہر کرنا شروع کردے گی چنانچہ روایت میں ہے:فلا ینزل منزلا الا ینبت منه عیون فمن کان جائعاً شبع ومن کان ظمآناً رویٰ[3] یعنی: :جس مقام پر نزول اجلال فرمائیں گے وہیں سے چشمے پھوٹنے لگیں گے جو بھوکا ہوگا سیر ہو جائے گا جو پیاسا ہوگا، سیراب ہو جائے گا۔"

۳۔زمین کی پیداوار کئی گنا ہو جائے گی

بعض کتابوں میں ہے:فعند ذالک...... وتفیض العیون وتنبت الارض ضعف اکلها[4] یعنی: "تو اس وقت......ہر طرف چشمے ابلنے لگیں گے، پانی کی فراوانی ہو گی اور زمین کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔"

۴۔ دریا اور نہریں پانی سے بھر جائیں گی

روایت میں ہے کہ: تزید المیاہ فی دولتہ وتمد الانہار[5] یعنی: "آپ کے دورِ حکومت میں پانی کی فراوانی ہوگی دریا اور نہریں پانی سے بھر پور ہوں گی۔" نیز آیا ہے کہ: وتعمر الارض وتصفو وتزھو بمھدیھا وتجری بہ انھارھا یعنی: "مھدی امام زمانہ کی وجہ سے زمین آباد و شاد ہوگی، سرسبز و شاداب ہوگی اور دریا اور نہریں ٹھاٹھیں مار مار کر بہہ رہے ہوں گے۔

۵۔ تھل، بیابان، ریگستان کا نام و نشان نہیں ہوگا

خصال میں ہے: ولوا قدم قام قائمنا لانزلت السماء قطرہا ولا خرجت الارض نباتھا و۔۔۔ حتی تمشی المرأۃ بین العراق الی الشام لا تضع قدمیھا الی علی النبات[6] یعنی: "جب ہمارا قائم ظہور کرے گا تو آسمان اپنی بارشوں کا زمین اپنے سبزے کا نذرانہ پیش کریں گے... اور اس قدر سبزہ اور نباتات ہوگی کہ اگر ایک عورت عراق کی سرزمین سے شام کی سرزمین تک پیدل سفر کرے گی تو اس کا ہر ایک قدم سبزے پر ہی پڑے گا۔" ایک اور روایت میں ہے: یسقیہ اللہ الغیث و نخرج الارض نباتھا وتکثر الماشیۃ [7] یعنی: "اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بادو باران رحمت سے سیراب کرے گا، زمین اپنی نباتات اور اپنے سبزے کی بہاریں پیش کرے گی اور مویشیوں کی کثرت ہوگی۔"

۶۔ دورِ جاہلیت کی یادیں مٹ جائیں گی

حضرت امام عصر عجل اللہ تعالیٰ کے دورِ حکومت میں جہاں مذکورہ برکتیں ظاہر ہوں گی اور دنیا نیا رنگ اختیار کرے گی، وہاں پر جاہلیت کی وہ یادگاریں بھی مٹا دی جائیں گی جو لوگوں کے دین میں دخل اندازی کی وجہ سے اسلام کا حصہ بن چکی ہوں گی، جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: یصنع کما صنع رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ) یھدم ماکان قبلہ کما ہدم رسول اللہ امر الجاھلیۃ ویستأنف الاسلام جدیدا بعد ان یھدم ماکان قبلہ[8] یعنی: "وہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی طرح عمل کریں گے، جس طرح پیغمبر خدا ﷺ سے پہلے جاہلیت کی یادیں موجود تھیں ان کا صفایا کیا تھا اور اسلام کو ان کے جاگزین کیا تھا اسی طرح وہ بھی بدعتوں کا قلع قمع کرکے اسلام کو از سرِ نو اجرا کریں گے۔" اس حوالے سے حضرت امام محمد تقی جواد علیہ السلام فرماتے ہیں: یقوم بامر جدید وسنۃ جدیدۃ وقضاء جدید[9] دراصل، آپ اُسی اسلامِ محمدی ﷺ کہ جس میں بدعتیں ایجاد کرکے اس کا حلیہ بگاڑ دیا گیا تھا کا از سرِ نو اجراء کریں گے جو لوگوں کو نیا معلوم ہوگا، سنت بھی نئی اور فیصلے بھی نئے۔

۷۔ نظامِ عدل قائم ہوگا، کوئی کسی پر ظلم نہیں کرے گا

حضرت امام علی بن موسیٰ رضاؑ فرماتے ہیں: فاذا خرج اشرقت الارض بنور ربها ، ووضع الميزان بالعدل بين الناس فلا يظلم احد احدا۔[10] جب حضرت مہدی ظہور فرمائیں گے تو زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی، وہ لوگوں کے درمیان میزان عدل کو قائم کرے گا، لہٰذا کوئی کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ کتاب بشارۃ الاسلام کے مطابق: يبيد الظلم واهله[11] یعنی: "ظلم اور ظالموں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔" فتستبشر الارض بالعدل" یعنی: پھر عدل وانصاف کے قیام سے دنیا خوشیاں منائے گی۔" بعض روایات کے مطابق: "لا يقرح احد في ولايته بسوط الا في حد[12] یعنی: "امام کے پورے دورانِ حکومت میں کوئی کسی کو کوڑا نہیں مارے گا سوائے حد کے اجراء کے۔"

۸۔ حق برقرار اور باطل کا خاتمہ ہو جائے گا

آپ کے بارے میں ہے: هوا الذی يجمع الكلم ويتم النعمة ويحق الله به الحق ويزهق الباطل وهو مهديكم المنتظر[13] وہی وحدت کلمہ ایجاد کرے گا، نعمتوں کو مکمل کرے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اُسی کے ذریعہ حق کو برقرار کرے گا اور باطل کا خاتمہ کر دے گا اور وہی تمہارا مھدی منتظر ہوگا۔

۹۔ بدعتوں کا خاتمہ کر دے گا

سورہ حج آیہ ۴۱ میں ہے: اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ یعنی: "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام امور کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

حضرت امام محمد باقرؑ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: هٰذه لآلِ محمد الیٰ آخر الامة والمهدی واصحابه يملكهم الله مشارق الارض ومغاربها ويظهر الدين يميت الله عزوجل به وباصحابه البدع والباطل كما امات سفلهه الحق حتیٰ لا يریٰ اثر من الظلم يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر[14] یعنی: "یہ آیت آلِ محمد ﷺ کے آخری امام تک اور امام مھدی اور ان کے اصحاب کے لئے ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ زمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دے گا، دینِ اسلام کو غالب کر دے گا، بدعتوں اور باطل کو ان کے اور ان کے اصحاب کے ہاتھوں نیست و نابود کر دے گا، جس طرح کے حق کے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گا، اس وقت کیفیت یہ ہو جائے گی کہ ظلم اور بدعتوں کا نام و نشان تک نہیں رہے گا، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں گے۔

۱۰۔ سختیوں اور مشکلات کا خاتمہ کر دے گا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: به يفرج الله عن الامة[15] یعنی: "اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے امت کی تمام مشکلات اور سختیوں کو دور کر دے گا۔" مزید بیان ہوا ہے کہ: "به يمحق الله الكذب و يذهب الزمان الكلب ويخرج ذل الرق من اعناقكم یعنی: "خداوندِ عالم اس کے ذریعہ جھوٹ اور جھوٹوں کا خاتمہ کر دے گا، درندگی اور تباہ کاری کا صفایا کر دے گا اور تمہاری گردنوں سے غلامی و ذلت کا جوا اتار پھینکے گا۔"

۱۱۔ زمین کو لوٹ مار اور دہشت گردی سے پاک کر دے گا

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: تعدم الفتن والغارت [16] یعنی: "فتنے اور لوٹ مار کا نام و نشان نہیں رہے گا۔" الملاحم والفتن میں ہے: "وتكون الارض كفتور الفضة[17] یعنی: "زمین خالص چاندی سونے کی مانند کندن بن جائے گی اور تاریکیاں چھٹ جائیں گی۔" ارشاد شیخ مفید کے مطابق: "فحينئذ تظهر الارض كنوزها وتبدى بركاتها [18] یعنی: "تو اس وقت زمین اپنے خزانے اگل دے گی اور اپنی برکتیں ظاہر کر دے گی۔" ینابیع المودۃ کے مطابق: "يكثر الخير والبركات[19]" خیر اور برکات کی فراوانی ہو گی۔

۱۲۔ ہر چیز امام کی خدمت میں ہو گی

علل الشرائع میں ہے: "تجمع اليه اموال الدنيا كلها من بطن الارض وظهرها[20] یعنی: "زمین کے اندرونی اور بیرونی تمام اموال سمٹ کر امام کے اختیار میں آ جائیں گے۔" تظهرله كنوز الارض زمین کے تمام کے تمام خزانے امام کے لئے ظاہر ہو جائیں گے۔ کشف الغمہ میں ہے: "يستخرج الكنوز[21] یعنی: "امام زمین کے تمام خزانوں کو باہر نکالیں گے۔" حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "السموات والارض عند الامام كيده من راحته، يعرف ظاهرها من باطنا، ويعلم برها وفاجرها[22] یعنی: "امام کے نزدیک آسمان اور زمین ایسے ہوتے ہیں جیسے اس کے ہاتھ کی ہتھیلی ہو، اسی لئے امام ان کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی، نیک کو بھی جانتا ہے اور بد کو بھی۔" اختصاص کے مطابق: ان الدنيا لتتمثل للامام (ع) مثل فلقة الجوز فلا يعزب عنه منها شئ وانه لتنا ولها من اطرافها كما يتناول احدكم من فوق مائدته مايشاء[23] یعنی: "امام کے سامنے تمام دنیا اخروٹ کی مانند ظاہر ہو جائے گی اور اس سے دنیا کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی، امام جہاں سے چاہے گا اس میں تصرف کرے گا کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی، جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص دستر خوان کے جس حصے سے چاہے بہرہ مند ہوتا ہے۔" نیز بیان ہوا ہے: "تفى الارض افلا كبدها

امثال الاسطوان من الذھب والفضة"[24]یعنی: "زمین اپنے جگر پاروں کو سونے اور چاندی کے ٹکڑوں کی صورت میں باہر نکال دے گی۔"

۱۳۔ غربت کا نام و نشان تک نہیں ہوگا

آپ کے بابرکت دورِ حکومت میں جہاں مادی مشکلات کو دور کر دیا جائے گا وہاں عقل و شعور اور بے نیازی کی روح بھی پروان چڑھے گی:"فحینئذ تظھر الارض کنوزہا، وتبدی برکاتہا، فلا یجد الرجل منکم یومئذ موضعا لصدقة ولالبره لشمول الغنی جمیع المومنین"[25] یعنی: "اس دور میں زمین اپنے خزانے باہر نکال دے گی اور برکتوں کو ظاہر کر دے گی، اس وقت انسان کو صدقہ وعطیہ لینے والا نہیں ملے گا، کیونکہ اس بابرکت دور میں تمام مومنین بے نیاز ہو چکے ہوں گے۔" حضرت رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں: "یفیض فیہم المال حتیٰ یہم الرجل بما له من یقبله، حتیٰ یتصدق فیقول الذی یعرضه علیه لا اربَ لی به[26]''۔امامِ زمانہ لوگوں کے درمیان مال و دولت اس قدر بانٹیں گے کہ ہر شخص امیر اور تونگر ہو جائے گا، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کسی کو ہدیہ دینا چاہے گا تو وہ کہے گا: ''مجھے اس کی ضرورت نہیں'' آپ ﷺ فرماتے ہیں:"یقسم المال صحاحاً ویملأقلوب امة محمد (ص) غنیً ویسعہم عدله[27]یعنی: "مال اور دولت کو برابر اور صحیح طور پر تقسیم کریں گے اور امتِ محمدیہ ﷺ کے دلوں کو بے نیازی سے معمور کر دیں گے اور ان کی عدالت ہمہ گیر ہوگی۔"

حضرت امام جعفر صادق کی یہ روایت نہایت ہی قابلِ توجہ ہے:"یأمر منادیاً فیقول: ''من کان له فی المال حاجة فلیقم'یعنی: "حضرت منادی کو حکم دیں گے کہ اعلان کر دے کہ جس کو مال و دولت کی ضرورت ہو وہ کھڑا ہو جائے۔"فما یقوم من الناس الا رجل واحد ، فیقول انا... تمام لوگوں میں سے صرف ایک شخص کھڑا ہو جائے گا اور کہے گا کہ ''میں!''فیقول القائم: "ائتِ السادن فقل له: ''ان المھدی یأمرک ان تعطینی مالاً'' امام فرمائیں گے: ''جاؤ خزانچی کے پاس اور اسے جا کر کہو کہ: ''امام مھدیؑ فرماتے ہیں مجھے مال دے دو!''فیقول السادن:''أحثُ!'' و یحثو له فی ثوبة حثواً حتیٰ اذا جعله فی حجرة ابرزه ندم''تو خزانچی کہے گا: ''مال کو اٹھانے کیلئے کپڑا لے آؤ!'' وہ کپڑا لے آئے گا اور مال لینے کے لئے اسے پھیلائے گا اور اسے بھر کر اٹھائے گا، تو پشیمان ہو جائے گا،''وقال: ''کنت اجشع امة محمد نفساً او عجز عنی ما وسعھم، ثم یرد المال الی الخازن'' اور کہے گا کہ ساری امتِ محمدیہ ﷺ سے میں ہی کیوں زیادہ لالچی بنوں؟ میں کیوں اپنی عزتِ نفس پر آنچ آنے دوں؟ لہٰذا وہ مال خزانچی کو واپس کر دے گا'' فلا یقبل منه،

ویقول المهدی(عج)"انا لا نأخذ شیئا اعطیناہ"[28] وہ اس سے واپس نہیں لیا جائے گا اور امام مھدی عجل اللہ فرجہ الشریف فرمائیں گے: ''ہم دی ہوئی چیز واپس نہیں لیتے، لہٰذا لے جاو اپنے پاس۔''

۱۴۔امام مردہ زمین کو حیاتِ معنوی عطا کرے گا

اللہ تعالیٰ سورہ حدید آیت ۱۷ میں ارشاد فرماتا ہے: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا جان لو کہ یقینا اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرے گا۔ اس کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "کفر اهلها فیحییها الله بالقائم"[29] زمین کی موت کا معنیٰ ہے اہلِ زمین کا کفر اختیار کرنا، یعنی جب کفر کی آندھیاں، ظلم کے طوفان زمین کی موت کا سبب بن جائیں گے تو "یحییها الله بالقائم" اللہ تعالیٰ اسے قائم آلِ محمد ﷺ کے ذریعہ زندہ کرے گا۔ امام محمد باقرؑ اس کی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :"یحییها بالقائم (ع) فیعدل فیها فیحی الارض بعد موتها بالظلم"[30] چونکہ زمین ظلم کی وجہ سے مردہ ہو چکی ہو گی اور اللہ تعالیٰ اسے قائم آلِ محمد ﷺ کے ذریعہ زندہ کرے گا۔آپ ہی فرماتے ہیں :"جعلهم حیاةً للانام ومصابیح اللظلام"[31] اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کیلئے مایہ حیات اور گمراہی کی تاریکیوں کے لئے چراغ ہدایت بنایا ہے۔

۱۵۔امام مردہ دلوں، اللہ کے دین اور سنت پیغمبر ﷺ کو زندہ کرے گا

معصومؑ فرماتے ہیں: "احی به مناهج سبیله وفرائضه وحدوده"[32] یعنی: "اللہ تعالیٰ امامِ عصر کے ذریعہ سے ہدایت کی راہوں کو، اپنے فرائض اور حدود کو زندہ کرے گا۔" الزام الناصب میں ہے: "احیٰ بهم دینه واتم به ''اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے اپنے دین کو زندہ کرے گا اور اپنے نور کو پایہ تکمیل تک پہنچائے گا۔ اصول کافی میں ہے: "یمحو ا کل ضلالة ویحی کل سنة[33] ''خداوندِ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے تمام گمراہیوں کا خاتمہ کر دے گا اور تمام سنتوں کو زندہ کر دے گا۔ بشارۃ الاسلام کے مطابق: "یعز الله به الاسلام بعد ذله ویحییه بعد موته[34] ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اسلام کو ذلت کے بعد عزت عطا کرے گا اور مر جانے کے بعد زندہ کرے گا۔

۱۶۔ عقلی استعداد کو جِلا بخشیں گے

سوئی ہوئی عقلوں کو بیدار کریں گے عقلی استعداد کو پروان چڑھائیں گے اور جِلا بخشیں گے، کیونکہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کا کام عقلوں کو بیدار کرنا اور عقلی استعداد کو پروان چڑھانا ہے خاص کر امامِ عصر (عجل اللہ فرجہ) کے دور میں عقلی استعداد کو ان کی آخری حد تک ترقی بخشیں گے جیسا کہ شرح نہج البلاغہ میں ہے: "ویثیروا لهم دفائن العقول[35] ان کے عقل و خرد کے گنجینوں کو نمایاں کریں گے۔ ان کی عقلیں اس قدر پختہ اور کامل ہو جائیں گی کہ بشارۃ الاسلام کے بقول :"فجمع به عقولهم و کملت به احلامهم ثم مد الله فی

ابصارهم واسماعهم[36] یعنی: "ان کے عقول کی پختگی اور ہوش و استعداد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ خداوندِ عالم ان کی قوتِ بینائی اور قوتِ سامعہ میں بھی ترقی عطا فرمائے گا۔" اور اعلام الوریٰ کے مطابق: "اذا هز رأيته اضاء لها مابين المشرق والمغرب ووضع الله يده علىٰ رؤس العباد"[37] جب امام العصر کا پرچم روئے زمین پر لہرائے گا تو مشرق سے لے کر مغرب تک تمام دنیا خدائی نور کے ساتھ روشن ہو جائے گی اور خداوندِ عالم کا دستِ رحمت اپنے بندوں کے سر پر ہوگا۔

۱۷۔ امام کے ظہور سے ہر ذی روح خوشی منائے گا

کتاب المہدی کے مطابق سب مسلمان خوش ہو جائیں گے۔ حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں: المهدى اذا خرج يفرح به جميع المسلمين وخاصتهم و عامهم[38] جب مہدی دوران کا ظہور ہوگا، تو اس وقت تمام مسلمان خوشیاں منائیں گے خواہ وہ خاص ہوں یا عام۔ حضرت امام موسیٰ کاظم فرماتے ہیں: "يفرح بخروجه المومنون واهل السموات ولا يبقىٰ كافر ولا مشرك الا كره خروجه" آپ کے ظہور سے تمام مومنین اور آسمان کی مخلوق خوش ہو گی، مگر کافر و مشرک آپ کے ظہور سے ناخوش ہوں گے۔ یہاں تک کہ قبروں میں سوئے ہوئے مومنین بھی مسرور و شادمان ہوں گے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہی سے منقول ہے آپ نے فرمایا: "لايبقى مومن الا دخلت عليه تلك الفرحة فى قبره وذالك حيث يتزاورون فى قبوريهم ويتباشرون بقيام القائم[39] کوئی مومن ایسا نہیں ہوگا جو خوشیاں نہ منا رہا ہو اور یہ خوشیاں وہ اپنی قبروں میں منائیں گے اور اس وقت وہ قبروں میں ایک دوسرے کے پاس جا کر ان کی ملاقات بھی کریں گے اور قائم آلِ محمد ﷺ کے ظہور کی مبارک باد بھی دیں گے۔

آپ کے ظہور پر تمام آسمانی مخلوق بھی خوشیاں منائیں گے: "ويفرح بخروجه اهل السموات وسكانها" آپ کے ظہور سے اہلِ سماء اور آسمانوں کے ساکن بھی خوش ہوں گے۔ پرندے ہوا میں اور مچھلیاں دریا میں خوشی منائیں گے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "يفرح به اهل السماء واهل الارض والطير فى الهواء والحيتان فى البحر"[40] یعنی: "آپ کے ظہور سے جہاں اہل ارض و سماء خوشی منا رہے ہوں گے وہاں پر پرندے ہوا میں اور مچھلیاں دریا میں نہال نہال ہوں گی۔" ینابیع المودۃ میں ہے: "فعند ذالك تفرح الطيور فى اوكارها، والحيتان فى بحارها وتفيض العيون وتنبت الارض اكلها"[41] یعنی: "اس وقت مچھلیاں دریاوں اور سمندروں میں اور پرندے اپنے گھونسلوں میں خوشی کے ترانے گا رہے ہوں گے،

پانی کے چشموں میں اس قدر مسرت کی لہر دوڑ پڑے گی کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگیں گے اور زمین اس خوشی میں اپنی پیداوار میں کئی گنا اضافہ کردے گی۔"

روایت میں ہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ نے ہمارے بارہویں امام سے مخاطب ہو کر فرمایا: یود الطفل فی المهد لواستطاع الیک نهوضاً ونواشط الوحش لو قجد نحوک مجازاً، یهتز بک اطراف الدنیا بهجة وتهتز بک اعطاف العز نضرة [42] یعنی: "جو بچہ ابھی گہوارے میں ہوگا وہ بھی یہی تمنا کرے گا کہ آپ کی خدمت میں دوڑ کر پہنچ جائے، صحرائی جانوروں کی خواہش ہوگی کہ انہیں اجازت مل جائے اور وہ بہت ہی جلد آپ کے قدموں میں سر رکھ دیں گے اور آپ کے دم قدم سے دنیا کا چپہ چپہ سرسبز و شاداب اور خرم و شاداں ہو جائے گا، دنیا کا چہرہ کھلملا اٹھے گا اور شرفِ عظمت کی بلند چوٹیاں آپ کی وجہ سے سربلند ہوں گی۔" آپ کے وجود و ظہور کی برکت سے نفرتیں مٹ جائیں گی اور محبتیں عام ہو جائیں گی۔ کتاب بشارۃ الاسلام میں ہے: تذهب الشحنآء من قلوب العباد ویذهب الشر ویبقیٰ الخیر [43] یعنی: ''لوگوں کے دلوں سے کینے دور ہو جائیں گے، شر کے وجود کا خاتمہ ہو جائے گا اور خیر ہی خیر باقی رہ جائے گی۔"

۱۸۔ محبتوں کی فراوانی:

خداوندِ عالم قرآنِ مجید کی سورۂ آل عمران آیت ایک سو تین میں ارشاد فرماتا ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ [44] یعنی: "سب مل کر خدا کی رسی کو تھام لو، اور یاد کرو اس بات کو کہ اللہ نے تمہیں ایک (عظیم) نعمت عطا فرمائی ہے کہ کس طرح تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ایجاد کی اور اس کی نعمت کی برکتوں سے تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے کہ خدا نے تمہیں اس سے نجات دی...۔" اولادِ رسول ﷺ بھی خود رسالت مآب ﷺ کی طرح ''ربیع الایتام'' (یتیموں کے لئے بہار) اور ''ربیع الخیر'' (خیر و برکت کی بہار) اور رحمت خداوندی کا مظہر ہیں اور زیارتِ آلِ یاسین کے مطابق ''مہدی فاطمہ تو خود ''رحمت واسعہ'' ہیں۔ لہٰذا جب ظہور فرمائیں گے تو اپنے ساتھ کمال رحمت، الفت اور مہربانی بطور تحفہ لے کر آئیں گے۔

معصوم فرماتے ہیں: بنا یؤلف بین قلوبکم بعد عداوة الفتنة، کما الف بین قلوبهم بعد علاوة الشرک وبنا یصبحون بعد عداوة الفتنة اخواناً کما اصبحوا بعد عداوة الشرک اخوانا فی دینهم [45] یعنی: "خداوندِ عالم ہماری وجہ سے تمہارے درمیان اسی طرح محبت اور الفت ایجاد کردے گا جس طرح رسول خدا (ص)

کے زمانے کے لوگوں میں ان کے شرک کے بعد الفت و محبت ایجاد کردی تھی اور زمانے کے فتنوں کی وجہ سے تمہارے درمیان جو عداوتیں اور کدورتیں پیدا ہو جائیں گی وہ ہماری وجہ سے برادری اور بھائی چارے میں تبدیل ہو جائیں گی جس طرح کہ شرک کی عداوت کے بعد وہ ہماری وجہ سے بھائی بھائی بن گئے تھے۔"

عصرِ ظہور میں محبت بے تکلفی میں تبدیل ہو جائے گی۔ روایت میں ہے کہ: اذا قام القائم جائت المزاملة ویأتی الرجل الی کیشِ اخیه فیأخذ حاجته، لایمنعه[46] یعنی: "امام زمانہ کے ظہور کے وقت محبت اور دوستی بے تکلفی میں بدل جائے گی، جب کسی مومن کو کسی چیز کی ضرورت ہو گی تو وہ اپنے برادر ایمانی کی جیب یا صندوق سے وہ چیز اٹھالے گا اور وہ اسے منع نہیں کرے گا۔" حضرت کے ظہور کی خوشی میں دنیا اشکِ شوق بہائے گی: یدخل المهدی الی الکوفة ..... فیدخل حتیٰ یأتی المنبر ویخطب فلا یدری الناس ما قال من البکاء...[47] یعنی: "مھدیؑ دوراں کوفہ میں تشریف لائیں گے، شہر میں داخل ہونے کے بعد منبر پر تشریف لے جا کر خطبہ دینا شروع کر دیں گے (جس کے سنتے ہی لوگ اس قدر اشکِ شوق بہانا) اور رونا شروع کر دیں گے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے گی۔"

۱۹۔ حضرت امام مھدیؑ مظہر عدالت ہیں

جب حضرت امام مھدی عجل اللہ فرجہ الشریف کا نام نامی اسمِ گرامی لیا جاتا ہے تو فوراً ذہن میں ایک ایسے معصوم حاکم کا نام آتا ہے جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ ایک ایسے مہربان حاکم کا نام آتا ہے تو جو ظلم و جور سے بھری دنیا میں مظلوم انسانوں کی آخری پناہ گاہ کے طور پر انسانیت کو ظلم کے طوفان سے نجات دلائے گا۔ اس حوالے سے چند روایات ملاحظہ ہوں:

1. یاوی الی المهدی امته کما تاوی النحل الی یعسوبها، ویسیطر العدل حتیٰ یکون الناس علیٰ مثل امرہم الاول لا یوقظ نائما ولا یهریق دما[48] یعنی: "امت اسلام امام مہدی کے ساتھ محبت کرے گی اور ان کے سایہ عطوفت میں ایسے سکون محسوس کرے گی جس طرح کہ شہد کی مکھیاں اپنی ملکہ مکھی کی پناہ میں محسوس کرتی ہے، وہ پوری دنیا میں نظامِ عدل قائم کریں گے، صدرِ اسلام کا اُنس باہمی، صدق و صفا اور قلبی محبت کا دور واپس لے آئیں گے، کوئی کسی سوئے ہوئے شخص کو بیدار نہیں کرے گا (کوئی کسی کے آرام میں مخل نہیں ہوگا) اور نہ کوئی کسی کا ناحق خون بہائے گا۔"
2. هو الشمس الطالعة من مغربها، یظهر عند الرکن والمقام، فیظهر الارض ویضع میزان العدل فلا یظلم احد احداً[49] یعنی: "آپ وہ خورشیدِ انور ہیں جو مغرب سے طلوع کریں گے، رکن اور مقام کے نزدیک ظہور فرمائیں گے میزان عدل برقرار کریں گے اور پھر کوئی کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔"

3. آپ قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کریں گے اور خواہشاتِ نفسانی پر ہدایتِ الٰہی کو حاکم بنائیں گے: یعطف الھویٰ علی الھدیٰ اذا عطفوا الھدیٰ ویعطف الرأی علی القرآن اذا عطفوا القرآن وعلی الرأی ویریھم کیف یکون العدل السیرۃ ویحی میت الکتاب والسنۃ[50] یعنی: "جب دوسرے لوگوں نے خواہشات نفسانی کو ہدایت پر ترجیح دی ہوئی ہوگی تو وہ نفسانی خوہشات پر ہدایت کو مقدم کریں گے اور اپنے افکار کو قرآن مجید کی طرف پلٹائیں گے جبکہ دوسروں نے قرآن کو اپنی رائے کے مطابق تفسیر کی ہوئی ہوگی اور لوگوں کو عملی طور پر دکھائیں گے کہ: عدالت کے ساتھ کیسا بہترین سلوک کیا جاسکتا ہے۔ وہ قرآن وسنت کی فراموش شدہ تعلیم کو از سرِ نو زندہ کریں گے۔"

4. آپ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہوگی اور نافرمانی، خدا کی نافرمانی ہوگی: اذا قام مھدینا اہل البیت(ع) قسم بالسویۃ وعدل بالرعیۃ فمن اطاعہ اطاع اللہ ومن عصاہ فقد عصی اللہ[51] یعنی: "جب ہم اہل بیت (ع) کا مہدی (عج) ظہور کرے گا تو مال کو بطور مساوی تقسیم کرے گا، رعیت کے عدالت کا اجرا کرے گا، تو جو اس کی اطاعت کرے گا وہ خدا کی اطاعت کرے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا وہ خدا کی نافرمانی کرے گا۔"

5. آپ تمام اہلِ کتاب کے درمیان ان کی کتابوں سے فیصلے کریں گے: یحکم بین اہل التوراۃ بالتوراۃ، وبین اہل الانجیل بالانجیل وبین اہل الزبور بالزبور وبین اہل القرآن بالقرآن ویجمع الیہ اموال الدنیا من بطن الارض وظہرھا، فیقول للناس: تعالوا ما قطعتم فیہ الارحام، وسفکتم فیہ الدم الحرام ورکبتم فیہ ما حرم اللہ عزوجل، ویعطی شیئا لم یُعطہ احد کان قبلہ، ویملأ الارض قسطا وعدلا ونورا کما ملئت ظلماً وجورا وشرا[52] یعنی: "جب حضرت مھدی (عج) ظہور فرمائیں گے تو، تورات والوں کے درمیان ان کی تورات سے، انجیل والوں کے درمیان انجیل سے، زبور والوں کے درمیان زبور سے اور قرآن والوں کے درمیان قرآن سے فیصلے کریں گے اور زمین کے ظاہری اور باطنی حصوں سے اموال دنیا آپ کے قدموں میں لا کر ڈھیر لگادیئے جائیں گے تو آپ لوگوں سے فرمائیں گے: "آو! اور جتنا تمہارا جی چاہے لے لو!! ہاں یہ وہی مال ہے جس کے لئے تم قطع رحمی کیا کرتے تھے، ناحق خون بہاتے تھے، گناہوں کی حدود میں داخل ہو جایا کرتے تھے، یعنی حرام کے مرتکب ہوا کرے تھے، پھر آپ لوگوں کو اس قدر بڑی مقدار میں عطا فرمائیں گے جس کی مثال تاریخ عالَم میں نہیں ملے گی، زمین کو عدل وانصاف اور نور سے معمور کردیں گے جیسا کہ اس سے پہلے ظلم وجور اور شر سے بھر چکی ہوگی۔"

6. یہ بھی عدالت کا ایک تقاضا ہے کہ آپ مستحبی طواف والوں سے واجب طواف والوں کیلئے جگہ خالی کرائیں گے: اول ما یظهر القائم العدل ان ینادی مناديه: ان یسلم صاحب النافلة لصاحب الفريضة الحجر الاسود والمطاف[53] یعنی: "امام قائم کے عدل کا پہلا کارنامہ یہ ظاہر ہوگا کہ آپ کی طرف سے منادی ندا دے گا کہ: مستحبی طواف کرنے والے واجب طواف کرنے والوں کیلئے مطاف (جائے طواف) اور حجر اسود کو خالی کر دیں گے۔"
7. آپ اپنے کارندوں کو شہروں کو عدالت قائم کرنے اور شہروں کو آباد کرنے کا حکم دیں گے: یفرق المهدی اصحابه فی جمیع البلدان ویأمرهم بالعدل والاحسان ویجعلهم حکاما فی الاقالیم ویأمربهم بعمران المدن[54] یعنی: "حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف اپنے اصحاب کو تمام شہروں میں تقسیم کر دیں گے اور انہیں عدل و احسان اپنانے کا حکم دیں گے اور انہیں ہی دنیا کی حکومتوں کا فرمانروا بنائیں گے اور حکم نامہ صادر فرمائیں گے کہ شہروں کو خوب آباد کر دیں۔"
8. آپ کے دورِ حکومت میں امن و سلامتی اور کلمہ اسلام کا راج ہوگا: اذا قام حکم بالعدل وارتفع فی ایامه الجورُ وأمنت السبل واخرجت الارض برکاتها، ورد کل حق الیٰ اہلہ ولم یبق اهل دین حتیٰ یظهروا الاسلام ویعترفوا بالایمان[55] یعنی: "جب آپ ظہور فرمائیں گے تو عدل و انصاف پر مبنی فیصلے کریں گے آپ کے دورِ حکومت میں ظلم و جور مٹ جائے گا، ایسے پر امن ہو جائیں گے، زمین اپنی برکتیں باہر نکال دے گی اور حق اپنے حق دار کو مل جائے گا کسی بھی دین کا کوئی بھی پیروکار ایسا نہیں ہوگا جو دینِ اسلام کو نہیں اپنائے گا اور اس پر ایمان نہیں لے آئے گا۔"

- ہم ایسے صاحب الامر کے منتظر ہیں جو ایک دن ظہور فرما کر ایسا انقلاب برپا کریں گے کہ ظالموں اور ستمگاروں کے تخت و تاج کو اپنے ایک پاوں کی ٹھوکر سے ایسے نیست و نابود کر دیں گے گویا وہ ان کا وجود ہی نہیں تھا اور ایک ایسی دنیا آباد کریں گے جو ہر قسم کے ظالمانہ و جابرانہ تسلط سے آزاد ہوگی، جس میں حق کا بول بالا ہوگا اور باطل کا منہ کالا ہوگا۔
- ہمیں ایسے صاحب الامر کا انتظار ہے جس سے ہماری زندگی کا کوئی گوشہ مخفی نہیں، اور نہ ہی ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل اس کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔
- ہم ایسے صاحب الامر کے منتظر ہیں جس کے حضور ہمارے اعمال ہر روز ہر ہفتے ہر مہینے اور ہر سال پیش کئے جاتے ہیں۔
- ہم ایسے امام عصر کے سراپا انتظار ہیں جو ہمارے اچھے اعمال پر خوش ہو کر دعا دیتے ہیں۔

- ہم ایسے امامِ منتظَر کے منتظِر ہیں، جو ہمارے برے اعمال پر رد دیتے ہیں اور اس سے انہیں دلی صدمہ ہوتا ہے۔
- ہمارے منتظَر امام وہ ہیں کہ جن کی وجہ سے ہمارے اعمال کو شرفِ قبول حاصل ہوتا ہے۔
- ہم جس امام کے منتظر ہیں، جن کے سامنے دنیا کی تمام سپر طاقتیں سرنگوں ہوں گی۔
- ہمارے وہ امام منتظر ہیں، جو لمحہ بھر کے لئے بھی ہماری یاد سے غافل نہیں۔

ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

امامِ زمانہ کی معرفت حاصل کرکے ان کے ساتھ اپنی محبت کے رشتے استوار کرنے چاہئیں۔ خلوصِ قلب کے ساتھ ایسی محبت جو ولایتِ امام عصر (ع) کا موجب بنے اور ولایت کو اپنا کر ان سے عہدِ وفا استوار کریں اور اس عہد کو عملی جامہ پہنا کر اطاعتِ امام کا فریضہ ادا کریں۔ انشاء اللہ

☆☆☆☆

حوالہ جات

1 ۔کافی جلد اول صفحہ ۱۹۸اور تحف العقول ص۴۳۹

2 ۔ بحار الانوار جلد۹۹ ص۱۰۱ باب ہفتم، مفاتیح الجنان اور مصباح المومنین باب الزیارات ۔

3 ۔ اکمال الدین ج۲ ص۶۷ باب ۵۸، غیبت نعمانی ص۲۳۸ باب ۱۲۔

4 ۔ ینابیع المودۃ جلد ۳ ص۱۳۶۔

5 ۔کتاب منتخب الاثر ص۲۷۴ اور ینابیع المودۃ ج۳ ص۷۸، ص۱۳۲۔

6 ۔ خصال صدوق جلد۲ ص۶۲۶۔

7 ۔ مستدرک الصحیحین جلد۴ ص۵۵۷ کتاب الفتن والملاحم کتاب منتخب الاثر ص۵۹۱۔

8 ۔ غیبت نعمانی باب ۱۳ ص۲۳۰ ۔

9 ۔ ایضا، صفحہ نمبر ۳۳۴

10 ۔کتاب اعلام الوریٰ فصل دوم ص۴۳۴، اکمال الدین جلد۲ ص۳۷۲ باب ۳۵ ۔

11 ۔ بشارۃ الاسلام ص۲۹۷۔

12 ۔ الملاحم والفتن صفحہ ۶۶۔

13 ۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۹۲۔

14 ۔ بحار الانوار جلد۵۱ صفحہ ۴۵، الزام الناصب صفحہ ۶۵، ۲۳۷ ۔

15 ۔ ''غیبت طوسی '' صفحہ نمبر ۱۸۷۔
16 ۔ ینابیع المودۃ جلد ۳ ص ۱۷۸۔
17 ۔ الملاحم والفتن صفحہ ۶۶۔
18 ۔ ارشاد شیخ مفید جلد ۳ صفحہ ۳۸۴۔
19 ۔ ینابیع المودۃ جلد ۳ ص ۸۷۔
20 ۔ علل الشرائع جلد ا ص ۱۶۱ باب ۱۳۹۔
21 ۔ کشف الغمہ جلد ۲ ص ۲۷۰۔
22 ۔ الزام الناصب ص ۱۱۔
23 ۔ اختصاص مفید صفحہ ۲۱۷۔
24 ۔ ینابیع المودۃ جلد ۳ ص ۸۶۔
25 ۔ ارشاد مفید جلد ۲ ص ۳۸۴ ۔
26 ۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۵۳۰ ۔
27 ۔ کشف الغمہ جلد ۳ ص ۲۶۱ ۔
28 ۔ صواعق محرقہ ص ۱۶۴۔
29 ۔ الزام الناصب ص ۲۴۴ ۔
30 ۔ الامام المھدی، ص ۵۷۔
31 ۔ کتاب غید نعمانی ص ۲۳۲ ۔
32 ۔ کتاب غیبتِ نعمانی ص ۲۳۳۔
33 ۔ اصول کافی جلد اول ص ۴۱۲۔
34 ۔ بشارۃ الاسلام ص ۲۹۷۔
35 ۔ شرح نہج البلاغہ جلد اولا ص ۱۱۳۔
36 ۔ بشارۃ الاسلام صفحہ ۲۹۷۔
37 ۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۴۳۵۔
38 ۔ المہدی؛ صفحہ ۲۲۱۔
39 ۔ غیبتِ نعمانی صفحہ ۳۲۳ ۔
40 ۔ المہدی، صفحہ ۲۳۱
41 ۔ ینابیع المودۃ جلد ۳ صفحہ ۱۳۶۔

42 ۔ وفات العسکری ، صفحہ ۴۹۔
43 ۔ بشارۃ الاسلام صفحہ ۲۴۹۔
44 ۔ آل عمران : ۱۰۳۔
45 ۔ البیان فی اخبار الصاحب الزمان'' صفحہ نمبر ۸۶۔
46 ۔ اختصاص شیخ مفید صفحہ ۲۴۔
47 ۔ کتاب کشف الغمہ جلد ۳ ص ۳۶۴ ۔
48 ۔ منتخب الاثر صفحہ ۴۷۸۔
49 ۔ غیبت شیخ طوسی صفحہ ۱۱۴ اور بحار الانوار جلد ۵۱ ص ۷۵۔
50 ۔ الزام الناصب صفحہ ۱۸۰۔
51 ۔ غیبتِ نعمانی ص ۱۲۴ ؛ بحار الانوار جلد ۵۱ ص ۶۹ جلد ۵۲ صفحہ ۳۵۱۔
52 ۔ بحار الانوار جلد ۵۱ ص ۲۹ جلد ۵۲ اور منتخب الاثر ص ۳۱۰۔
53 ۔ بحار الانوار جلد ۵۲ ص ۳۷۴۔
54 ۔ الامام المہدی ، صفحہ ۲۷۱۔
55 ۔ منتخب الاثر ص ۳۰۸ ؛ بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۳۸۔

ضلع اسلام آباد میں علمی ذخائر

سید حسین عارف نقوی اسلام آباد
مولف، محقق اور کتاب شناس

اس مضمون میں ضلع اسلام آباد میں ذاتی لائبریوں میں موجود اردو' فارسی اور عربی کے نسخہ ہائی خطی کی فہرست ہے جو معلومہ حد تک کسی بھی فہرست میں نہیں ان میں مولانا ملک آفتاب حسین جوادی اسلام آباد، سید حسین عارف نقوی اسلام آباد اور سید منتظر عباس نقوی اسلام آباد کے ذاتی کتب خانے شامل ہیں۔ یہ مقالہ تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول: جوادی صاحب کے کتب خانے میں موجود نسخہ ہائی خطی؛ دوم: عارف نقوی کے کتب خانے میں اور سوم: منتظر عباس نقوی کے کتب خانے۔

حصہ اول

(فارسی)

1. تفسیر حسینی: ملا حسین واعظ کاشفی (م ۹۱۰ھ)؛ نصف اول: نستعلیق، صفحات ۷۰۴، ۱۰۳۱ھ، کاتب: عبدالغفور سدیدی؛ آغاز: بسملہ واجد تمہید قواعد محامد الٰہی و تاسیس مبانی ثناخوانی حضرت رسالت پناہ ﷺ۔
2. تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان: عبدالحق محدث دہلوی؛ نستعلیق، صفحات: ۲۱۴، ۱۲۸۹ھ، کاتب: محمد بخش بن میاں فتح محمد۔ فہرست: بیان ایمان، ایمان واسلام یکی است، بیان ایمان فرعون، ابوجہل درغزوہ بدر کشتہ شد، درگناہ صغیرہ نیز مواخذہ وعقاب باشد، اختلاف درنبوت ذوالقرنین، تعداد انبیا لک وبیست وچہار ہزار، احوال خضر ، کرامات الاولیاء، الایمان بین الخوف والرجاء آغاز: بسمله وخطبه اما بعد میگوید فقیراحقراضعف عباد الله القوی الباری عبدالحق بن سیف الدین الترک الدهلوی البخاری که این رساله ایست مسمّٰی بتکمیل الایمان وتقویة ایقان دربیان عقائد الاسلام وقواعد ملت برطریقه سنیّه۔ دراواخر قصیده گفته

شکر لله که این کتاب کرام — که بتکمیل ایمان ہست بنام
درقواعد عقائد اسلام — من تصنیف شخ والانام
عبدالحق است اسلم بین او — شہردهلیست جای مسکن او
من احقر محمد بخش

3. جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب: شیخ عبدالحق محدث دھلوی؛ نستعلیق (ناقص الآخر)، صفحات: ۲۷۲، جمادی الثانی ۱۲۷۸ھ۔ آغاز: بسملہ صد شکر کہ از تشنگی غم رستم۔ چوں قطرہ بدریائی کرم پیوستم خطوط

4. ہفت باب: سلاطین باسلاطین نویسند، دراضداد فرامین؛ نستعلیق، صفحات: ۱۲۰، کلیام تیلی۔ آغاز: بسملہ بعدحمدوثنائی مرحضرت قادر ذوالجلال آنکہ بندہ شکستہ دل خسستہ ودل بستہ فقیر حقیر میچمدان از معقب عباداللہ ہرکن وارولدمہترداس کنبوی ملتانی

5. رسالہ فی مسئلہ ''ردّ الاستوی علیٰ العرش'' المکتوب: عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی (م۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء)؛ نستعلیق، صفحات: ۲۷، ۱۲۹۰ھ۔ آغاز: سوال :چہ می فرمایند علمائی دین ومفتیان شرع متین درقول شخصی کہ گوید کہ اللہ تعالیٰ فوق ومستقر برعرش است از مخلوق خود و علم وقدرتش بھرچیز وھرمکان رسیدہ وعقل از ادراک کیف وکنہ فوقیت استقرارش عاجز ماندہ... جواب: الحکم للہ وھواحکم الحاکمین مذہب جمہور سلف وجمیع محدثین ومحققین متاخرین درآیات واخبار صفات یعنی آنچہ درسوال مرقوم است حمل کردنست برمعنائی ظاھری... اس معاملے میں ترجمہ آیات میں شاہ ولی اللہ دھلوی اور شاہ رفیع الدین سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ملّا علی قاری پر تنقید کی گئی ہے کیونکہ انھوں نے اس مسئلے میں ابن تیمیہ کو طائفہ از اہل بدعت اور جہلائے حنابلہ میں سے قرار دیا ہے۔ ابن تیمیہ کو ناصبی کہا گیا ہے انھوں نے کہا تھا: ان کان نصباًحب صحب محمد ﷺ فلیشھد الثقلان انی ناصب

انجام: وحال آنکہ ائمہ اہل اسلام را بسبب محبت اہلبیت منسوب برفض کردند وبعضی رابسبب تصانیف در فضیلت شیخین وردّ روافض منسوب بہ رفض

6. زاد المعاد: علامہ محمد باقر مجلسی (ادعیہ) نسخ، صفحات: ۵۰۰، کاتب: محمد باقر بن عبدالحسین اصفہانی۔ آغاز: بسمہ وحمد۔ اما بعد بندہ خاطی محمد باقر بن محمد تقی...برالواح ارواح صافیہ...

7. فرائض نصیر: نصیر مشتمل بر ۳۸ شعر در بارہ میراث۔ پانچواں شعر:

بعد ازاں احوال اصحاب فرائض را بگیر من نکردم نظم ایں را کرد مخدوم نصیر

آغاز:

شش بود فرض مقدر درکتاب حق عزیز نصف وربع وثمن باشد ثلث وثلثان سدس نیز

انجام:

نظم کرد احوال اصحاب فرائض را نصیر بھر حفظ احکام...دعویٰ بفضل ذوالکمال

ترقیمہ

(عربی)

8. الاستدراج: قیل صنفہ ،الامام ابوحنیفہ۔ نسخ، صفحات: ۱۵، سدہ ۱۲ ہجری۔ آغاز: بسملہ الحمدللہ الذی اصطفیٰ اولیاء ہ: اعلم انّ اللہ تعالیٰ ربمّا یزیّنُ اعداہ بلباس اولیاء ہ واصفیایہ حتّی انھم یعزون انجام: روی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ' قال الا ان اولی اللہ فی الارض ھی القلوب فاحبّ اولی اللہ

تزئین العبارۃ لتحسین الاشارہ: علی بن سلطان محمد القاری

نستعلیق، صفحات: ۱۷، سدہ ۱۲۔ آغاز: بسملہ وحمد امابعد فیقول الملتجی الیٰ کرم ربہ الباری علی بن سلطان محمد القاری رحمھما اللہ انّ ھذاہ رسالۃ مشتملہ۔ علیٰ تحقیق مسئلہ وھی اشارۃ بالمسجہ فی قراءہ التشھد حالۃ القعدہ گ وسمیتھا بتزئین العبارہ لتحسین الاشارہ

9. سلّمُ العلوم: محب اللہ بہاری (م۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء)۔ نسخ، صفحات: ۳۹، یوم جمعہ رابع جمادی الاول فی سنۃ الف ومائتین وتسع وتسعین۔ آغاز: بسملہ سبحانہ مااعظم شانہ' لایحد ولایتصوّر

10. رفع السبابہ۔ نسخ، صفحات: ۹، ۱۲۸۰ھ۔ آغاز: بسملہ۔ اللھمّ ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا۔

11. شرح وقایہ (نصف اول) : عبیداللہ بن مسعود (م ۷۵۰ھ)۔ نسخ، صفحات: ۳۰۰، چہار شنبہ ۲۱ ذی الحجۃ ۱۲۸۹ھ، کاتب: عالم خان ولد اورنگزین قوم قریش موضع قریہ پورول

12. شرح وقایہ (نصف آخر) : عبیداللہ بن مسعود۔ نسخ، صفحات: ۳۰۰، ۱۲۸۹ھ، وہی کاتب الٰہی ہرآنکس کہ ایں خط نوشت۔ عفوکن گناہش عطاکن بہشت

13. معرفت الدین: شیخ علی متقی

اخلاق۔ نستعلیق، صفحات: ۱۲۸۹، ۱۸ھ، کاتب: محمد بخش۔ آغاز: بسملہ وخطبہ امابعد ہمین گوید احقرعباد علی بن حسام الدین المشتہر بالمتقی این چند کلمہ ایست درحقیقت دنیا ومعنیٰ آن واقسام طالبان وعلاج حبّ دنیا ونام این رسالہ معرفتہ الدین نہادہ شدہ واین معرفت بر غنی وفقیر لازم است زیرا کہ...

14. مفاتیح الغیب: علامہ محمد باقر مجلسی (م۱۱۱۰ھ) یک فاتحہ وہشت مفتاح ویک خاتمہ فاتحہ درفضیلت استخارہ۔ مفتاح ھا: استخارہ مطلقہ، استخارہ بہ قرآن مجید، استخارہ بہ تسبیح، استخارہ بہ رقاع۔ نستعلیق، صفحات: ۸۳،

۱۱۳۰ھ۔ آغاز: بسملہ وحمد...اما بعد مستمد فیوض قدسی محمد باقر مجلسی عفی اللہ عن سیاتہ وحشر مع موالیہ وساداتہ بر الواح وارواح برادران ایمانی...

15. یوسف وزلیخا: مولانا عبدالرحمٰن جامی۔ نستعلیق، صفحات: ۱۴۰ (ناقص الآخر) ،موریانہ۔ آغاز: الٰہی غنچہ امید بکشائی۔ گلی از روضہ جاوید بنمائی

حصہ دوم

(اردو)

16. برق لامع: مرزا جعفر علی فصیح۔ ردّ شیعیت میں ایک کتاب بنام'' سیف قاطع'' منظوم (لکھی زیر نظر مخطوطہ (منظوم) اسی کے جواب پر مشتمل ہے انجمن ترقی اردو کراچی کی شائع کردہ کتاب '' قاموس الکتب (اردو)'' جلد اول صفحہ ۸۵۳ پر ''سیف قاطع'' کو فصیح کی تصنیف بنایا گیا ہے جو نادرست ہے زیر تبصرہ کتاب ۱۳۳۰ھ میں لکھی گئی جیسا کہ خود فصیح نے کہا:

ہوا اس نظم سے ہاتف جو آگاہ صدا آنے لگی گردوں سے ناگاہ

کہ ہے تاریخ تو خورشید طالع (۱۳۳۰) مگر ہے نام اس کا برق لامع

جن کتب کا حوالہ دیا گیا ہے ان کی عبارات حاشیہ پر درج ہیں۔

''سیف قاطع'' کے تمام اشعار نقل کر کے منظوم جواب ''جواب شیعیان نیک خو ہے'' کے عنوان کے تحت دیا گیا ہے شروع میں ''سبب اس نظم کو ہوتا ہے مرقوم'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

بیان کرتا ہوں اک تازہ حکایت ہے ایک ملعون اخرج کی شکایت

لکھیں ہیں اس نے ناموزوں کچھ ابیات غلط باندھیں حدیثیں اور روایات

بنام شیعیاں آل طاہا ہزاروں گالیاں کیں اس نے انشا

نستعلیق، صفحات: ۷۶، سدہ ۱۴ صدی ہجری

آغاز:

پس از حمد خدائی حی وقیوم پس از نعت رسول پاک ومعصوم

زبان خامہ ہوتی ہے گہر بار رقم کرتا ہوں مدح آل اطہار

کتاب میں تاریخ تصنیف ۱۳۳۰ھ ہے جو کاتب کی غلطی ہے کیونکہ ''خورشید طالع'' سے ۱۲۲۰ھ برآمد ہوتا ہے یہ کتاب چھپ چکی ہے جس میں ۱۲۲۰ھ ہی درج ہے۔

17. ضیاء الھدیٰ: مولوی عظمت اللہ۔ فقہ حنفی (منظوم)۔ نستعلیق، ۱۱۰ صفحات، بعضی جاہا موریانہ تمام سرخیاں، سرخ روشنائی سے لکھی گئیں ہیں۔ جن کتابوں کی روشنی میں یہ کتاب لکھی گئی ان کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے:

کتاب الشھادت میں جو کچھ لکھا وہ تکمیل ایمان سے ہے پر ضیاء
و قایہ کا بعد اس کے ہے ترجما صلو] کذا [مسائل میں اوسکے سوا
میری پاس تھا ایک زاد الفقیہ زابن ھمام افقہ بی نظیر
بہت مسئلے نادر اوسکے لئے اوسی جا پہ اسکا حوالہ دیا (ص ۳۔ ۲)

آغاز: ثناء اس خدا کی ہے پہلا سخن۔ زباں پر کیا جس نے پیدا سخن
انجام: کروں شکر کیا حق کے احسان کا کہ انجام اس نظم کو کر دیا
الٰہی بحق بزرگان دین عطا کر میرے دل کو نور یقین

ترقیمہ: تحت الکتاب نسخہ ضیاء الھدیٰ درماہ جمادی الاول بتاریخ بیست ودوم ۱۲۵۵ھ تحریر یافت بخط ناقص احقر العباد عاجز خاکسار کریم بخش

18. بیاض طب (فارسی): مولانا سید دلدار حسین نقوی۔ تین حصے: نسخہ جات۔ نستعلیق، صفحات (۸۰+۸۰+۱۰۰)، مصنف

19. تفسیر آیات قرآنی: مولانا سید دلدار حسین نقوی۔ بعض آیات قرآنی جن کو مخالفین ردّ شیعہ میں پیش کرتے ہیں ان کی تفسیر بحوالہ اہلبیت اطہار علیہم السلام۔ نستعلیق، صفحات: ۱۲۰، مصنف

20. مجالس: مولانا سید دالدار حسین نقوی۔ مجموعہ سات مجالس۔ نستعلیق، صفحات: ۱۴۰، مصنف

21. مجموعہ مناجات ونعت۔ اردو، فارسی، پنجابی اور عربی میں کہی گئی نعتیں

نمونہ: نہیں ہر گز دو عالم میں تیرے بن یا رسول اللہ کرم سے اپنے پورا مرا ہر کار
زہے نصیب مدینہ مقام ہو جائے در رسول پہ قصہ تمام ہو جائے
حال دل اس کملی والے نو سناواں کس طرح اپنے پیارے دل ربانوں میں مناواں کس طرح
از درد بیقرارم فریاد رس الٰہی کس نیست جز تو یارم فریاد رس الٰہی
لبیک لبیک انت مولاہ فارحم عبیداً الیک ملجاہ (حضرت علی)
خذ بلطفک یا الٰہی من لہ زاد قلیل مفلس بالصدق عند بابک یا جلیل (حضرت ابو بکر)

22. شمع ہدایت: مولانا سید دلدار حسین نقوی۔ ردّ قادیانیت، یہ رسالہ ۱۹۶۵ء کو راولپنڈی سے شائع ہوا تھا۔ نستعلیق، صفحات: ۳۲، مصنف

23. بشارۃ المسیح: مولانا سید دلدار حسین نقوی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت۔ عقل و نقل کے نقطہ نظر سے بنیادی طور پر اس مسئلے میں سر سید احمد خان، اہل قرآن اور جماعت احمدیہ لاہور کے خیالات کا ردّ۔ نستعلیق، صفحات: ۱۴۰، مصنف، اصغر آباد ضلع علی گڑھ میں تحریر کیا گیا۔
24. ردّ سر سید احمد خان۔ سر سید احمد خان اور اس زمانے کے بعض دیگر ''نیچری'' خیالات کے اہل قلم کا ردّ در بارہ، ولادت مسیح، معجزہ، خرق عادات، دعا وملائکہ وغیر ھم ۔ نستعلیق، صفحات: ۳۰۰، مصنف
25. رسالہ متبرکہ: سلطان الحسن بن شیخ فیاض الحسن چشتی۔ اوراد و وظائف (اردو و فارسی) آغاز: ایں رساله متبرکه از معمولات ومجربات جناب فیضماب حضرت قبله پیر دستگیر حضرت شیخ فیاض الحسن چشتی صابری مارهروی رحمة الله علیه سکنه تحصیل کیرانه ضلع مظفرنگر...باید دانست که اول نماز فجر بطریق باید نستعلیق، صفحات: ۴۰، ماہ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ سمبر ۱۹۵۰ئ
26. شمع بشارت یعنی تفسیر آیۃ بشارت: مولانا سید دلدار حسین نقوی (م ۱۹۶۴)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت کے دلائل اس سلسلے میں سر سید احمد خان، مدیر ماہنامہ نگار کے دلائل کہ جناب کے والد کا نام یوسف تھا کا ردّ پانچ باب: قرآن مجید اور ولادت مسیح، مفسرین قرآن اور عیسیٰ بن مریم، ولادت مسیح۔ عہد جدید اور عہد قدیم کی روشنی میں، ولادت مسیح، عقل و فلسفہ کی روشنی میں، تفسیر القرآن (تفسیر سر سید) کے دلائل پر ایک نظر۔ نستعلیق، صفحات: ۱۴۰، مصنف، ۱۹۳۰۔
27. ولادت المسیح بالقول الصحیح: مولانا سید دلدار حسین نقوی۔ ولادت مسیح۔ تفسیر اہلبیت کی روشنی میں۔ نستعلیق، صفحات: ۳۰۰، مصنف، ۱۹۳۰
28. حیات مسیح: مولانا سید دلدار حسین نقوی۔ وفات مسیح کا ردّ۔ نستعلیق، صفحات: ۶۰، مصنف
29. مناقب مرتضوی: میر محمد صالح کشفی بن میر عبداللہ (م ۱۰۴۰ھ ۱۴۵۰ء) مسلکاً سنی تھے صوفی بزرگ تھے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں فضائل اہلبیت بیان کرنے کی وجہ سے رافضی کہا گیا ہے چنانچہ زیر نظر نسخے میں انھوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے۔

منم سنّی وپیر وشرع رسولﷺ زعشق مرتضیٰ نادان به رفضم متہم دارد

کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے: ۱۔ نصوص قرآنی در شان امیر المؤمنین، ۲۔ احادیث نبوی، ۳۔ مناقب وفضائل مرتضوی، ۴۔ عقد نکاح حضرت با فاطمہ، ۵۔ علم کشف امیر المؤمنین، ۶۔ خوارق و کرامات حضرت، ۷۔ زہد وورع ایشاں، ۸۔ سخاوت حضرت، ۹۔ شجاعت، ۱۰۔ فراست وکیاست ایشاں، ۱۱۔ متمکن

شدن بر سریر خلافت صوری و معنوی، ۱۲۔ انتقال از عالم فنا بہ عالم بقا۔ زیر نظر نسخہ مندرجہ ذیل اہل علم کے زیر مطالعہ رہا:

۱۔ سید میر حسین علی قبلہ مشہدی　　۲۔ میر زوار حسین (م ۱۸۵۷ء)
۳۔ سید عنایت حسین (م ۱۸۸۰ء)　　۴۔ سید وجاہت حسین (م ۱۹۵۲ء)
۵۔ سید فصاحت حسین (م ۱۹۶۴ء)

ترقیمہ: بتاریخ شہر ۹ جمادی الثانیه یک ہزار ودوصد وسی ویک ہجری بخط عاصی زور آور خان که درمنظومه خود دل تخلص میآرد۔ نستعلیق، صفحات: ۲۱۳، ۹ جمادی الثانیہ ۱۲۳۱ھ۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا سید شریف حسین بھریلوی نے بنام کوکب دری فی فضائل علی کیا جو مولانا سید محمد سبطین (م ۱۹۴۷ء) کے مقدمے کے ساتھ کئی مرتبہ لاہور سے شائع ہوا۔ آغاز: خداوندا عطا کن نشۂ ذوق۔ کہ آغازم بنامت نامۂ شوق

30. اعمار انبیاء:

حضرت کعب الاحبار کی ایک روایت جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی عمروں کے متعلق بتایا گیا ہے کا فارسی ترجمہ۔ نستعلیق، صفحات: ۵۶، ۱۳ رمضان المبارک، کاتب: محمد صبور ولد عبدالعزیز موضع کستوال پرگنہ جدون دہتموریاں

31. حکمت معتبرہ: طب یونانی۔ نسخہ۔ شروع کے دو صفحات نہیں ہیں۔ نستعلیق، صفحات: ۱۱۲، تاریخ کتابت: ۱۸۹۳م، کاتب: میاں ہاشم موضع سید کسراں آخیر میں کسی نے یہ شعر بھی لکھا ہے:

راز دان علم لدنی والی و وارث دین دا　　یا علی لجپال پردہ رکھو مسکین دا

32. قصیدہ شاہ رکن الدین: نستعلیق، ۱۲ صفحات، سدہ ۱۲ ہجری۔ آغاز:

چشم بکشا کہ جلوہ دیدار۔ منجلیست از در و دیوار　　نحن اقربُ اللہ آمدہ است۔ دور افتادہ تو از ین پندار

انجام:

....ہر آنچہ در دل تو　　سر زند از نتائج اسرار

مثنوی عطّار مطبوعہ نولکشور کانپور میں یہ اشعار موجود ہیں۔

33. کتاب الصید وخواص الحیوانات: جانوروں کے حلت و حرمت کے بارے میں ائمہ اربعہ کی آراء اور بعض مقامات پر امامیہ کی رائے بھی دی گئی ہے۔

فصل دوم: در احکام صید و کشتہ حیوانات و طیور

سوم: در بیان مسائل صید کردن به تیر و شمشیر و نیزه
چہارم: در بیان صید کردن ماہی وحلت آن بمذہب اہلسنت
پنجم: در بیان طریق ذبح و کشتن وغیر ہم

آغاز: بسمله وخطبه اما بعد این رساله ایست برائے ارباب صید وانداختن شکار و دانستن حلال وحرام انجام: موش دشتی وموش دونده...حرام پیش ابو حنیفه وحلال است نزد شافعی ومالک و حنبل ترقیمه: فقیر الحقیر واجب التقصیر عزیز الله محمد نور چشمی جمال الدین بتاریخ بیستم شہر ذی قعد سنه یکہزار ویک صدوپنجاه وسه۔ نستعلیق، صفحات: ۱۶۲، ۲۰ ذی قعدہ ۱۱۵۳ھ

34. مسافر نامہ: سید جلال الدین حسین بخاری جہانیاں جہانگشت۔ ناقص الآخر۔ نستعلیق، صفحات: ۱۱، سدہ ۱۲ ہجری

35. محبوب السالکین: خواجہ کل بن خواجہ عیسیٰ ۔ متن کتاب میں اشعار بھی آئے ہیں اور حکایات بھی مثلاً بیسر نامہ عطار کا یہ شعر:

من خدایم من خدایم من خدا فارغم از کبر وکینه وز ہوا

کتاب چار فصول پر مشتمل ہے:

فصل اول: در مقام ناسوت وعلم آن شریعت وعمل آن امر و نہی
دوم: در بیان عالم ملکوت وعلم آن طریقت وعمل آں ذکر اللہ
سوم: در بیان مقام جبروت وعلم آن معرفت وعمل آن فنافی الرسول
چہارم: در بیان مقام لاہوت وعلم آن حقیقت وعمل آن فنافی اللہ

آغاز: حمد بیحد وثنای بیعد مر خالقی راکه جمله صفات ذات خود رادر مخلوقات ظہور نمود
نستعلیق، صفحات: ۳۵، سدہ ۱۲ ہجری

36. معشوق العاشقین: آغاز: حمد بیحد ودرود نامحدود برآن ظہور که شہود ذات وصفات ومقصود صفاتست
انجام: گاہ تشنگان زلال محبت رااز چشمہ حیات بآب وصال می نوازد
نستعلیق، صفحات: ۱۹، سدہ ۱۲ ہجری

37. مرغوب القلوب: شمس الدین تبریزی۔ یہ کتاب دس'' فصل'' پر مشتمل ہے: در بیان توبہ، در صفات وجود، در بیان وضو، در بیان ترک دنیا، در بیان تجرید وتفرید، در بیان معرفت، در بیان عشق ومحبت،

دربیان عاشق و معشوق، دربیان فنا وبقا، دربیان سفر واقامت زیر نظر رسالے میں صرف ان اشعار کو اکٹھا کیا گیا ہے جو ان دس فصلوں میں آئے ہیں۔

آغاز: ایں رسالہ کہ مرغوب القلوب از گفتار حضرت قطب المحققین سراج العارفین شاہ راہ طریقت سلطان میدان حقیقت خواجہ شمس الدین تبریزی...

بگویم حمد ربّ العالمین را　　عطا کو کرد برما عقل ودین را

انجام: تمامی مختصر منظوم شد خوب۔ کہ ایں مر سالکان راگشت مرغوب

درآن مدت کہ بر کاغذ قلم بود　　زہجرت شش صد و پنجاہ و شش بود

اگر درویش ایں دائم بخواند۔　　ہمہ کار او اعلیٰ بماند

نستعلیق، سدہ ۱۲ ہجری، صفحات: ۱۱

مناسب ہے کہ اس بات کا ذکر کردیا جائے کہ مرغوب القلوب شمس تبریزی مطبوعہ نولکشور کانپور میں آخری دو اشعار اس طرح درج ہیں:

اگر درویش ایں دائم بخواند　　ہمیشہ کار وی اعلیٰ بماند

شود اسرار را مکشوف بیشک　　نماید کار ہر را بہر یک

مطبوع رسالے کے مطابق تبریزی نے خود تاریخ لکھی:

زہجرت ہفت صد و پنجاہ و ہفت است　　حساب حاسبان تاریخ وقت است

(عربی)

38. اربعین حدیثاً: نسخ، صفحات: ۱۱، سدہ ۱۲ ہجری۔ آغاز: بسملہ وخطبہ قال علیہ السلام من قَرِیَ اَو لحفِظ اربعین حدیثاً من اُمتی سماہُ اللہ تعالیٰ فی السماء ولیاً وفی الارض فقیہاً ویحشرہُ اللہ تعالیٰ مع الصالحین الذین لاخوف علیہم ولاھم یحزنون۔

انجام: قال علیہ السلام من اکل لقمۃً من الحشیش فیدخل فی قبرہ مثل صورۃ الخنزیر ولا یخرج الّا عریانا ولا یدخل الجنۃ یوم القیامۃ بل یدخل فی النار مع المنافقین والمشرکین۔

تمام احادیث میں قال علیہ السلام سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔

39. کنز الاخبار۔ نسخ، صفحات: ۱۳، ربیع الاول ۱۰۶۹ھ، مالک: محمد علی ۔آغاز: عن جعفر بن محمد عن ابیه وجدّه انهُ قال رسول اللهﷺ الصلوٰة مرضات الرب وحبّ الملائكه وسنة الانبياء و نورالمعرفت واصل الايمان واجابة الدعاء وقبول الاعمال وبركة فى الرزق وراحة فى البدن

وسلاح على الاعداء وكراهية للشيطان وتكون شفيعاً بين صاحبها وبين الرب...وافضل الاعمال اداؤها لوقتها

انجام: قال عليه السلام طالب العلم والغازى والشهيد والحراق يوم القيامة الاّ اجرالحرقان

- نسخہ ثانیہ کنزالاخبار: نسخ، صفحات: ۱۸، سدہ ۱۱ ہجری روز پنج شنبہ کاتب: محمد اعزاز الدین

40. المنّبهات: الحجری، زین القضاۃ احمد بن محمد۔ نسخ، صفحات: ۴۴، سدہ ۱۱ ہجری مالک: محمد علی۔ آغاز: هٰذه منبهات على الاستعداد ليوم الميعاد صنفها صفيح معتقد للنصح والوداد رحمة الله فان منها مايكون مثنیٰ وثلاث الیٰ تمام لعشر

41. دقائق الاخبار: ابو حامد محمد بن محمد غزالی۔ نسخ، صفحات: ۱۱۲، سدہ ۱۱ ہجری۔ ڈاکٹر احمد خان صاحب نے اپنی کتاب '' معجم المطبوعات العربیہ '' طبع ریاض ۱۴۲۱ھ ۲۰۰۰م صفحہ ۲۸۱ پر اس کتاب کا مصنف عبدالرحیم بن احمد قاضی کو بتایا ہے اور ذکر کیا ہے کہ غزالی کی طرف اس کتاب کی نسبت اشتباہاً ہے۔ آغاز: بسملہ وخطبہ باب فی تخلیق نور محمد صلی الله علیه وآله وسلم قدجاء فی الخبرانّ الله تعالیٰ خلق شجرة ولها اربعة اغصان فسماها شجرة اليقين۔ یہ کتاب ترجمہ فارسی مع متن ۱۳۱۰ھ ۱۸۹۱م میں مطبع پنجاب لاہور میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بنام '' صبح کا ستارہ '' عباس بن ناصر علی نے کیا جسے ۱۳۱۴ھ ۱۸۹۷م میں مطبع عزیز الاسلام دھلی نے شائع کیا۔

42. قصیدہ بانت سعاد: حضرت کعب بن زھیر۔ بعض مقامات پر ترجمہ بھی درج ہے اس شعر کا:

ولا تمسک وبالوعد الذی زعمت الاّ کما تمسک الماء الغرابیل

فارسی میں یوں مطلب ادا کیا ہے:

قرار در کف آزادگان نگردد مال نه صبر دردل عاشق نه آب در غربال

نسخ، صفحات: ۱۵، سدہ ۱۴ صدی ہجری۔

آغاز: بانت سعاد فقلبی الیوم متبول متیم اثرها یفد مکبول

حصہ سوم

(فارسی)

43. حلیۃ المتقین: علامہ محمد باقر مجلسی۔ تاریخ تصنیف: ۱۰۴۸ھ۔ نستعلیق، صفحات: ۳۴۲، تاریخ کتابت: ۵ رجب ۱۰۷۹ھ۔ کاتب: محمد زمان ابن علی بن زمان بن میرک جان علی حسب الامر محمد صالح بک۔ آغاز: بسملہ وخطبہ امابعد چنین گوید تراب اقدام مومنین وخادم طلبہ علوم ائمہ طاہرین محمد باقر بن محمد تقی
44. منڈوا۔ سلطان پور کے نقوی سادات کا شجرہ۔ نستعلیق، صفحات: ۵۰، ۱۲۸۲ھ۔ آغاز: بسملہ۔ شجرہ انساب... وآن مشتمل است بر یک مقدمہ وچار شجرہ مملو از فروع و اوراق و اثمار ومقدمہ در بیان سنین و اسمائے بزرگان مہین از حضرت ابو البشر تا حیات جد امجد سید محمد مرحوم...
45. دیوان حافظ: شمس الدین محمد حافظ شیرازی۔ نستعلیق، صفحات: ۴۰۰، رمضان المبارک ۱۲۴۳ھ، کالیخان برائے علی مراد خان۔ آغاز:

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا کہ عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلہا

☆☆☆☆

شیعہ محدثین اور اُن کی کتب حدیث (۲)
(شیخ صدوق بحیثیت محدث)

سید رمیز الحسن موسوی

شیعہ کتب حدیث میں اہم ترین کتاب ''من لایحضرہ الفقیہ '' ہے کہ جس کے مولف چوتھی صدی ہجری کے ایک ممتاز شیعہ عالم دین شیخ صدوق علیہ الرحمہ ہیں۔اس کتاب کو حدیث اور فقہ کے اہم ترین منابع میں شمار کیا جاتا ہے۔کتاب کے تعارف سے پہلے مولف کتاب کا علمی تعارف ضروری ہے لہٰذا شیعہ کتب رجال وتاریخ کی مدد سے شیخ صدوق کے مختصر حالات زندگی یہاں ذکر کیئے جاتے ہیں۔

حالات زندگی

محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی المعروف ''شیخ صدوق ''۳۰۵ھ میں قم کے ایک علمی ومذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔بعض روایات کے مطابق شیخ صدوق کی تاریخ پیدائش ۳۰۶ھ اور ۳۰۷ھ ذکر ہوئی ہے۔ شیخ طوسی اُن کی ولادت کے بارے میں لکھتے ہیں: علی بن بابویہ نے اپنی چچازاد سے شادی کی لیکن اس سے اُن کی کوئی اولاد نہیں ہوئی ،اُنہوں نے ایک خط کے ذریعے امام زمانہ (عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف)کے نواب خاص شیخ ابو القاسم، حسین بن روح کوایک خط لکھا اور اُن سے درخواست کی کہ وہ حضرت بقیۃ اللہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کی خدمت میں دعا کی درخواست کریں کہ خدااُن کو نیک، صالح اور فقیہ وعالم اولاد عطا کرے۔

کچھ عرصے بعد اُنہیں امام زمانہ علیہ السلام کی جانب سے یہ جواب ملا: تم اس بیوی سے صاحب اولاد نہیں ہوگے، لیکن بہت جلد تمہیں ایک دیلمیہ کنیز ملے گی کہ جس سے تمہارے دو فقیہ فرزند متولد ہونگے''۔ شیخ صدوق نے بھی اپنی ولادت کا یہ واقعہ اپنے والد کی زبانی اپنی کتاب ''کمال الدین ''میں ایک حدیث کی صورت میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ جب بھی ابو جعفر محمد بن علی الاسود ، مجھے حصول علم کے لئے اپنے اساتذہ کے حضور دیکھتے تو فرماتے تھے :''تیرے اندر علم ودانش کی طرف یہ میلان اور اشتیاق باعث تعجب نہیں چونکہ تو امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی دعا سے پیدا ہوئے ہو''۔

شیخ صدوق کا خاندان قم کا ایک علمی ومذہبی خاندان سمجھا جاتا تھا۔اُن کے والد گرامی علی بن حسین بن بابویہ قمی اپنے زمانے کے مشہور فقہا اور علمامیں سے تھے ،اُس زمانے میں اگرچہ بہت سے علما اور محدثین قم میں موجود تھے لیکن زہد و تقویٰ اور علم وعبادت کی وجہ سے ہدایت اور مرجعیت کی ذمہ داری علی بن بابویہ کے کاندھوں پر ڈالی گئی تھی۔اُن کی قم کے بازار میں ایک چھوٹی سی دکان تھی جس سے وہ اپنا گذر بسر کرتے اور رزق حلال

کماتے تھے اور دن کے اوقات میں کچھ گھنٹے اپنے ہی گھر میں علم وفقاہت کی تدریس بھی کرتے اور احکام دین اور احادیث اہل بیت اطہار کی تبلیغ فرماتے تھے۔

شیخ صدوق کی علمی شخصیت

شیخ صدوق دنیائے اسلام کی ایک نمایاں ترین علمی شخصیت ہیں جو اسلامی علوم کے مختلف شعبوں میں علم وفضل کے عنوان سے پہچانے جاتے ہیں اور بے شمار علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔چونکہ اُنہوں نے ائمہ اطہار علیہم السلام کا قریبی زمانہ دیکھا ہے اور اہل بیت اطہار کی احادیث وروایات کو جمع کرکے بہت سی نفیس کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جس کی وجہ سے اُن کی کتب حدیث کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔شیخ صدوق نے تقریبا بیس سال سے زیادہ عرصہ تک اپنے والد بزرگوار شیخ علی بن بابویہ کے حضور زانوئے تلمذ طے کیئے ہیں اور اس دوران اپنے والد کے علاوہ قم میں موجود بہت سی دوسری علمی شخصیات سے بھی کسب فیض کیا ہے۔جب اُن کے والد گرامی نے اس دار فانی کو الوداع کہا تو اُن کی عمر اس وقت ۲۲ یا ۲۳ سال تھی۔والد کے بعد اہل بیت اطہار علیہم السلام کے علوم اور احادیث کی نشرواشاعت کی ذمہ داری شیخ صدوق کے دوش پر آپڑی جسے اُنہوں نے اپنی بے پناہ استعداد اور علمی ومعنوی صلاحیت کی وجہ سے بطور احسن پورا کیا۔[1]

شیخ صدوق؛علما اور دانشوروں کی نظر میں

شیخ صدوق کے بعد اب تک آنے والے تمام علمائے حدیث ورجال اور دانشوروں نے اُن کے علمی مقام ومنزلت کا اعتراف کیا ہے اور اُن کے علم حدیث میں مقام وخدمات کی تعریف کی ہے:

شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۰ھ) اُن کی علمی ومعنوی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:''وہ ایک جلیل القدر عالم دین اور احادیث کے حافظ تھے۔احوال ورجال سے مکمل طور پر آگاہ تھے سلسلہ احادیث میں ایک ماہر نقاد شمار ہوتے تھے، قم کے بزرگان میں احادیث کے حفظ اور معلومات کی کثرت کے اعتبار سے اُن جیسا کوئی نہیں تھا۔اُنہوں نے تقریبا تین سو کتابیں یادگار چھوڑی ہیں''۔[2]

علم رجال کے ماہر نجاشی (متوفی ۴۵۰ھ) اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:''ری میں ساکن ابو جعفر (شیخ صدوق) خراسان میں شیعوں کی نمایاں شخصیت ہیں؛وہ بغداد بھی گئے ہیں اگرچہ وہ جوانی کی عمر میں تھے اس کے باوجود سبھی شیعہ بزرگ اُن سے استماع حدیث کرتے تھے،اُن کی بہت زیادہ کتابیں ہیں''۔[3]

ابن شہر آشوب (۵۸۸ھ) اُنہیں قمی علمائے حدیث میں پیش قدم سمجھتے ہیں۔ابن ادریس (متوفی ۵۹۸ھ) اُن کی بہت زیادہ مدح وستایش کرنے کے بعد اُن کا علمی مقام ومرتبہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ شیخ مفید جیسی علمی ہستی کے اُستاد تھے۔اکثر علمائے حدیث ورجال نے اُنہیں ''الامام ابن الامام''،''امام العصر''،''الفقیہ

الصدوق '' ، عظیم المنزلۃ فی الخاصۃ والعامہ '' ،''بصیر بالعلوم العقلیہ والنقلیہ '' ،''رئیس المحدثین '' وغیرہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔ خوانساری نے ''روضات الجنات '' میں شیخ صدوق کی یوں تعریف و تمجید کی ہے :'' شیخ ، معلم ،امین ،ستون ملت ،رئیس المحدثین ،ابو جعفر ثانی محمد بن شیخ معتمد ، عظیم فقیہ ،ابو الحسن علی بن بابویہ قمی، المشہور شیخ صدوق۔''[4]

علامہ بحرانی لکھتے ہیں :''ہمارے کچھ اصحاب از جملہ علامہ اپنی کتاب '' مختلف ''میں ، شہید ''شرح ارشاد '' میں اور سید محقق داماد صدوق کی مرسلہ روایات کو بھی صحیح جانتے تھے اور اُن پر عمل کرتے تھے جیسا کہ ابن ابی عمیر کی مرسلہ روایات کو قبول کیا گیا ہے اسی طرح شیخ صدوق کی مرسلہ روایات بھی قبول کی جاتی ہیں ''۔

خیر الدین زرکلی ''الاعلام '' میں اُن کے بارے میں لکھتے ہیں :''وہ شیخ صدوق کے نام سے معروف ہیں اور عظیم شیعہ محدث ہیں کہ اہل قم کے درمیان اُن جیسا کوئی بھی نہیں ہے ،وہ شہر رے میں ساکن تھے ،اُن کے علم کی شہرت خراسان تک پہنچی ہوئی تھی۔۔۔ تقریباً تین سو کتابوں کے مولف ہیں ''۔[5]

شیخ صدوق کے اساتذہ

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ شیخ نے قم میں بہت سے اساتذہ سے کسب فیض کیا ہے جن میں اُن کے والد کے علاوہ درج ذیل شخصیات قابل ذکر ہیں:

۱۔ محمد بن حسن بن احمد بن ولید　　۲۔ حمزہ بن محمد بن احمد بن جعفر بن محمد بن زید بن علی علیہ السلام

۳۔ابو الحسن محمد بن قاسم　　۴۔ابو محمد قاسم بن محمد استر آبادی

۵۔ابو محمد ، عبدوس بن علی بن عباس گرگانی　　۶۔ محمد بن علی استر آبادی

شیخ صدوق کے شاگرد

کتب رجال میں شیخ صدوق کے بہت سے شاگردوں کا ذکر ملتا ہے لیکن ان میں معروف نام یہ ہیں :

۱۔ حسین بن علی بن موسیٰ بن بابویہ قمی (برادر شیخ صدوق) ۲۔ شیخ مفید ۔ ۳۔ شیخ صدوق کے بھتیجے ، شیخ ثقۃ الدین حسن بن حسین بن علی بن موسیٰ بن بابویہ قمی ۔ ۴۔ شیخ نجاشی کے والد ؛ علی بن احمد بن عباس۔ ۵۔ابو زکریا محمد بن سلیمان حمرانی۔ ۶۔ شیخ ابو البرکات علی بن حسن خوزی۔[6]

تالیفات

مختلف اسلامی علوم میں شیخ صدوق کی تالیفات اُن کے علم و فضل کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ خصوصاً علم حدیث میں شیخ صدوق کا نام شیعہ محدثین میں سر فہرست سمجھا جاتا ہے۔ شیخ صدوق کی تالیفات کو ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن اب بھی اُن میں ویسی ہی علمی تازگی ملتی ہے جیسی خود شیخ کے زمانے میں تھی۔ حتیٰ ہر

زمانے میں شیخ کی کتابوں کے بغیر کوئی شخص نہ تو فقہ میں درجہ اجتہاد پر پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی دوسرے علوم وفنون میں علم کے درجات طے کر سکتا ہے۔ شیخ صدوق کی کتابوں کی مختصر فہرست یہ ہے:

۱۔ من لایحضرہ الفقیہ (اس کتاب کے بارے میں تفصیل آگے چل کر بیان کی جائے گی)

۲۔ مدینۃ العلم ۳۔ کمال الدین وتمام النعمہ ۴۔ التوحید ۵۔ الخصال

۶۔ معانی الاخبار ۷۔ عیون اخبار الرضا علیہ السلام ۸۔ الامالی

۹۔ المقنع فی الفقہ ۱۰۔ الھدایۃ بالخیر

شیخ صدوق کی کتب حدیث

چونکہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ بنیادی طور پر ایک محدث تھے اور اُن کی علمی مہارت کا سب سے بڑا میدان علم حدیث ہی تھا لہٰذا اُن کی تالفات خواہ وہ کلامی اور تاریخی حیثیت ہی رکھتی ہوں، اُن کا اسلوب روائی ہی ہے۔ اس لئے شیخ علیہ الرحمہ کا اصل کام حدیث کے میدان میں ہی ہے۔ حدیث کے سلسلے میں اُن کی سب سے اہم کتاب ''من لایحضرہ الفقیہ'' ہے کہ جس کا تعارف یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ کرایا جائے گا۔

من لایحضرہ الفقیہ:

تالیف: ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی المعروف شیخ صدوق کہ جو چوتھی صدی ہجری میں شیعہ علماء میں ایک اہم علمی شخصیت تھے۔

موضوع: اس کتاب کا موضوع فقہی اور شرعی احکام کے بارے میں اہل بیت اطہار علیہم السلام سے نقل ہونے والی روایات ہیں کہ جس کو شیخ نے مختلف فقہی ابواب کے تحت اس کتاب میں جمع کیا ہے۔ اس کتاب میں شیخ صدوق نے وہ فقہی روایات جمع کی ہیں کہ جو اُن کی نظر میں صحیح اور معتبر تھیں۔

کتاب کی قدر وقیمت

یہ کتاب شیعہ کتب حدیث میں اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے اور کتب اربعہ میں سے ایک معتبر ترین مجموعہ احادیث ہے۔ ہر مجتہد شرعی احکام کے استنباط اور اجتہاد میں اس کتاب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ کتاب اپنی تالیف کے زمانے سے لیکر آج تک شیعہ فقہا اور مجتہدین کی توجہ کا مرکز رہی ہے اور تمام فقہی کتابوں میں اس کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا شمار اپنی جامعیت اور قدامت کی وجہ سے کتب اربعہ میں دوسرے نمبر پر ہوتا ہے۔

اس کتاب میں ۵۹۲۰روایت اور ۶۶۶ باب ہیں۔ جن میں سے ۳۹۴۳ روایات سند رکھتیں ہیں اور ۲۰۵۵روایات مرسلہ (بغیر سند کے) ہیں۔ کتاب کی ترتیب فقہی ابواب کی بنیاد پر ہے مثلاً پہلا باب، پانی کے

احکام کے بارے میں ہے جس میں طہارت اور نجاست کی بحث کی گئی ہے اس کے بعد غسل، تیمّم، اور نماز کے ابواب شروع ہوتے ہیں۔ کیونکہ شیخ صدوق کی اس کتاب کو اس زمانے کی توضیح المسائل کی حیثیت حاصل ہے اسلئے اس میں موجود روایات کی تمام اسناد ذکر نہیں کی گئی ہیں فقط بعض روایات کی اسناد کو کتاب کے آخر میں ''مشیخہ'' کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔اس کتاب میں ایسی روایات ذکر کی گئی ہیں کہ جو اُن کے فتویٰ کے مطابق تھیں اور مولف کی نظر میں صحیح تھیں۔[7]

وجہ تالیف

شیخ صدوق نے یہ کتاب افغانستان کے شہر بلخ کے ایک سید، شریف الدین ابو عبداللہ محمد بن حسین المعروف نعمت کی درخواست پر لکھی ہے۔اس سلسلے میں وہ کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں :

میں نے ''من لایحضرہ الفقیہ'' کو اپنے ایک ایمانی دوست شریف الدین نعمت کی درخواست پر شیعوں کی فقہی رہنمائی کے لئے لکھا ہے۔اور اس کتاب کا نام محمد بن زکریا رازی کی کتاب ''من لایحضرہ الطبیب'' کے نام پر ''من لایحضرہ الفقیہ'' (یعنی جس کے پاس فقیہ موجود نہیں ہے اس کی کتاب) رکھا ہے''۔[8]

یہ درحقیقت فقہ کی خودآموز کتاب ہے شیخ صدوق نے اسے عصر حاضر میں ''توضیح المسائل'' کی طرح تالیف کیا ہے تاکہ شیعوں کے فقہی سوالات کے جواب اس کتاب میں مل سکیں۔

اسلوب نگارش

اوائل میں شیعہ فقہا فقط ائمہ طاہرین کی احادیث کو نقل اور روایت کرنے پر ہی اکتفا کرتے تھے اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے کلام کے مقابلے میں خود سے کسی قسم کی بات کا اضافہ نہیں کرتے تھے۔چونکہ وہ کلام معصومین کو معدن وحی سے مربوط سمجھتے تھے اور اس کے مقابلے میں اپنی بات کو ہیچ جانتے تھے، حتیٰ وہ اگر حدیث کے علاوہ کسی اور موضوع میں کتاب بھی لکھتے تو اُن کی کوشش یہی ہوتی کہ اس میں روایات کے الفاظ وکلمات سے استفادہ کیا جائے اور اہل بیت اطہار کے کلام کے علاوہ کوئی اور کلام نقل نہ کیا جائے۔

شیخ صدوق اس طبقے کے آخری علماء میں سے ہیں لہٰذا اُن کی تالیفات میں بھی یہی اسلوب نظر آتا ہے اور وہ بھی اپنی تالیفات میں کلام معصومین سے ہی استفادہ کرتے ہیں اور روایات سے ماخوذ الفاظ وکلمات استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض علمائے شیعہ کا خیال ہے کہ اگر کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی روایت نہ ملے تو شیخ صدوق کے کلمات والفاظ سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ روایات واحادیث معصومین سے استفادہ کرتے تھے اور روایات ہی کے الفاظ وکلمات استعمال کرتے تھے۔شیخ صدوق کے بعد آہستہ آہستہ یہ طریقہ ختم ہوتا گیا اور شیخ صدوق کے شاگردوں خصوصاً شیخ مفید کے زمانے سے اسلوب تبدیل ہوتا گیا اور شبہات

واعتراضات کی زیادتی کی وجہ سے علمائے شیعہ نے روایات واحادیث معصومین کو نقل کرنے کے بعد اُن کی وضاحت وتشریح کرنی شروع کر دی اور گمراہ کنندہ افکار وشبہات کو جواب دیناضروری سمجھا۔

من لایحضرہ الفقیہ کے اہم عناوین وموضوعات

یہ کتاب بہت سے فقہی مباحث وموضوعات پر مشتمل ہے جن میں سے اہم ترین موضوعات یہ ہیں :

۱۔ پانی، طہارت اور نجاست ۲۔ نماز کے واجبات اور مقدمات (وضو، غسل اور تیمّم) ۳۔احکام اموات
۴۔احکام نماز ۵۔احکام قضاوت ۶۔مکاسب ۷۔احکام ازدواج وارث

من لایحضرہ الفقیہ کی خصوصیات

شیخ صدوق نے اپنی اس کتاب پر جو مقدمہ لکھاہے اس سے ہمیں اس کتاب کی جو چند خصوصیات ملتی ہیں وہ یہ ہیں :

۱۔روایات کی اسناد ذکر کرنے کے بہت سے فائدے ہیں لیکن کتاب کو طوالانی ہونے سے بچانے کے لئے شیخ نے اسناد کو ذکر کرنے سے پرہیز کیا ہے جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں :''۔۔۔۔وصنفت لہ ھذاالکتاب بحذف الاسانید لئلا تکثر طرقہ وان کثرت فوائدہ''؛ [9] لہٰذا شیخ صدوق نے کتاب کے آخر میں ایک مفصل فصل میں کتاب کی اسناد کو ذکر کیا ہے کہ جو مشیخہ کے عنوان سے لکھی گئی ہے۔بطور مثال وہ مشیخہ کے آغاز میں لکھتے ہیں :اس کتاب میں جو بھی روایت عمار بن فضال ،عمروبن سعید مدائنی ،مصدق بن صدقہ سے ہے ۔۔۔۔''(ایضاً ج ۴،ص ۴۲۳،۴۲۲)اس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں :''تمت اسانید کتاب من لایحضرہ الفقیہ ''۔[10]

۲۔ من لایحضرہ الفقیہ میں ذکر کی گئی روایات درحقیقت شیخ صدوق کے فتاویٰ ہیں جو اُن کی نظر میں صحیح ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں :"ولم اَقصد فیہ قصدالمصنّفین فی ایراد جمیع ماروواہ ،بل قصدت الی ایراد مااَفتی بہ واَحکم بصحتہ واَعتقدفیہ اَنہ حجۃ فیما بینی وبین ربّی ۔"یعنی؛میں نے عام مصنفین کی عادت کے مطابق تمام روایات کو لانے کاارادہ نہیں کیابلکہ میں فقط وہی روایت ذکر کروں گا کہ جو میرے فتویٰ کے مطابق ہے اور اُسے میں صحیح سمجھتاہوں اور میں معتقد ہوں کہ وہ میرے اور میرے رب کے درمیان حجت ہے۔[11]اسی لئے اس کتاب کی روایات کی صحت اور درستی کے بارے میں شیخ کی صدوق کی اسی تاکید کی وجہ سے کچھ اخباری علماء نے من لایحضرہ الفقیہ کی تمام روایات کو قطعی الصدور قرار دیا ہے لیکن اُن کا یہ دعویٰ قابل تامل ہے۔

۳۔شیخ صدوق نے کتاب من لایحضرہ الفقیہ کی تالیف میں اپنی ۲۴۵ کتابوں کے علاوہ دوسری مشہور اور قابل اعتماد کتابوں مثلاًکتاب حریز بن عبداللہ سجستانی ،کتاب عبیداللہ بن علی حلبی کتب علی بن مھزیار اھوازی، کتب

حسین بن سعید اور احمد بن محمد بن عیسیٰ کے نوادر سے بھی استفادہ کیا ہے۔یہ سب کتابیں شیعہ کتب حدیث کی اصطلاح میں ''اصول اولیہ'' کہلاتی ہیں۔

۴۔ایک اور اہم بات یہ کہ شیخ صدوق نے اس کتاب کی تمام روایات کو بلخ شہر میں شریف الدین نعمت کے سامنے قرائت کیا ہے اور پھر اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔اس بات سے پتا چلتا ہے کہ شیخ صدوق نقل کتاب کی صحت ودرستی پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔اس ،مطلب کی طرف وہ خود یوں اشارہ کرتے ہیں :"قال ---مصنف هذاالكتاب :قد يسمع السيد الشريف ---المعروف بنعمة ---هذاالكتاب من اوله الى آخر ه بقرائتى عليه ---وذلک بارض بلخ من ناحية ايلاق وكتب بخطّى ---"[12]

آیات قرآن سے استناد

من لایحضرہ الفقیہ کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ شیخ صدوق نے بعض ابواب میں ،اُنہی ابواب کی مناسبت سے قرآنی آیات سے بھرپور استفادہ کیا ہے،اس سے پتا چلتا ہے کہ شیخ روایات کے ساتھ ساتھ قرآن کی طرف بھی پوری طرح متوجہ تھے اور قرآن کے ساتھ استناد کے زریعے وہ روایات کو مذید محکم بنانا چاہتے تھے۔مثلاً کتاب کے شروع میں طہارت ونجاست کے باب میں وہ پانی کے متعلق لکھتے ہیں :

ان الله تبارك وتعالىٰ يقول :''---وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْ رًا''۔[13] (اور ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں)اسی طرح خداوند عزوجل نے فرمایا:''وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَ سْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِ رُوْنَ''[14] (ہم ایک صحیح انداز آسمان سے پانی برساتے ہیں، پھر اسے زمین میں ٹھہرادیتے ہیں اور ہم اس کے لے جانے پر یقینا قادر ہیں)اور پھر فرمایا :''---وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ ---''[15] (اور تم پر آسمان سے پانی نازل کیا تاکہ تمہیں پاک کیا جائے) یہاں پر شیخ فرماتے ہیں :"فاصل الماء كله من السماء وهو طهوركله وماء البحر طهور وماء البئر طهور۔" [16]

اس باب میں شیخ صدوق نے پانی کے بارے میں تین اہم آیات لا کر اُن سے پانی کے احکام کے بارے میں تین اہم نکات کی اخذ کئے ہیں :

الف: ہر قسم کے پانی کا سرچشمہ آسمان ہے۔چونکہ تینوں آیات میں آیا ہے کہ خدا نے پانی کو آسمان سے نازل کیا ہے۔لہٰذا پانی آسمانی سرچشمہ رکھتا ہے پس بنیادی طور پر اُس کی تمام اقسام پاک ہونی چاہیں۔

ب: پہلی اور تیسری آیت میں پانی کے طہور (پاک کنندہ) ہونے کی تاکید کی گئی ہے۔پس تمام قسم کے پانی ذاتاً طہور ہیں۔

ج: آیہ مجیدہ : '' ۔۔۔ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۔۔۔ '' سے استفادہ ہوتا ہے کہ زمین سے نکلنے والے مثلاً کنویں اور دریا وغیرہ کا پانی اپنے آسمانی ہونے کی وجہ سے پاک کنندہ (طہور) ہیں۔

اسی طرح شیخ صدوق نے بہت دوسرے مواقع پر مثلاً باب تیمّم ، باب جماعت اور فضیلت جماعت ، باب صید ذباتح وغیرہ میں بھی پہلے ان ابواب کے تناسب سے آیات قرآن سے استناد کیا ہے۔فضیلت جماعت کے باب میں یہ آیہ مجیدہ : وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ [17] (اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :خدا نے جس طرح نماز کا حکم دیا ہے،اسی طرح اُسے جماعت کے ساتھ پڑھنے کا بھی حکم دیا ہے۔[18]

متناقض روایات کے درمیان جمع

اگرچہ شیخ صدوق کی یہ کتاب ، شیخ طوسی کی کتاب ''تہذیب الاحکام'' کی طرح مخالف اور موافق روایات کے کو بیان کرنے کے لئے نہیں لکھی گئی ؛اس کتاب میں شیخ صدوق فقط وہ روایات ذکر کرتے ہیں کہ جو اُن کے فتاویٰ کے مطابق ہیں۔اس کے باوجود وہ کتاب کے بہت سے مقامات پر اپنے فتویٰ کے مطابق روایات ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ،اُن کی مخالف روایات بھی ذکر کرتے ہیں اور اکثر اوقات اُن کے درمیان جمع کرتے ہوئے ایک قسم کی مسالمت برقرار کرتے ہیں اور کبھی ان دونوں مخالف روایات کے درمیان جمع کے لئے کچھ اور روایات بھی بطور شاہد بھی ذکر کرتے ہیں اور کبھی روایات کے درمیان جمع کی خاطر قواعد تعادل وتراجیح سے بھی استفادہ کرتے ہیں اور اُصولی قواعد یعنی حمل عام بر خاص ، مطلق ومقید ،اور بعد والے معصوم کی روایت پر عمل یا تقیہ کے عنوان سے صادر ہونے والی روایات جیسے قواعد فقہ سے استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔[19]

من لایحضرہ الفقیہ کی شرحیں

شیخ صدوق کی اس کتاب پر بہت سی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں جو فقہاء اور علماء کے درمیان اس کتاب کی منزلت اور قدر وقیمت کی عکاسی کرتی ہیں۔ان میں سے بعض اہم شرحوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔شرح من لایحضرہ الفقیہ بنام روضۃ المتقین ؛تالیف : مولی محمد تقی مجلسی والد علامہ مجلسی ،اُنہوں نے یہ کتاب ۱۰۶۳ھ میں مکمل کیا ہے۔

۲۔شرح من لایحضرہ الفقیہ ،تالیف : سید اجل امیر محمد صالح بن امیر عبد الواسع داماد علامہ مجلسی (متوفی ۱۱۱۶ھ)

۳۔شرح من لایحضرہ الفقیہ ؛تالیف : شیخ الاسلام والمسلمین شیخ بہائی ، محمد بن حسین بن عبد الصمد حارثی ہمدانی (متوفی ۱۰۳۰ھ)

۴۔ شرح من لایحضرہ الفقیہ؛ بنام '' معاھد التنبیہ '' تالیف: شیخ ابو جعفر محمد بن حسن بن زین العابدین شہید ثانی (متوفی ۱۰۳۰ھ)

۵۔ شرح من لایحضرہ الفقیہ؛ تالیف: مولی حسام الدین محمد صالح بن احمد سروی مازندرانی (متوفی ۱۰۸۱ھ)[20]

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔ دائرۃ المعارف تشیع، ج۱، ص۳۰۵

2۔ شیخ طوسی، الفہرست، ص۲۳۷

3۔ نجاشی، رجال نجاشی، ص۳۸۹

4۔ خونساری، روضات الجنات، ج۶، ص۵۳۳

5۔ زرکلی، الاعلام، ج۶، ص۲۷۴

6۔ سوفٹ ویئر، نور، جامع الاحادیث، نسخہ ۲/۵

7۔ آشنائی با تاریخ و منابع حدیثی، ص۲۲۳

8۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج۱، ص۲

9۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج۱، ص۲

10۔ ایضا، ص۵۳۸

11۔ ایضاً، ج۱، ص۵

12۔ ایضاً، ص۵۳۹،۵۳۵)

13۔ سورہ الفرقان، آیت ۴۸

14۔ سورہ مومنون، آیت ۱۸

15۔ سورہ انفال، آیت ۱۱

16۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج۱، ص۵

17۔ سورہ بقرہ، آیت ۴۳

18۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج۱، ص۵

19۔ آشنائی با تاریخ و منابع حدیثی، ص۲۲۹،۲۲۸

20۔ سوفٹ ویئر، نور، جامع الاحادیث، نسخہ ۲/۵

منابع و مآخذ

اس مقالے کی تیاری میں درج ذیل منابع اور مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے:
۱۔آشنائی با تاریخ و منابع حدیثی، دکتر علی نصیری، مرکز جہانی علوم اسلامی، قم، ۱۳۸۵ش
۲۔ من لایحضرہ الفقیہ، شیخ صدوق، منشورات جماعۃ المدرسین الحوزۃ العلمیہ فی قم المقدسہ، بی تا
۳۔دانش حدیث، محمد باقر نجف زادہ بارفروش، موسسہ انتشارات جہاد دانشگاہی (ماجد)، تہران، ۱۳۷۳ش
۴۔دائرۃ المعارف تشیع، ج،اول،، نشر شہید سعید محبی ۱۳۷۵ش
۵۔سوفٹ ویئر، نور، جامع الاحادیث، نسخہ ۲/۵، مرکز تحقیقات کامپیوتری علوم اسلامی، قم
۶۔علم الحدیث و درایۃ الحدیث، کاظم مدیر شانہ چی، دفتر انتشارات اسلامی، جامعہ مدرسین، قم، ۱۳۷۲ش

علمی و تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی دوّم　　اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۹　　اسلام آباد

صرف ممبران کے لئے

مجلس ادارت

- سید حسین عارف نقوی
- سید حسنین عباس گردیزی
- سید ثمر علی نقوی
- محمد اصغر عسکری
- جعفر علی میر
- روشن علی

مدیر

سید رمیز الحسن موسوی

ملنے کا پتہ : شعبہ تحقیقات۔ نور الہدیٰ ٹرسٹ۔ (رجسٹرڈ) بارہ کہو۔ اسلام آباد

فون : 051-2231937 ای میل noor.marfat@gmail.com

نقد و نظر

پاکستان کے امامیہ دینی مدارس کا نظام تعلیم اور عصری تقاضے

محمد حسین

زیر نظر تحریر پاکستان میں موجود امامیہ دینی مدارس کے رائج نظام تعلیم کے ایک جائزے پر مشتمل ہے۔ اس تجزیے میں صرف تعلیمی نظام اور بلا واسطہ اس سے مربوط عناصر کو پیش نظر رکھتے ہوئے مدارس کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تجزیہ اس امید سے پیش کیا جارہا ہے کہ مدارس دینیہ اپنے مثبت اہداف کے حصول اور اسلامی اقدار کے فروغ کی خاطر عصری تقاضوں کے مطابق اپنا جامع، منظّم اور موثر کردار ادا کر سکیں۔اسلامی تعلیمات کے مطابق مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے جو اسے اُس کے عیوب کی نشاندہی کرتا ہے تاکہ اُس کی زیبائی پر کسی قسم کا داغ نہ رہے (المؤمن مراۃ المؤمن)۔ لہٰذا یہ تجزیہ بھی اسی مثبت سوچ کے تحت پیش کیا جارہا ہے۔آخر میں چودہ اہم راہنما عصری تقاضے بھی بیان کیے گئے ہیں۔

مدارس کا مثبت کردار

ا۔ دینی:

اسلامی تعلیمات کے تحفظ، ترویج اور دفاع میں مدارس دینیہ کا کردار ہر دور میں بنیادی رہا ہے۔ یہ مدارس ہی کا مرہون منت ہے کہ آج دنیا کے ایک ارب سے زائد لوگ اسلام کو اپنا ضابطہ حیات سمجھتے ہیں۔ دنیا کے گوش و کنار میں کروڑوں کی تعداد میں مساجد اور اسلامی مراکز آباد ہیں۔ اسلامی تعلیمات کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانے میں مدارس دینیہ سے بڑھ کر کسی بھی ادارے یا نیٹ ورک کا نام نہیں لیا جاسکتا۔

۲۔ تعلیمی:

پیغمبر گرامی اسلام ﷺ نے تمام غیر انسانی امتیازات پر خط بطلان کھینچتے ہوئے الٰہی تعلیمات کو انسانی حیات کا ''کامل نصاب'' قرار دے کر رسمی تعلیم و تربیت کے سلسلے کی بنیاد رکھی۔ مختلف ادوار میں یہ سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ فقہاء اسلام خصوصا ائمہ ہدیٰ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام نے اس کو عالمی سطح پر فروغ دیا اور اطراف و اکناف عالم سے آنے والے ہزاروں شاگردوں کو علم و حکمت اور فنون و رموز کائنات سکھائے۔ آپ کی درسگاہ میں حصول علم و معرفت کے لیے مذہب کی پابندی تھی اور نہ ہی مسلک کی قید، نہ نسلی امتیاز اور نہ لسانی تعصب بلکہ ہر متلاشی حق و عرفان کی علمی پیاس اسی درسگاہ سے بجھ جاتی تھی۔ آپ ہی کے شاگردوں میں سے بعض سائنسدان بنے، بعض اپنے شعبے کے موسس بنے اور بعض مختلف

مسالک کے امام قرار پائے۔ علمی وسعت اور اختلاف کے اس دور سے امت عقیدتی اور فقہی لحاظ سے باقاعدہ طور پر مختلف مسالک میں تقسیم ہونا شروع گئی جس کے بعد ہر مسلک نے اپنا الگ دینی مرکز بنانا شروع کیا۔ مختلف ادوار میں مختلف مکاتبِ فکر کو حکمرانوں کی تائید شامل حال ہوتی رہی جبکہ حکومت مخالف مکاتبِ فکر کی تعلیمات کی ترویج پر سرکاری سطح پر پابندیاں عائد کی جاتی رہیں۔ ان حکومتی پابندیوں کا سب سے زیادہ شکار مکتب اہل بیت رہا۔

حکومتوں کی ایسی تائیدات اور مخالفتیں مختلف اسلامی مکاتبِ فکر کی ترقی اور زوال کا باعث بنیں۔ یوں مختلف مکاتب فکر کے مدارس دینیہ کی تاریخ میں ترقی وزوال کا سلسلہ چلتا رہا ہے۔ مدارس نے ہی علمی ترقی کی بنیاد رکھی ہے۔ اور بہت سارے علوم عقلی وعلوم نقلی اور فنون نیز جدید علوم کی بنیاد رکھی ہے۔ جب تک علوم وفنون کی زمام مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اس وقت تک علوم کی تقسیم بندی نہیں کی گئی تھی۔ اور دین اور دنیا کا جدا تصور بالکل نہیں پایا جاتا تھا۔ بلکہ اسلام کو ہی مکمل ضابطہ حیات اور سعادت مند زندگی کے کامل نصاب کے طور پر پڑھایا جاتا تھا۔ خوشحال زندگی اور اپنے دور کے تمام تقاضوں کے مطابق سارے علوم، اسلامی درسگاہ میں ہی پڑھائے جاتے تھے۔

لیکن جب سے کلیسا سے بغاوت کے نتیجے میں مغرب نے اپنی تاریک تاریخ وتمدن کو خیر باد کہہ کر علم وفن کی زمام کو سنبھال لیا تو انہوں نے علم کو دین اور دنیا کے نام پر تقسیم کر دیا اور دینی علم کو اپنے تعلیمی مراکز سے جدا کر دیا۔ کلیسا اور اس کے جدت پسند باغیوں کی تقسیم کے اس عمل (Process) نے اسلامی دنیا میں بھی اپنا اثر دکھایا۔ اور یہاں بھی دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم جیسی اصطلاحات وجود میں آئیں۔ اس کا نتیجہ دونوں طرف سے شدت پسندی کی صورت میں سامنے آیا، یعنی دینی تعلیم نے دنیوی تعلیم کی مکمل نفی کی اور دنیوی تعلیم نے دینی تعلیم کی نفی کی، جس کی وجہ سے دو باقاعدہ جدا نظام سامنے آئے جن کے اہداف، ترجیحات، اقدار اور تعلیمی ثمرات (Educational Output) مکمل علیٰحدہ ہیں اور یوں ہمارا معاشرہ دو جدا اور شدت پسند نظام کے درمیان پھنس گیا ہے۔ جس میں سے ہر ایک اپنی جگہ نامکمل ہے لیکن بزعم خویش ہر ایک اپنے آپ کو کامل تصور کرتا ہے۔

پاکستان میں مختلف اسلامی مسالک کے ہزاروں مدارس ہیں اور ان میں لاکھوں طلبا وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ اس طرح قومی سطح پر شرح خواندگی کو بڑھانے میں مدارس دینیہ بھی اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان مدارس سے فارغ ہونے والے طلبا وطالبات کی کثیر تعداد ملکی اور بین الاقوامی سطح پر دینی، فلاحی اور تعلیمی میدانوں میں اپنی خدمات سر انجام دے رہی ہے۔ اور کثیر تعداد میں امیدوار مزید اعلیٰ تعلیم کی خاطر بیرون ممالک جیسے مصر، ایران، عراق، سعودی عرب، شام، لبنان وغیرہ جاتے ہیں۔

۳۔ فلاحی:

دنیا کا وسیع ترین تعلیمی و فلاحی غیر سرکاری ادارے (NGO) کے طور مدارس دینیہ اپنی مفت خدمات سے دنیا کو مستفید کر رہے ہیں۔ اکثر ممالک کے آئین میں یہ بات مذکور ہے کہ " تعلیم ہر انسان کا بنیادی حق ہے" لیکن اس حق کو سب سے بہترین انداز میں طلبہ تک مدارس ہی پہنچاتے ہیں۔ دنیا کا یہ واحد نظامِ تعلیم ہے جو طلبہ کو بلاشرط تعلیم و تربیت، قیام اور طعام کا مناسب بندوبست کرتا ہے۔ حتیٰ کی بعض مدارس میں مناسب اعزازیہ/ شہریہ (سکالر شپ) بھی اساتذہ اور طلبہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ مدارس دینیہ کے زیر اہتمام بہت سارے فلاحی ادارے، تنظیمیں اور افراد انسانیت کی خدمت میں پیش پیش ہیں۔

۴۔ معاشرتی:

معاشرتی امن اور انصاف کے قیام، اتحاد امت اور الٰہی اقدار کے فروغ میں مدارس خصوصاً امامیہ مدارس کا کردار بہت ہی درخشان ہے۔ تاریخ کے طول و عرض میں کسی بھی شیعہ مجتہد اور عالم دین نے کسی بھی اسلامی مکتبِ فکر کے خلاف تکفیر کا سلسلہ شروع نہیں کیا، کسی بھی بے جرم انسان، مسلمان یا غیر مسلم کے قتل کے فتاوے جاری نہیں کیے بلکہ ہمیشہ سے مظلوموں کی داد رسی، ظالموں کی مخالفت، استعماری عناصر کی قلعی کھولنے اور معاشرتی عدل و انصاف، امن و رواداری اور دیگر الٰہی اور انسانی اقدار کو عالمی سطح پر فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ واضح رہے ! کوئی بھی امامیہ دینی مدرسہ ابھی تک قوم اور ملت کے خلاف کسی بھی تخریبی عمل کا ملزم نہیں ٹھہرا۔ اس بات پر تمام ملکی و بین الاقوامی میڈیا سمیت حکومتی خبر رساں ادارے بھی شاہد ہیں۔

امامیہ مدارس میں رائج تعلیمی نظام کا ایک مختصر جائزہ

۱۔ انتظامی کیفیت:

اس وقت ملک میں سینکڑوں کی تعداد میں مدارس ہیں۔ ان مدارس کا تعلیمی نظام وفاق المدارس الشیعہ پاکستان کے زیر نگرانی چلتا ہے۔ البتہ اکثر مدارس داخلی سطح پر تعلیمی نصاب اور مدیریت وغیرہ میں خود مختار ہیں۔ وفاق المدارس الشیعہ کا مرکز لاہور میں ہے۔ اور حکومت پاکستان کی جانب سے منظور شدہ ہے۔ وفاق کی جانب سے ہر سال دو دفعہ (سالانہ اور ضمنی/ تجدیدی) الگ امتحانات منعقد ہوتے ہیں۔

۲۔ تعلیمی کیفیت:

امامیہ مدارس میں عموماً کم از کم میٹرک یا مڈل پاس امیدواروں کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ مروجہ قومی تعلیمی اداروں کی طرح امامیہ مدارس میں بھی پندرہ سے سولہ سال دورانیہ پر مشتمل تعلیمی نصاب موجود ہے۔ امامیہ مدارس کے تعلیمی نظام کی نگرانی دائرہ امتحانات کرتا ہے۔ نصاب کا تعین ہو یا امتحانات کا انعقاد یا طلبہ و اساتذہ کے

اعزازیہ غرض تمام بنیادی امور میں دائرہ امتحانات کا اہم کردار ہوتا ہے۔ دائرہ امتحانات کی جانب سے ہونے والے امتحانات میں شرکت کرنا تمام طلبہ کے لیے لازمی ہوتا ہے۔

جبکہ وفاق المدارس میٹرک سے ایم اے تک کی ڈگری جاری کرنے کا مجاز ہے۔ چنانچہ ہر سال سینکڑوں طلبہ و طالبات وفاق کے زیر اہتمام امتحانات دیتے ہیں۔ وفاق المدارس سے جاری اسناد حکومت کی جانب سے منظور شدہ ہیں چنانچہ ثانوی سطح کی اسناد کی معادلت (Equaivalence) یا تصدیق IBCC (Inter Board of Committee of Chairmen) کرتا ہے جبکہ اعلیٰ تعلیم (بی اے، ایم اے) کی اسناد کی معادلت اور تصدیق HEC (Higher Education Commission) کرتا ہے۔ یہ اسناد مزید تعلیم اور ملازمت کے لیے قابل قبول ہیں۔مدارس امامیہ کا علمی و روحانی رشتہ حوزہ علمیہ نجف اشرف (عراق) اور حوزہ علمیہ قم (ایران) سے استوار ہے۔ چنانچہ اعلیٰ تعلیم کے خواہشمند افراد عموماًان دو علمی مراکز کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

تعلیمی خوبیاں

ا۔ تعلیمی مہارتیں (Learning Techniques) :

مدارس کی تعلیمی خوبیوں میں سے اہم خوبی ان کی تعلیمی خوبیاں ہیں۔ جن میں باقاعدگی سے روزانہ خاموش مطالعہ، مباحثہ، سبق کا یاد کرنا، عبارت کا حل کرنا، سبق کا سننا اور سبق کا لکھنا شامل ہیں۔

۲۔اخلاقی تربیت:

مروجہ تعلیمی اداروں کے برخلاف دینی مدارس میں طلبہ کی باقاعدہ اخلاقی تربیت کی جاتی ہے۔ طلبہ کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اخلاقی اصولوں کا پابند کیا جاتا ہے۔

۳۔استاد کی نگرانی:

طلبہ کی ہر وقت اور بروقت شفقت اور اخلاص پر مبنی نگرانی کی جاتی ہے۔ جس سے ان کے کردار میں مثبت تبدیلی آتی ہے۔

۴۔ تعلیم برائے ہدایت اور سعادت:

مدارس میں پہلے دن سے ہی طلبہ کو اس بات کے لیے تیار کیا جاتا ہے کہ ان کی تعلیم ملازمت کے لیے نہیں بلکہ اپنی اور معاشرے کی ہدایت اور سعادت کے لیے ہے۔

۵۔ نظم وضبط:

مدارس کی اہم خوبیوں میں سے ایک یہاں کا نظم و ضبط ہے۔ دینی مدارس میں عموماً طلبہ کے لیے رہائش کی سہولت موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ طلبہ شب و روز تعلیم و تعلم میں مشغول رہتے ہیں۔ دوران تعلیم طلبہ نماز،

دروس، مباحثہ، مطالعہ، کھانا اور دیگر نصابی و ہم نصابی امور کو مکمل نظم و ضبط کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں۔

مدارس کی تعلیمی کمزوریاں

تعلیمی نظام کی حیثیت سے بہت ساری کمزوریوں میں تمام ادارے مشترک ہیں جو فوری اور انتہائی قابل توجہ ہیں تاکہ ان کمزوریوں کو دُور کرکے مدارس اسلام کو ایک "مکمل ضابطہ حیات" کے طور دنیا میں متعارف کرانے میں اپنا علمی اور عملی کردار ادا کر سکیں۔

ا۔ مقصدیت:

اداروں اور تعلیمی نظام کے قیام کے عملی اہداف واضح نہیں کیے جاتے۔ نیز اساتذہ، مدیران اور طلبہ کے لیے ان کے تعلیمی اہداف و مقاصد عموماً بیان نہیں کیے جاتے۔ بحیثیت استاد تعلیم کے مقاصد، کردار، دائرہ کار، بحیثیت شاگرد تعلم کے مقاصد، کردار، دائرہ کار نیز ان کی منزل اور راستے کا تعین و معرفت، دورانیہ، مطلوبہ عزم و ارادہ، مطلوبہ سرمایہ وغیرہ کی معرفت وغیرہ سے اساتذہ اور طلبہ کو آگاہ نہیں کئے جاتے۔

۲۔ نصاب:

امامیہ مدارس کے دوہرے نصاب نے ان کے اہداف، طریقہ کار اور تعلیمی ثمرات (Educational Output) کو متردد بنا دیا ہے۔ ایک طرف دائرہ امتحانات کے معین کردہ خالصتاً اجتہادی نصاب اور دوسری طرف وفاق المدارس کے نصاب کے درمیان تعلیمی اہداف اور ثمرات کا تعین اور پیمائش مشکل ہو جاتا ہے۔ واضح رہے! بہت سے مدارس میں ان دو اہم نگران اداروں کے نصاب کے علاوہ بھی اہم اور مفید مضامین نصاب میں شامل ہیں۔ مدارس کے نصاب تعلیم کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نصاب میں عموماً ''علوم'' شامل ہیں ''فنون'' اور '' عملی تربیت'' (Practices) نصاب کا حصہ نہیں ہے۔ یہاں کے نصاب میں موجود علوم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے مقدماتی علوم، اصلی علوم۔ مقدماتی علوم اصلی علوم کو سمجھنے کی غرض سے سکھائے جاتے ہیں۔ مقدماتی علوم کا ایک خاص دورانیہ ہوتا ہے۔ جبکہ اصلی علوم عموماً ہر فرد اپنی بساط کے مطابق حاصل کرتا ہے۔

مقدماتی علوم میں زیادہ تر عربی گرامر (صَرف و نحو)، علم لغت، علم بلاغت (معانی، بیان، بدیع)، علم منطق وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ اصلی علوم ہیں فقہ، اصول فقہ، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، کلام، فلسفہ، عرفان، تقابل ادیان، تاریخ و سیرت وغیرہ ہیں جن میں سے اکثر کی پاکستان میں عموماً تدریس نہیں ہوتی۔

نصاب میں جامعیت اور آفاقیت نہیں ہے بلکہ صرف مقدماتی علوم، فقہ اور اصول فقہ کو ہی بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جبکہ اسلام کی آفاقی اور معاشرتی تعلیمات اور جامع نصابِ حیات کا مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

نصاب سازی کا عمل تعلیمی اصولوں سے نہایت دور ہے۔ نصاب طلبہ محوری (Student Centered) ہونے کی بجائے استاد محوری (Teacher Centered) یا کتاب محوری (Book Centered) ہے۔ زیادہ تر شخصی اور قدیم تحقیقات کو جدید نصابی اصولوں میں ڈھالے بغیر پڑھایا جاتا ہے۔

جو استاد اور شاگرد دونوں کے لیے کافی مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ ناقابل فہم یا مشکل نصاب کی وجہ سے مدارس میں طلبہ کی ایک بڑی تعداد مقررہ مراحل طے کرنے سے پہلے درسگاہ چھوڑ جاتی ہے۔ جبکہ یہی طلبہ مروجہ تعلیمی اداروں میں روزانہ دس، دس مضامین پڑھتے ہیں لیکن وہ مدارس کے حد اکثر پانچ مضامین کو بھی زیادہ مشکل محسوس کرتے ہیں۔ نصاب کا دورانیہ بھی زیادہ ہے۔ البتہ دائرہ امتحانات کے نصاب کو کسی حد تک کم سے کم وقت میں بھی مکمل کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ وفاق کے زیر اہتمام ہونے والے امتحانات میں سرکاری قوانین کے مطابق ہر درجہ کے بعد دو سال کا فاصلہ ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح وفاق کا نصاب بھی کم از کم آٹھ سال کے دورانیہ پر مشتمل ہے۔ واضح رہے مذکورہ بالا دونوں امتحانات میں مؤثر تعلیمی ثمرات کے تقاضے پورے نہیں کیے جاتے۔

۳۔ تربیت اساتذہ:

تربیت اساتذہ کے لیے ابھی تک نہ کوئی جامع ادارہ قائم ہے اور نہ ہی کسی ادارے میں ان کے لیے تربیتی کورسز کیے جاتے ہیں۔ ان کی تعینات، ترقی وغیرہ کے لیے بھی کوئی جامع ضابطہ نہیں ہے۔ اساتذہ صرف اپنی تعلیم کی بنیاد پر تدریس شروع کر دیتے ہیں۔ مدارس میں عموماً بیان و سماع (Telling & Listening) کے (متروک) طریقہ تدریس پر عمل کیا جاتا ہے۔ دوران تدریس وسائل تعلیمیہ کی مدد سے تدریس کو زیادہ مؤثر کرنے کا سلسلہ ابھی تک عام نہیں ہے۔

۴۔ طلبہ کی رہنمائی:

طلبہ کی استعداد اور صلاحیتوں اور ان کے فطری و انفرادی رجحانات کے تعین اور اُن کے مطابق اِن کی تعلیم و تربیت کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا جاتا یعنی طلبہ کی شخصیت سازی پر عملاً کام کم ہوتا ہے۔ بلکہ اسلامی تعلیمات کی عظیم جامعیت اور آفاقیت کے باوجود ہر ایک کو ایک ہی راستے (روایتی نصاب) سے گزارا جاتا ہے۔

۵۔ جائزے کا عمل:

تعلیم و تعلم کے سلسلے میں مدیران، اساتذہ اور ملازمین کے جائزے کا عمل یا تو سرے سے ہے ہی نہیں یا غیر مؤثر ہے۔ اور اپنے اہداف کے حصول میں کس حد تک اور کتنے وسائل (انسانی، مالی، وقت) کے استعمال کے ساتھ کامیاب ہوئے ہیں، اس کا جائزہ عموماً نہیں لیا جاتا۔ البتہ طلبہ کے تعلیمی سال کے آخر میں امتحانات کا روایتی سلسلہ

جاری ہے۔ نیز بعض مدارس میں ہفتہ وار، ماہانہ، سہ ماہی اور ششماہی امتحانات بھی ہوتے ہیں۔

۶۔ معاشرتی عدم مطابقت:

مدارس علمی، سائنسی، ثقافتی، معاشرتی، سیاسی اور دفاعی میدانوں میں آنے والی تیز ترین قومی اور عالمی تبدیلیوں سے عموماً ناآشنا رہتے ہیں۔ کیونکہ مدارس کی نصابی اور ہم نصابی سرگرمیاں معاشرتی تقاضوں کے مطابق نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے مدارس میں زیر تعلیم افراد کی ایک کثیر تعداد مروجہ علوم کی جانب راغب ہے۔ مستعد امیدواروں کا دوسرے نظام تعلیم کی طرف رجوع کرنا دو اہم مفروضوں پر مبنی ہے:

۱۔ قرآن و سنت کی تعلیمات میں انسان کی معاشرتی مطابقت سے متعلق کوئی راہنما اصول نہیں بتائے گئے لہٰذا قرآن و سنت کی تعلیمات انسان کے لیے ضابطہِ حیات نہیں ہیں۔

۲۔ قرآن و سنت کی تعلیمات ایک مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن دینی مدارس اسلام کے تمام پہلوؤں پر مبنی جامع نصابِ تعلیم پیش نہیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ تعلیمی کمزوریوں کو دُور کرنے کی خاطر امیدوار مروجہ تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں تاکہ وہ معاشرے میں متوازن زندگی گزار سکیں۔

مندرجہ بالا دو مفروضوں میں سے پہلا مفروضہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ عقل، فطرت، سابقہ اور موجودہ زمانے کی عملی اور علمی تحقیقات ''اسلامی تعلیمات'' کی صداقت، جامعیت اور آفاقیت کی بھرپور تصدیق کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ ثابت ہو جاتی ہے کہ دوسرا مفروضہ درست ہے۔ واضح رہے مدارس کے طلبہ مروجہ تعلیم کی طرف رجحان رکھتے ہیں لیکن مروجہ تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم افراد عموماً مدارس کی طرف رجحان نہیں رکھتے۔

امامیہ مدارس کے تعلیمی مسائل

مدارس کے اہم مسائل میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ Drop Out Rate کا اضافہ:

مدارس کے اہم مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ مقررہ عرصے سے پہلے درسگاہ چھوڑ کر جانے والے طلبہ کی تعداد (Drop Out rate) میں اضافہ ہے۔

۲۔ مدرسین اور متخصّصین کا فقدان:

قابل مدرسین اور مختلف علوم کے متخصّصین کے فقدان کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ متاثر ہوتا رہتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اسلامیات و عربی کی طرف معاشرے کی بے توجہی اور مدارس کا اپنا نصاب، تخصّص پر مبنی نہ ہونے کی وجہ سے متخصّصین مطلوبہ تعداد میں نہیں ملتے۔

۳۔ وسائل کا فقدان:

مدارس چونکہ مفت تعلیم فراہم کرتے ہیں جبکہ باقاعدہ طور پر ان کے وسائل کا منبع نہیں ہے بلکہ ان کا مالیات دینی جذبے سے دیئے جانے والے عوامی عطیات (Donations) ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کو بہت سارے امور میں تعلیمی وسائل کے فقدان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تعلیمی کمزوریوں اور مسائل کی وجوہات

مدارس علمیہ کی مذکورہ زبوں حالی کے پیچھے بہت سارے عوامل و وجوہات ہیں۔ چند ایک یہ ہیں:۔

ا۔ ناآشنائی یا احساس کا فقدان:

حقیقی اسلامی تعلیمات کی آفاقیت و جامعیت اور ان کے عصری پہلوؤں سے ناآشنائی، تجاہل عارفانہ یا ذمہ داری اور وسائل کے ضیاع کے احساس کے فقدان کی وجہ سے مدارس نے اپنے علمی اور عملی میدان میں قائدانہ کردار سے روگردانی کی ہے۔

۲۔ عصبیت:

اسلامی تعلیمات کے آفاقی پہلوؤں کی جگہ نسلی، علاقائی اور لسانی تعصّبات نے اہلیت اور معیار نے لے لی ہے۔

۳۔ منصوبہ بندی کا فقدان:

روز مرّہ کی تعلیمی سرگرمیوں سے لے کر قومی سطح کے فیصلوں اور اقدامات تک میں جامع اور تحقیق پر مبنی منصوبہ بندی کی بجائے شخصی آراء کو فوقیت حاصل ہے۔

۴۔ تحقیق کا فقدان:

تعلیمی ادارے کے علمی ثمرات (Educational Output) میں دو چیزیں اہم ہوتی ہیں۔

(۱) عملی و علمی تحقیقات (Researches)۔

(۲) افرادی قوت (Skilled & Qualified Manpower)

ان دو ثمرات کے تناظر میں مدارس امامیہ کا تجزیہ کریں تو ان میں عملی تحقیق تو بالکل نظر نہیں آتی اور نہ ہی قابل ذکر علمی تحقیق نظر آتی ہے، جس کی وجہ سے تعلیمی نظام جمود کا شکار ہیں۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کی ترویج و تحفظ کے نام پر بننے والے سینکڑوں مدارس ہیں لیکن پورے ملک میں مذہبی رواداری پر مبنی کوئی قابل ذکر ''قرآن ریسرچ سنٹر'' نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی ''حدیث ریسرچ سنٹر'' ہے۔ مدارس کی سالانہ تحقیقات کا جائزہ لیں اور دوسروں سے تقابل کریں تو صورتحال انتہائی ناگفتہ بہ نظر آتی ہے۔ کہ سینکڑوں مدارس کی تحقیقات انگلیوں پر بھی نہیں گنی جاسکتیں۔ نیز قومی سطح کے اخبارات، رسائل اور جرائد کے مذہبی تحریرات میں

بھی باقی سب سے پیچھے ہی نظر آتے ہیں۔

اک حادثہ عجیب ہوا آدمی کے ساتھ　　تاریک ہو گئی ہے نظر، روشنی کے ساتھ

جبکہ افرادی قوت کی صورتحال یہ ہے کہ پاکستان کے قومی و نجی جامعات کے اسلامیات اور عربک کے کلیات (Faculties) اور شعبہ جات (Departments) میں کوئی ایک بھی پی ایچ ڈی استاد شیعہ نہیں ہے۔ اور نہ قابل ذکر مقدار میں قومی و نجی سطح کے اسلامی تحقیقاتی اداروں میں کہیں مکتب اہل بیت کے پیروکار اپنی خدمات انجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ داخلی طور پر علم و فضل کے حامل افراد کے فقدان کے سبب منبر اور محراب پر نااہل، جاہل اور استعماری افراد نے قبضہ کیا ہے جس کی وجہ سے محراب و ممبر استعماری اسلام کی ترویج کا ذریعہ بن گئے ہیں۔

تحقیق کی بازی میں تو شرکت نہیں کرتا　　ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد

یہاں ہر باشعور کے ذہن میں یہ سوال ابھرتے ہیں کہ:

''کب ہمارے مدارس میں تحقیق کا ماحول وجود میں آئے گا اور ہم علمی میدان کے قومی دھارے میں شامل ہو سکیں گے؟ کب ہمارے مدارس علمی طور پر خود مختار ہوں اور معاشرتی تقاضوں کے مطابق تعلیم و تحقیق کی زمام کو سنبھالیں تاکہ دنیا بھر سے علم و عمل کے متلاشیوں کو اپنی طرف کھینچیں؟

۵۔ اداروں کے مابین روابط کا فقدان:

ہر ادارہ اپنی دنیا میں گم ہے۔ ہدف، منزل (ابتداء و انتہائ) اور راستے کی وحدت کے باوجود ان اداروں میں عملاً باہمی تعاون بہت کم نظر آتا ہے۔ بلکہ ہر ایک اپنی جگہ انفرادی طور پر دینی سرگرمیوں میں مگن ہے۔

۶۔ امانتداری کی بجائے جاگیرداری کا تصور:

بہت سے قومی اور نجی اداروں کی طرح اسلامی تعلیمات کے تحفظ اور فروغ کے دعویدار، اِن دینی اداروں میں بھی ایک عام وبا پھیل چکی ہے اور وہ وبا امانتداری کی بجائے جاگیرداری کا تصور ہے۔ امانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے نام اور اس کے وسائل سے بننے والے یہ ادارے ہمیشہ امین اور اہل ہاتھوں میں رہیں جبکہ جاگیرداری کا ذہن یہ ہے کہ ان اداروں کی زمام ہمیشہ اپنے ہی لوگوں کے پاس رہے اگرچہ وہ امانتداری اور اہلیت کے حامل نہ ہوں۔

۷۔ بیرونی عناصر:

مدارس کی ساکھ کو متاثر کرنے میں سازشی عناصر کا کردار بھی غیر معمولی رہا ہے۔ ان اداروں کی اہمیت اور اثرات کو کم کرکے معاشرے میں ان سے متعلق بے اعتمادی کی فضا قائم کرنا ان عناصر کا واضح اور اہم ہدف رہا ہے جس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

۸۔ معارف قرآن واہل بیت سے انحراف:

معارف قرآن و اہل بیت کسی دَور میں ظالم و جابر حکمرانوں اور متعصب ملاؤں کی وجہ سے معاشرے میں عام نہ ہوسکے لیکن آج کے دور میں سب سے بڑھ کر ہمارے علمی مراکز کی بے توجہی کی وجہ سے معاشرے سے پوشیدہ ہیں (العلم حجاب اکبر) جس کی وجہ سے بیرونی طور پر ناصبیت اور استعماریت کو فروغ حاصل ہو رہا ہے اور داخلی طور پر بدعات اور انحرافات کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

قرآن و اہل بیت سے متمسک ہونے کا دم بھرنے والے مکتب کے پیروکاروں کے دینی اداروں میں قرآن و اہل بیتدونوں کے گرانبہا معارف اور علم اور حکمت کے خزانہ سے کوئی قابل ذکر استفادہ نہیں کیا جاتا بلکہ قرآن و اہل بیت سے متعلق خاص طور پر کوئی مضمون نصاب میں شامل ہی نہیں ہے۔ البتہ تجوید و قرأت کی حد تک قرآن اور عبادات اور معاملات کی کیفیات میں اہل بیت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق معارف اہل بیت نصاب کا حصہ ہیں۔ اس کے علاوہ باقی معارف عمومی نصاب میں شامل ہی نہیں ہیں۔

قرآن واہل بیت قیامت تک کے لیے ہدایت کے الٰہی سرچشمے ہیں اور قیامت تک آنے والے تمام مسائل کا حل قرآن و اہل بیت کی تعلیمات میں بتادیئے گئے ہیں۔ چنانچہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی روز افزوں ترقی کے سبب زمان و مکان کے فاصلے اور موضوعات کی نوعیت میں آنے والی بڑی تبدیلیوں سے متعلق راہنما اصول اور احکام شرعی موجود ہیں لیکن مدارس میں عبادات اور معاملات نیز میڈیکل، صنعت، تجارت اور بینکنگ وغیرہ کے بنیادی احکام کے ساتھ ساتھ جدید تطبیقی مسائل سے متعلق نئی تحقیقات کی تدریس کی بجائے گزشتہ زمانے کے مسائل کی تدریس کی جارہی ہے۔ جس کی وجہ طلبہ خاص کر مبلغین کو دوران تبلیغ معاشرے میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے　　کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

چودہ راہنما اصول یا عصری تقاضے

یہاں چودہ اہم راہنما اصول بیان کیے جارہے ہیں جن پر عمل پیرا ہونا مدارس میں ایک تعلیمی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔

ا۔ منصوبہ بندی:

کسی بھی کام کا مقصد اور ہدف جتنا اہم اور عظیم ہوگا اس کے لیے منصوبہ بندی اتنی ہی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ الٰہی تعلیمات کی روشنی میں تمام انسانیت کی دنیا و آخرت میں سعادت کے عظیم ترین ہدف کے حصول کے لیے جامع اور مؤثر منصوبہ بندی اتنی ہی عظمت اور اہمیت کی حامل ہے۔ لہٰذا اہداف اور ترجیحات کا تعین، وسائل کی

پیمائش، جائزے کا عمل اور دیگر منصوبہ بندی کے بنیادی عناصر کو عملاً پیش نظر رکھنا مدارس میں علمی و عملی انقلاب کا باعث بن سکتا ہے۔

۲۔ نصاب سازی:

اسلامی تعلیمات کی آفاقیت اور جامعیت نیز پاکستانی معاشرے کے دینی، تاریخی، ثقافتی اور معاشرتی تقاضوں سے متعلق زمینی حقائق اور نصاب سازی کے اصولوں (توازن، تسلسل، لچک، قابل فہم، قابل عمل وغیرہ) کے مطابق نصاب سازی کی جائے۔ جس میں دین اور دنیا اور دیگر تقسیموں کی بجائے ماضی کی طرح اسلام کو ایک مکمل جامع ضابطہ حیات کے طور عام طلبہ کے لیے قابل فہم بنا کر پیش کیا جائے۔ جید علمائے کرام، ماہرین تعلیم اور اسلامیات کے دانشور افراد کے ساتھ باہمی مشاورت سے اہداف و ترجیحات اور معاشرتی تقاضوں نیز طلبہ کی فطری رجحانات کے مطابق مختلف مراحل اور مضامین پر مبنی تعلیمی و تربیتی پروگرام شروع کیا جائے۔

متنوع علوم کے ساتھ ساتھ عصری فنون کی بھی تعلیم دی جائے۔ مثلاً علوم میں سے علوم قرآن، علوم حدیث، اخلاق، عقائد، تاریخ و سیرت، فقہی احکام، تقابل ادیان و مذاہب، کلام، فلسفہ نیز اسلام اور صحت، اسلام اور کائنات، (اسلام اور سائنس) اسلام کا معاشرتی نظام، اسلام کا اقتصادی نظام، اسلام کا سیاسی نظام، اسلامی نظام تعلیم، اسلامی بینکنگ، اسلام اور نفسیات، اسلام اور بشریات، اسلام اور جدید دنیا، لسانیات اور دیگر اہم دینی اور عصری مضامین نصاب میں شامل ہوں۔ اور فنون میں، فن تحریر، فن تدریس، فن تحقیق، فن خطابت، فن تبلیغ، فن مدیریت، فن قضاوت، مشاورت اور نصیحت کی مہارتیں، قیادت اور رہبری کی مہارتیں، جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کی مہارتیں وغیرہ اس کے علاوہ ہم نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں کھیل اور ورزش، تعلیمی دورے، علمی مذاکرے، تحقیقی سیمینارز، تجزیہ نگاری وغیرہ شامل کیے جاسکتے ہیں۔

نیز نصاب میں معاشرے کی خواتین، نوجوان نسل اور بچوں کی بہتر اور مؤثر تعلیم و تربیت کے لیے تبلیغی و تربیتی شارٹ کورسز متعارف کراتے جائیں اور مبلغین، ائمہ جمعہ و جماعت، خطبا، اساتذہ، شرعی ججز (قاضی)، اور محققین کے لیے تربیتی (پروفیشنل) کورسز کئے جائیں۔ مندرجہ بالا تمام امور میں اصلی معارف اہل بیت اور ان کی سیرت طیبہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ آٹھویں امام حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشاد گرامی میزان الحکمۃ میں یوں نقل کیا گیا ہے: لوعلم الناس محاسن کلامنا لاتبعونا یعنی لوگ اگر ہمارے کلام کی خوبیوں کو جان لیں تو وہ یقینا ہماری پیروی کریں گے۔

۳۔ تحقیق:

نصاب بھی تحقیق پر مبنی ہو اور مزید تحقیق کو فروغ دینے والا ہو، علمی تحقیق کے ساتھ ساتھ عملی تحقیق کے

ذریعے الٰہی تعلیمات کی وسعت اور صداقت کو دینی اداروں میں واضح ہونا چاہیے۔ نیز مختلف قومی اور نجی سطح کے جامعات کے اسلامیات کے کلیات اور اسلامی تحقیقاتی اداروں میں مکتب اہل بیت کی ترجمانی کے لیے افرادی قوت پیدا کریں۔

۴۔تخصُّص:

سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی اور روز بروز وسعت کا بنیادی راز ''تخصّص'' ہے۔ لہٰذا الٰہی تعلیمات کے بھی وسیع پیمانے پر فروغ کے لیے مختلف اسلامی تعلیمات کے پہلوؤں پر تخصص کرانے کی ضرورت ہے تاکہ عصر حاضر میں اسلامی تعلیمات کے تشنہ تحقیق اور پوشیدہ راہنما پہلوؤں کو عملاً واضح اور آشکار کیا جاسکے۔

۵۔تربیت:

اساتذہ، مدیران اور ملازمین کی دینی و روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی پیشہ وارانہ مہارتوں کو نکھارنے کے لیے تربیت انتہائی ضروری عنصر ہے۔ لہٰذا اساتذہ کی باقاعدہ پیشہ وارانہ تربیت کے لیے تربیتی ادارہ کا قیام عمل میں لایا جائے یا تربیتی کورسز کا اجراء کیا جائے۔ نیز طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ فکری اور عملی تربیت اور معاشرتی مطابقت (Social Adjustment) کے لیے ان کی باقاعدہ تربیت کی جائے۔

۶۔ تطبیق:

لسان آموزی سے لے کر کلام اور فقہ اور دیگر اسلامی تعلیمات کی تطبیقی پہلوؤں پر ابھی تک کوئی قابل ذکر اقدام نہیں اٹھایا گیا ہے۔ لہٰذا مدارس میں تطبیقی تعلیم کا اجراء کیا جائے۔ مثلاً قواعد عربیہ کو Applied Grammar کے اصولوں کے مطابق سکھائے جائیں۔

۷۔ تنوع اور مختلف انفرادی رجحانات کا خیال:

انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے وحدت پر مبنی ہے۔ لیکن جبلت کے لحاظ سے امتیازی خصوصیات پر مبنی ہے۔ انسانی معاشرے کے قیام اور بقاء کے لیے یہ دونوں خصوصیات یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔ ان دونوں کے تقاضے بھی جدا ہیں۔ لہٰذا مدارس میں تمام طلباء کو صرف ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کی بجائے ان کی جبلی، نفسیاتی رجحانات و صلاحیتوں نیز معاشرتی تقاضوں کے مطابق ان کی تعلیم اور تربیت کا بندو بست کیا جائے۔ تاکہ مدارس کی مقصدیت اور افادیت کے بنیادی تقاضوں کو پورے کیے جاسکیں۔

۸۔ترقی اور لچک:

جن اداروں میں مُرور زمان کے ساتھ ترقی اور تبدیلی نہ آئے وہ ادارے جمود کا شکار ہو جاتے ہیں۔ نصاب تعلیم، مدیریت، تعلیم اور تعلم کے اصولوں میں عصری تبدیلیاں نہ آئیں تو ایسے ادارے زمانے کے تقاضوں کو پورا

کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ اور دوسروں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا تعلیمی نظام کے تمام عناصر اور جزئیات میں عصری تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں لائی جائیں۔

۹۔ آفاقیت اور جامعیت:

آج ہمارے دینی ادارے عام لوگوں کے لیے بند ہیں اور وہ ان سے علمی استفادہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی آفاقیت اور جامعیت کو وسعت قلبی اور وسعت نظری کے ساتھ فروغ دیں (جس طرح ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی سیرت رہی ہے) تاکہ ہمارے دینی ادارے نہ صرف تمام مسلمانوں کے لیے مرکز توجہ بنیں بلکہ غیر مسلم لوگوں کے لیے بھی مرکز علم و معرفت قرار پائیں۔

۱۰۔ کم خرچ بالا نشین:

کم خرچ بالا نشین (Cost Effectiveness/ Cost Control System) کے ذریعے اسلام سے ہمدردی کی بنا پر حاصل کیے جانے والے اربوں روپے کی مالیت کے وسائل کے بامقصد، مفید اور موثر استعمال کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو وسیع پیمانے پر فروغ دیا جاسکتا ہے، نیز اسلام دشمن عناصر کے مذموم عزائم اور اقدامات سے اسلام اور مسلمانوں کو تحفظ فراہم کیا جاسکتا ہے اور اپنے فلاحی اقدامات میں تیزی کے ذریعے انسانیت کی خدمت کے الٰہی فریضے کو بھی بطور احسن انجام دیا جاسکتا ہے۔

۱۱۔ باہمی تعاون اور ارتباط برائے اتحاد امت:

بد قسمتی سے مسلمانوں اور مؤمنین کے درمیان پائے جانے والے بہت سے فاصلوں کی جڑیں مدارس میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا اس غیر اسلامی کوتاہ فکری سے نکل کر اپنے عظیم مقاصد کے حصول اور وسائل کے ضیاع کی روک تھام کے لیے مخلصانہ باہمی تعاون اور منظّم ارتباط عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت ہے۔

۱۲۔ معاشرتی مطابقت (Social Adjustment):

مدارس کا بنیادی ہدف تمام انسانیت کی سعادت دارین کی طرف ہدایت ہے جس کا بلا واسطہ ربط معاشرے کے ساتھ ہے۔ چنانچہ انبیاء کرام اور دیگر ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی عملی سیرت کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق حکمت عملی طے کئے۔ نیز اجتماعی اور معاشرتی امور میں بھی قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔ لہٰذا معیشت، قضاوت، صنعت، صحافت، سیاست اور دیگر معاشرتی امور خصوصاً تعلیمی اور تحقیقی میدان میں مدارس کا قائدانہ کردار ہونا چاہیے جس کے لیے ان امور میں بھی تخصص، تحقیق نیز معاشرتی شعور اور مستحکم عوامی رابطے کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

۱۳۔ جدید نظام ہائے تعلیم:

عصر حاضر میں بہت سے نظام ہائے تعلیم وجود میں آئے ہیں جنہوں نے روایتی نظام تعلیم کی جگہ لے لی ہیں۔ یہ نظام ہائے تعلیم آسان، کم خرچ، یکساں، مؤثر، بامقصد اور مفید ہونے کے علاوہ وسیع پیمانے پر تعلیم و تعلم کے عمل کو فروغ دینے میں روز بروز مقبول ہو رہے ہیں، ان میں سے اہم ترین فاصلاتی نظام تعلیم ہے جس کی مختلف قسمیں وجود میں آئی ہیں۔ مدارس اگر ان نظام ہائے تعلیم کو اختیار کریں تو قومی وسائل سے بہت موثر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ فاصلاتی نظام تعلیم کی چند اہم ترین قسمیں یہ ہیں:

۱۔ بذریعہ ڈاک　　۲۔ بذریعہ انٹرنیٹ

۳۔ بذریعہ سیٹلائیٹ چینل　　۱۴۔ جدید ذرائع تبلیغ

وسیع اور مؤثر انداز میں اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے عصری ذرائع تبلیغ کا بھرپور استعمال انبیاء کرام اور ائمہ ہدیٰ کا طریقہ ہے اور عصر حاضر کی ضرورت بھی ہے۔ لہٰذا عصر حاضر کے ذرائع تبلیغ ''جدید سائنس اور ٹیکنالوجی'' (Latest Technology) سے آشنائی اور ان کے مثبت استعمال کی بھرپور مہارت حاصل کرنا انتہائی ضروری عمل ہے تاکہ اسلام دشمن عناصر کے انہی ذرائع سے ہونے والے نظریاتی اور ثقافتی اور مادی حملوں کا سد باب کیا جاسکے نیز الٰہی تعلیمات کو وسیع اور مؤثر انداز میں فروغ دیا جاسکے۔

خلاصہ کلام:

۱۔ اسلامی تعلیمات کے تحفظ، دفاع اور ترویج میں دینی مدارس کا کردار سب سے نمایاں ہے۔

۲۔ پاکستان میں موجود امامیہ دینی مدارس کا روایتی نظام تعلیم عصری اور معاشرتی تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔

۳۔ امامیہ مدارس کے نظام تعلیم میں تبدیلی انتہائی ناگزیر ہے۔

دینی مدارس کے لیے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظیم درسگاہ کو آئیڈل بنانا چاہیے جس میں تمام غیر انسانی امتیازات سے بالا ہو کر ہر انسان کو علم و حکمت سے مستفیض ہونے کا موقع ملتا تھا اور تمام مثبت دینی و عصری علوم بلا تفریق سکھائے جاتے تھے۔ نیز علمی و عملی تحقیق و تخصص عام تھے۔

۴۔ امامیہ مدارس کو اپنی تحقیقات اور متخصص افرادی قوت میں اضافہ کرنا چاہیے تاکہ قومی سطح پر پائے جانے والے تحقیقی اور افرادی خلا کو پُر کیا جاسکے۔

نہیں ہے نااُمید اقبال اپنی کِشتِ ویران سے　　ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

☆☆☆☆☆

اہم مصادر

1۔ تجزیہ نگار کے دس سالہ عرصہ تعلیم (دینی) کے تجربات و مشاہدات
2۔ انٹرویواز سید حسین عارف نقوی، پرنسپل (ر) فیڈرل ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن اسلام آباد
3۔ رے شہری، محمدی، منتخب میزان الحکمۃ، مرکز تحقیقات دار الحدیث، قم، ۱۴۲۵ھ
4۔ ماہنامہ المنتظر، لاہور ماہ اکتوبر ۲۰۰۸
5۔ ڈائریکٹری وفاق المدارس الشیعہ پاکستان لاہور، ۲۰۰۷
6۔ نقوی، حسین عارف، سید، برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف و تراجم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، 1997

7. Qureshi, Col Altaf, Professor, Economics of Education (Study Material M.A EPM, National University of Modern Languages), 2008

8. Education In Pakistan for MA Education, AIOU

9.Rashid, Muhammad, Professor, Curriculum Development & Instruction for M.Ed/ MA Education AIOU,2004

10. Rashid, Muhammad, Professor, Foundation Of Education, AIOU, 2000

11.www. Wikipedia.com/ Madaris

☆☆☆☆☆

تجاویز اور آراء کے لیے:

Email: mhmhussain514@gmail.com

قرآن کریم میں قَسموں کی انواع (۱)

تحقیق: سید عقیل حیدر زیدی المشہدی

seydaqeel@yahoo.com

مقدمہ

قرآن کریم میں قَسموں کے حوالے سے گذشتہ مقالے میں ہم نے بیان کیا تھا کہ '' کلام میں قَسم کی کیا اہمیت ہوتی ہے، قرآن کریم میں بہت سے موارد میں کیوں قسموں کو استعمال کیا گیا ہے، اِن قرآن کریم کی قَسموں اور عام انسانی قَسموں کے درمیان کیا فرق پایا جاتا ہے، نیز قرآن کریم میں قَسموں کا فلسفہ اور فائدہ کیا ہے''، گذشتہ مقالے میں ہم نے ''قرآن کریم میں قَسموں کی اَنواع'' کے عنوان سے بھی گفتگو کرنی تھی لیکن بحث کی طوالت کے باعث اِس عنوان کو آئندہ پر چھوڑ دیا تھا۔ لہٰذا اِس زیرِ نظر مقالے میں ہم اِسی مذکورہ عنوان سے بحث کریں گے، '' قَسم ''اپنی افادیت اور استعمال کی کیفیت کے لحاظ سے اِبتداء میں دو نوع میں تقسیم ہوتی ہے، قَسم یا صریح وظاہر ہوتی ہے، یا غیر صریح و مُضمَر، اور پھر یہ دونوں اَنواع مزید دو دو صورتوں میں تقسیم ہوتی ہیں، ہم بحث کے طولانی ہونے کی وجہ سے اِن اَنواع کو دو حصّوں میں پیش کریں گے:

قرآن کریم میں قَسموں کی اَنواع

الف: صریح وظاہر قَسم:

وہ نوع جو قَسم کے لئے وضع کئے گئے اَلفاظ کے ساتھ ہوتی ہے، اور وہ اَلفاظ جو قَسم کے لئے وضع کئے گئے ہیں یا تو حرف ہیں، جیسے: (باء، تاء اور واوٗ) اور یا وہ اَلفاظ فعل ہیں، جیسے: (حَلَفَ، أَقْسَمَ، آلَ اور اِیْتَلیٰ) اور یا وہ اَلفاظ اسم ہیں، جیسے: (یَمِیْنٌ، أَیْمُنٌ اور عَمْر ُ)۔ لیکن وہ اَلفاظ جو فقط قَسم کے ساتھ اختصاص رکھتے ہیں اور قَسم کے علاوہ معنیٰ نہیں دیتے، وہ فقط فعلِ أَقْسَمَ اور أَحْلَفَ ہیں، اور قَسم کے اَسماء میں سے لفظِ یَمِیْنٌ اور أَیْمُنٌ اُس وقت قَسم کا معنیٰ دیتے ہیں، جب اِن کی اضافت لفظِ ''اَللّٰہ'' کی طرف ہو، لیکن اگر یہ لفظِ ''اَللّٰہ'' کے غیر کی طرف مضاف ہوں، تو قرینہ کے ساتھ قَسم پر دلالت کریں گے، کیونکہ اِن دونوں لفظوں (یَمِیْنٌ وأَیْمُن ٌ) کے متعدّد معنیٰ ہیں([1])۔

اِسی طرح لفظِ '' عَمْرٌ''، قَسم کے لئے عین کے زبر (فَتْحَہ) کے ساتھ آتا ہے، کیونکہ یہ صورت اِس کی دیگر دو صورتوں (عُمْرٌ و عُمُرٌ) کی نسبت خفیف اور آسان تر ہے، اور اِس لحاظ سے کہ زبان عرب میں قسم کا استعمال بہت زیادہ ہے، اس لئے لفظِ '' عَمْر ُ''کے لئے خفیف صورت کو اختیار کیا گیا ہے([2])، یہ لفظ قرآن کریم میں اِسی

صورت میں فقط ایک بار استعمال ہوا ہے: (لَعَمْرُكَ اِنَّهُم لَفِی سَكْرَتِهِم يَعمَهُونَ) ([3]) ''اے پیغمبر ﷺ! آپ کی عمر اور زندگی کی قسم کہ یہ لوگ سخت غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

بعض لغت شناس اِس بات کے قائل ہیں کہ لفظِ ''عَمْرٌ'' لفظِ ''اَللّٰہ'' کی طرف مضاف نہیں ہوتا، کیونکہ اِس کا معنیٰ ''زندگی اور حیات'' ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ''زندگی اور حیات'' کوئی معنیٰ نہیں رکھتی ہے، کیونکہ وہ ایسی ذات ہے جس کا وجود ازلی ہے، اور یہ لفظ اُس کے لئے میں استعمال ہوتا ہے کہ جس کیلئے حیات کا ہونا اور پھر ختم ہو جانا، قابلِ تصوُّر ہو، لیکن اگر اِس لفظ ''عَمْرٌ'' کا معنیٰ ''بقاء اور دوام'' قرار دیں، تو اِس صورت میں اِس کی اضافت ذاتِ پروردگار عالم کی طرف بلا شکّ و شبہ کوئی مانع نہیں رکھتی، اس لئے ہم اِس لفظ کا استعمال عربی اَشعار میں، لفظِ ''اَللّٰہ'' کی طرف اضافت کے ساتھ دیکھتے ہیں، جیسے:

اِذٰا رَضِيَتْ عَلَيَّ بَنُوقُشَيْرٍ　　لَعَمْرُاللّٰهِ أَعْجَبَنِی رِضٰاهٰا ([4])

''جب قبیلہ بنو قشیر مجھ سے راضی ہو جائے گا، تو اللہ کی بقاء و دوام کی قَسَم، اُنکا راضی ہونا مجھے تعجُّب میں ڈالے گا۔''

یہ لفظ ''عَمْرٌ'' زیادہ تر مخاطب کی ضمیر ''کاف'' اور یا متکلِّم کی ضمیر ''یاء'' کی طرف مضاف ہوتا ہے، اور اگر لامِ ابتداء، اِس لفظ پر داخل ہو، تو مبتداء ہونے کی بناء پر مرفوع ہوتا ہے، کیونکہ یہ لام، کلام کی صدارت اور ابتداء چاہتا ہے، اور اگر یہ لفظ لام ابتداء سے خالی ہو تو پھر یا تو مبتداء یا خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہوتا ہے، (اور مبتداء یا خبر میں سے کسی کو ترجیح حاصل نہیں ہے) اور یا یہ لفظ عاملِ جرّ کے حذف ہونے کی بناء پر منصوب ہوتا ہے، جسے اصطلاحاً ''مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ'' کہتے ہیں اور حقیقت میں ''أُقْسِمُ بِعَمْرِكَ'' تھا اور اس سے فعلِ قَسَم اور حرفِ جرّ حذف ہو گئے ہیں۔ ([5])

بعض اِس بات کے قائل ہیں کہ صریح اور ظاہر قَسَم وہ ہوتی ہے، جس میں فعل قَسَم، حروف قَسَم اور مُقْسَمٌ بِہ (وہ چیز کہ جس کے ساتھ قسم کھائی گئی ہو) ذکر ہوئے ہوں، اور یا کم از کم اِن اُمور میں سے اکثر ذکر ہوئے ہوں، اِس طرح سے کہ فعلِ قَسَم حذف ہو گیا ہو، اور واوِ قَسَم اُس فعل کے حذف ہونے پر دلالت کرے، جیسے کہ قرآن کریم کی اکثر صریح اور ظاہر قسموں میں اِسی طرح سے ہے۔ ([6]) نیز صریح وظاہر قَسَم دو طرح کی ہوتی ہے:

اوّل:

وہ قَسَم جو جملہ خبریہ کی تاکید کیلئے آتی ہے، اور اُس خبر کی، جو جوابِ قسم میں ہوتی ہے، تاکید کرتی ہے، اور قَسَم کی یہ نوع بہت زیادہ رائج اور مشہور ہے نیز یہی نوع قرآن کریم کی تمام صریح اور ظاہر قَسَموں کو شامل ہے۔

دوم:
وہ قَسَم جو جملہ اِنشائیہ کی تاکید کرتی ہے، اور طلب، سوال، اَمر و نہی وغیرہ کیلئے آتی ہے، اور قَسَم کی اِس نوع کو ''قسمِ استعطافی'' بھی کہتے ہیں، جیسے: ''بِاللهِ هَلْ زَيْدٌ قَائِمٌ؟''اور یہ قَسم، ہر صورت میں حرف ''باء'' کے ساتھ آتی ہے اور اِس کا استعمال بہت کم ہے، نیز قرآن کریم میں اصلًا استعمال نہیں ہوئی ہے۔ ([7])

قرآن کریم میں قَسَم کے اَلفاظ

زبانِ عرب میں زیادہ تر چار اَلفاظ (قَسَمٌ، حَلْفٌ، يَمِيْنٌ اور اَلِيَّةٌ) کے ذریعہ قَسَم کھائی جاتی ہے، اور یہ چاروں لفظ کسی نہ کسی انداز میں قرآن میں استعمال ہوئے ہیں، اِن چاروں اَلفاظ میں سے ہر ایک کے غور سے سمجھنے اور اِن کے استعمال کو جاننے کے لئے ہم اِن چاروں اَلفاظ کی بطور اختصار وضاحت پیش کرتے ہیں:

۱۔ لفظِ قَسَم:

عربی زبان میں (ق س م) کا مادّہ دو معنی کے لئے آتا ہے، اگر سین کے سکون کے ساتھ (قَسْمٌ) ہو تو اِس کا معنی ''مال کے کسی حصّے کا جزء جزء کرنا، یا مال سے ہر ایک کے حصّے کو جدا کرنا'' ہے، اور اس کی جمع ''اَقسام'' آتی ہے، لیکن اگر یہ مادّہ سین کے فتحہ کے ساتھ (قَسَمٌ) ہو، تو پھر بھی اس کی جمع ''اَقسام'' ہی ہے، (جیسے: سَبَبٌ و أَسْبَابٌ)، اور اِس وقت اِس کا معنی ''قسم کھانا'' ہیں۔ ([8]) اِس مادّہ (قَسَم) سے جو اَفعال، قَسَم کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں، وہ باب اِفعال (أَقْسَمَ)، باب مفاعلہ (قَاسَمَ) جیسے: (وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِيْنَ) ([9]) ''اور (شیطان نے) اُن دونوں سے قَسم کھائی کہ میں تمھیں نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں''، یہاں یہ فعل بابِ مفاعلہ سے دو نفر کے درمیان مشترک نہیں ہے، بلکہ ''سَافَرْتُ شَهْراً'' [میں نے پورے ایک ماہ سفر کیا] کی طرح ہے، اور احتمالِ قوی یہ ہے کہ یہاں یہ فعل مبالغہ کیلئے آیا ہو، مبالغہ کی صورت میں آیت کا معنیٰ اِس طرح ہوگا، ''اُس نے تاکیداً قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا یقینا خیر خواہ اور ہمدرد ہوں''، لیکن اِس بات کا امکان بھی ہے کہ باب مفاعلہ ''قَاسَمَهُمَا'' اِس آیت میں طرفین کے لئے (مشترک) ہو، اور حضرت آدمؑ و حواؑ کے شیطان کی بات سننے کی وجہ سے، یا اُس کی بات کو قبول کرنے کی وجہ سے، اور یا اُس سے قسم کا مطالبہ کرنے کی وجہ سے یہ فعل استعمال ہوا ہو، نیز باب اِفتعال (اِقْتَسَمَ)، باب تفاعل (تَقَاسَمَ)، اور باب استفعال (اِسْتَقْسَمَ) بھی اِسی مادۂ قَسَم سے، قسم کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں، لیکن قرآن کریم میں زیادہ تر بابِ اِفعال کے طور پر ہی استعمال ہوا ہے۔ ([10])

''راغب اصفہانی'' اِس لفظ کے بارے میں لکھتے ہیں، ''قَسَم کی اصل ''قَسَامَة'' ہے اور ''قَسَامَة'' اُس قسم کو کہتے ہیں کہ جسے مقتول کے ورثہ پر تقسیم کیا جاتا ہے، کیونکہ اُنھوں نے یہ دعویٰ کیا ہوتا ہے، مثلاً کہ زید

نے عمرو کو مارا ہے، تو ضروری ہے کہ عمرو کے ورثہ میں سے ہر ایک، قتل کا گواہ و شاہد نہ ہونے کی صورت میں، اپنے اِس دعوے پر قسم کھائے۔'' ([11]) بعض اِس بات کے قائل ہیں کہ '' قَسَامَۃٌ '' وہ قَسَم ہے کہ جو مقتول کے خون کے وارثوں میں سے پچاس افراد، اپنے مقتول کے خون کے استحقاق پر کھاتے ہیں، اُس وقت جب وہ قاتل کو کسی ایک قوم میں سے قرار دیں، لیکن قاتل کو مشخّص طور پر نہ جانتے ہیں، اور اگر مقتول کے خون کے وارثوں میں سے پچاس اَفراد نہ ہوں، تو جو موجود ہوں، ضروری ہے کہ وہ پچاس قَسمیں پوری کریں، اور پھر یہ '' قَسَامَۃٌ '' اسم ہو گیا ہے ہر اُس قسم کیلئے، جو اپنے حق کے ثابت کرنے اور لینے کیلئے کھائی جائے۔ ([12])

لفظِ '' قَسَم '' اسم مصدر ہے یا حاصل مصدر اور یہ لفظ اپنے مختلف مشتقّات کے ساتھ 33 بار قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے، اور اکثر اِس کا استعمال قسم ہی کے معنیٰ میں ہوا ہے، یہ لفظ فعل ماضی (أَقْسَمَ) کے طور پر تقریباً 8 بار اور فعل مضارع (یُقْسِمُ اور اِس کی جمع) کی مختلف صورتوں میں تقریباً 12 بار ذکر ہوا ہے([13])، اور '' ڈاکٹر خلیف '' کا یہ خیال ہے کہ یہ مادّہ '' قَسَم '' فقط مکّی آیات کے ساتھ اختصاص رکھتا ہے۔ ([14]) بعض محقّقین نے اِس مادّہ '' قَسَم '' کے دونوں معنی (جدا جدا کرنا اور قَسَم کھانا) کے درمیان تعلّق و اِرتباط برقرار کیا ہے، اُنھوں نے دوسرے معنی، یعنی '' قسم کھانے '' کو پہلے معنی '' جدا جدا کرنے '' کی طرف پلٹایا ہے، اِس طرح سے کہ قسم بھی حق و باطل کو جدا جدا کرتی ہے اور اِن دونوں کے درمیان فاصلہ ڈالتی ہے، اور نزاع (جھگڑے) وغیرہ میں دوسروں سے اپنا حق لینے کیلئے کھائی جاتی ہے۔ پس دونوں معنیٰ کی بازگشت ایک ہی مطلب کی طرف ہے۔ ([15])

۲۔ لفظِ حَلِف:

اِس مادّہ (ح ل ف) کے لئے بھی اصلی اور بنیادی طور پر دو معنی وجود رکھتے ہیں، ایک قَسَم اور دوسرا عہد و پیمان، اور اِس دوسرے معنیٰ کی بازگشت بھی قَسَم ہی کی طرف ہے، البتّہ کبھی لفظِ '' حَلْف '' تیز دھار چیز کے معنیٰ میں آتا ہے، (جیسے لفظِ '' قَسَم '' جو قطع اور تقسیم کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے) کہا جاتا ہے، '' سِنَانٌ حَلِیْف '' (یعنی تیز دھار تلوار) اور '' لِسَانٌ حَلِیْف '' (یعنی کاٹنے والی زبان) اور لفظِ '' حَلْف '' کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے: (حَلْفٌ وحَلِفٌ)، لیکن دونوں قَسَم کا معنیٰ دیتے ہیں، حَلْف کا اصل معنی '' اَلْعَقْدُ بِالْعَزْمِ '' (یعنی محکم اور مضبوط نیت و عقیدہ) ہے، اور '' حَالِفٌ، حَلّافٌ اور حَلّافَۃٌ '' (بہت زیادہ قسم کھانے والا) کے معنی میں ہیں، اور '' أَحْلَفَ، حَلَّفَ اور اِستَحْلَفَ '' تینوں فعل، قسم کی درخواست اور طلب کرنے کے معنیٰ میں آتے ہیں۔ ([16])

بعض محقّقین نے اِس لفظ کو ''حاء'' کے فتحہ و کسرہ کے ساتھ بھی بیان کیا ہے (حَلْفٌ و حِلْفٌ) لیکن دونوں قَسَم ہی کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں، اور یہ ''حَلْف'' ایسی قَسَم ہے، جس کے ساتھ عہد و پیمان لیا جاتا ہے، لیکن عرفِ عام میں ہر قَسَم کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور یہ لفظ ''دوام اور پائیداری'' کا معنیٰ بھی اپنے ہمراہ رکھتا ہے، کہا جاتا ہے، ''حَلَفَ فُلَانٌ وَحَلِيْفُهٗ'' جب کوئی کسی دوسرے کے ساتھ قسم اور عہد و پیمان میں شریک ہو۔ ([17]) لفظِ ''حَلْف'' اپنے مختلف مشتقّات کے ساتھ 13 بار قرآن کریم میں آیا ہے، اور صرف ایک بار اسم مبالغہ کی صورت میں آیا ہے: (وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِيْنٍ) ([18])، ''تو اے پیغمبر ﷺ اُن منافقوں کی جو ہمیشہ قسم کھاتے رہتے ہیں، اطاعت نہ کرنا''، اور باقی موارد میں بصورت فعل ذکر ہوا ہے۔

کیا لفظِ ''قَسَم'' اور لفظِ ''حَلْف'' آپس میں مترادف ہیں

بعض یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ لفظِ ''قَسَم'' اور لفظِ ''حَلْف'' دونوں مترادف ہیں اور دونوں ایک ہی معنیٰ کو بیان کرتے ہیں ([19])، لیکن دوسرے بعض اِس مترادف ہونے کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ لفظِ ''حَلْف'' قرآن کریم میں جن 13 مقامات پر استعمال ہوا ہے، بغیر کسی استثناء کے، تمام موارد میں یا جھوٹی قسم کیلئے استعمال ہوا ہے، اور یا قسم کھا کر توڑ دی گئی ہے، اور اکثر موارد میں فعلِ ''حَلْف'' کی نسبت منافقین کی طرف ہے۔ علاوہ یہ کہ اِن میں سے گیارہ موارد میں یہ فعل، فعلِ مضارع کی صورت میں آیا ہے، جو کسی کام کے حادث ہونے اور مجدّداً انجام پانے پر دلالت کرتا ہے، یعنی فعلِ مضارع کی دلالت قسم کھانے والوں کے اپنی قسم پر ثابت قدم نہ ہونے پر ہے، جیسے ''وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ'' ([20])، ''اور وہ (منافقین) ہمیشہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ وہ بھی یقیناً تم مومنین سے ہیں، حالانکہ باطن میں تم سے ہم عقیدہ نہیں ہیں۔''

فقط ایک مقام پر لفظِ ''حَلْف'' فعلِ ماضی کی صورت میں آیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے: ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ'' ([21]) یعنی: ''یہ ہے تمھاری قسموں کا کفارہ، جب تم نے قسم کھائی، (اور پھر توڑ ڈالی)۔'' اور قرآن کریم میں فقط یہی ایک مورد ہے، جس میں فعلِ ''حَلْف'' کی ضمیر کی بازگشت مومنین کی طرف ہے، لیکن اِس مقام پر بھی لفظِ ''حَلْف'' سے قسم کھانے (اور بعد میں توڑ دینے) کی بناء پر قسم کا کفّارہ اُن پر مقرّر کیا گیا ہے ([22]) اور قرآن کریم نے بھی اِس ٹوٹی ہوئی قسم کو ''حَلْف'' سے تعبیر کیا ہے۔ ڈاکٹر عایشہ بنت الشاطی قَسَم اور حَلْف کے مترادف ہونے کو ردّ کرتے ہوئے لکھتی ہیں: "لفظِ ''حَلْف'' بغیر کسی استثناء کے تمام موارد میں قسم توڑنے کے لئے آیا ہے، لیکن لفظِ ''قَسَم'' خواہ اِس فعل کی نسبت خداوند عالم کی طرف ہو، یا خواہ اُس کے

غیر کی طرف، کہیں بھی اِس لفظ میں قسم کے توڑنے کا احتمال نہیں ہے، پس اِن دونوں لفظوں میں کوئی ترادُف و یکسانیت نہیں ہے۔" ([23])

جناب مختار سلامی ڈاکٹر عائشہ کی اس بات کا، کہ لفظِ قَسَم اور حَلْف، آپس میں مترادِف نہیں ہیں، جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: '' چار مقامات ایسے ہیں جہاں غیر خدا کی طرف لفظِ '' قَسَم '' سے قسم کھائی گئی ہے، اور اِن مقامات میں یا جھوٹی قسم کھائی گئی ہے اور یا قسم کے توڑنے کا احتمال موجود ہے، اور اگر اِن موارد کے مضمون و سیاق میں غور و فکر اور توجّہ کی جائے، تو واضح ہو جاتا ہے، کہ اِن میں سے اکثر موارد میں جھوٹی قسم کھائی گئی ہے، جیسے: (۔۔۔ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَناً۔۔۔) ([24])، '' اُن کو اللہ کی قسم دیں کہ ہم گواہی کیلئے ہر گز کوئی قیمت نہیں چاہیں گے '' لیکن بعد والی آیات اس پر گواہ ہیں کہ یہ جھوٹی قسم ہے، اور ابن جریر طبری نے اِس قسم کو '' فاجِرہ قسم '' سے تعبیر کیا ہے ([25])، نیز اِسی طرح ایک دوسرے مقام پر لفظِ '' قَسَم '' سے قسم کھائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ) ([26]) یعنی: "وہ دن جب قیامت برپا ہو گی، مجرمین قسم کھائیں گے، کہ وہ ایک ساعت (ایک گھنٹہ یا ایک گھڑی بھر) سے زیادہ دنیا میں نہیں رہے ہیں، اور وہ اِسی طرح سچّ اور حقیقت کی جگہ جھوٹ اور خلافِ واقع بیان کرتے ہیں۔ '' اِس آیت کا ذیل اِس قسم کے جھوٹے ہونے کو بیان کرتا ہے، اور '' راغب اصفہانی '' کے مطابق '' يُؤْفَكُوْنَ '' کا معنی '' اعتقادات میں حق سے باطل کی طرف پھرنا اور انحراف پیدا کرنا ہے، اور نیز گفتار میں سچّ سے جھوٹ کی طرف پھرنا ہے۔ '' ([27])

پس '' قَسَم اور حَلْف '' دونوں اَلفاظ میں تمام اہل لغت کے نزدیک ترادُف و یکسانیت پائی جاتی ہے اور عربی زبان میں مترادِف اَلفاظ کا ہونا قابلِ انکار بھی نہیں ہے، اور ایسے اَلفاظ کا لغتِ عرب میں واقع ہونا، خود ترادُف کے ممکن ہونے پر دلیل ہے، عربی زبان میں ترادُف پیدا ہونے کا سبب، موسمِ حج میں مختلف اَقوام و قبائل کا مکّہ آنا، اور اہل مکّہ و قریش والوں کے ساتھ لین دین اور دیگر معاملات انجام دینا ہے، جس کے نتیجے میں مختلف زبانوں کے کلمات اور اَلفاظ قریش کی لغت میں شامل ہو گئے، اور قریش کے شعراء بھی اِن کلمات کو اپنے اَشعار میں استعمال کرنے لگے، اور کیونکہ قرآن کریم بھی قریش کی زبان میں نازل ہوا، لہٰذا اب یہ دونوں لفظ (قَسَم اور حَلْف) ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور اِن دونوں کے درمیان مکمل طور پر ترادُف حاصل ہو گیا ہے۔ ([28])

۳۔ لفظِ یمین:

اِس کا مادّہ اصلی (ی م ن) ہے، اور '' اَلْيُمْنُ '' کا معنی '' برکت '' ہے اور نون سے پہلے یاء زیادہ کرنے سے، لفظِ

''یَمِیْن'' بنتا ہے، جو ''فَعیل'' کے وزن پر ہے، اور اِس کے متعدّد معنیٰ ہیں، جیسے: انسان کا سیدھا ہاتھ، یا اُس کی سیدھی طرف، یا اُس کی قدرت وطاقت، یا مقام و منزلت وغیرہ، و نیز اِس لفظ کے معانی میں سے ایک معنیٰ ''قَسَم'' بھی ہے اور یہ لفظ لفظاً مؤنث ہے اور اِس کی جمع ''أَیْمَن و أَیْمان'' آتی ہیں، لفظِ ''أَیْمُن'' میم کے ضمّہ کے ساتھ، ''قَسَم'' کیلئے وضع کیا گیا ہے، اور کبھی لامِ تاکید اِس پر داخل ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے، ''لَیْمُنُ اللهِ'' اور اِس صورت میں اِس کا الف (ہمزۂ وصل) ابتداء سے حذف ہو جاتا ہے، اور یہ ''لَیْمُنُ اللهِ'' ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور اِس کی خبر محذوف و مقدّر ہوتی ہے، اور اصل میں ''لَیْمُنُ اللهِ قَسَمِی'' تھا۔([29])

کبھی لفظِ ''أَیْمُن'' سے نون حذف ہو جاتا ہے اور پڑھا جاتا ہے، ''أَیْمُ اللهِ'' اور ہمزہ کا کسرہ ''اِیْمُ اللهِ'' بھی ذکر ہوا ہے، اور بعض درمیان کی یاء بھی حذف کر دیتے ہیں، جیسے: ''أَمُ اللهِ''، اور کبھی فقط میم کو باقی رکھتے ہیں، جیسے: ''مُ اللهِ'' اور بعض میم کی باء کے ساتھ شباہت کی وجہ سے میم کو کسرہ دیتے ہیں، جیسے: ''مِ اللهِ''۔ اِس لفظ ''أَیْمُن'' کی مختلف صورتوں میں سے ''مِنِ اللهِ'' بھی ہے، جس کو تینوں طرح سے قسم کے اسلوب میں استعمال کیا جاتا ہے، یعنی میم اور نون کے ضمّہ کے ساتھ، ''مُنُ اللهِ'' اور دونوں کے فتحہ کے ساتھ ''مَنَ اللهِ'' اور دونوں کے کسرہ کے ساتھ ''مِنِ اللهِ"۔([30])

لفظِ ''یَمِیْن'' سے کوئی ایسا فعل مشتق نہیں ہوتا، جو قسم کے معنیٰ پر دلالت کرے اور زمانے کے ساتھ بھی ملا ہوا ہو، اسلیئے نہیں کہا جاتا: ''یَمَنَ یا أَیْمَنَ''، قرآن کریم میں یہ لفظ اسم کے طور پر مفرد، جمع، اسم تفضیل اور اسم مفعول کی صورت میں استعمال ہوا ہے، اور قرآن کریم کے استعمال کے موارد میں زیادہ تر سیدھے ہاتھ، سیدھی جانب اور کسی کے مقام و منزلت کے بیان کرنے کے لئے آیا ہے، اور قرآن کریم میں یہ لفظ، قسم کے معنیٰ میں اکثر جمع (أَیْمان) کی صورت میں آیا ہے، اور پانچ مقامات پر اِس طرح سے بیان ہوا ہے، جیسے: (وَأَقْسَمُوْا بِاللهِ جَهْدَ أَیْمانِهِمْ) ([31])، ''اور انھوں نے اللہ کی سخت و پختہ قسم کھائی''، اور یہ روش و طریقہ سخت تاکید اور محکم قسم کو بیان کرتا ہے۔

بعض محقّقین لفظِ ''یَمِیْن'' کے اسلوب اور روش قسم میں استعمال کے بارے میں لکھتے ہیں: جو بھی یہ چاہتا تھا کہ قسم کھائے، یا اپنے اور کسی دوسرے کے درمیان کوئی عہد و پیمان برقرار کرے، تو وہ دوسرے سے سیدھا ہاتھ ملاتا تھا، اور دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں کو دباتے تھے، اِس طرح گویا وہ اپنے عہد و پیمان کو مضبوط اور پختہ کرتے تھے، اور کیونکہ یہ ''یَمِیْنٌ'' کا لفظ ''یُمْنٌ'' کے مادّہ سے لیا گیا ہے، جس کا معنیٰ ''برکت'' ہے، لہٰذا ''یَمِیْنُ

اللہِ '' کہنے کے ساتھ کام میں برکت حاصل ہو جاتی ہے، نیز دونوں کے سیدھے ہاتھ کا ایک دوسرے میں ہونا، ایک دوسرے پر اعتماد اور ایک دوسرے کی حمایت کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ ([32])

۴۔ لفظِ اَلِیّۃ:

''أَلِيَّة''، فَعْلِيَةٌ کے وزن پر ہے اور اِس کی جمع ''أَلَايا'' آتی ہے، یہ لفظ بھی ''قسم'' کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے یعنی '' آلَيْتُ'' بمعنی ''حَلَفْتُ'' ہے، اور یہ لفظ قرآن کریم میں فقط دو بار استعمال ہوا ہے، ایک بار بابِ افعال اور ایک بار بابِ اِفتِعال کی صورت میں آیا ہے، جیسے: وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ([33]) یعنی: ''تم میں سے صاحبانِ ثروت اور مال (بخشش اور تفضّل) کے ترک کرنے پر قسم نہ کھائیں۔'' بعض نے اس ''وَلَا يَأْتَلِ'' کو بابِ تفعُّل سے ''وَلَا يَتَأَلَّ'' قرائت کیا ہے، لیکن مشہور قرّاء نے ''وَلَا يَأْتَلِ '' ہی قرائت کیا ہے۔ شریعتِ مقدّسِ اسلام میں ''اِیلاء'' وہ قسم ہے، جو شوہر اپنی بیوی سے مباشرت و ہمبستری ترک کرنے پر کھاتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِّسَابِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ([34]) یعنی: ''وہ لوگ جو اپنی بیویوں کے ساتھ ایلاء کرتے ہیں (اور اُن سے مباشرت ترک کرنے پر قسم کھاتے ہیں) اُن کے لئے چار ماہ انتظار کرنا ہے۔ ''

لیکن کبھی کسی کام سے بغیر شرط ہاتھ اُٹھالیا جاتا ہے اور اس کو بھی ''اِیلاء'' کہتے ہیں، لہٰذا یہ لفظ قسم کے معنٰی میں وسعت پا گیا ہے، اور قسم کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے، اسلئے عربی اشعار میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔([35]) بعض لفظِ ''أَلِيَّة'' کو قَسَم کا معنٰی دینے میں قَسَم کی صریح اور ظاہر نوع سے جانتے ہیں، لیکن دوسرے بعض اِس لفظ کو قَسَم کے فعل کا قائم مقام قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ لفظ اسلوبِ قسم میں بہت کم استعمال ہوا ہے۔

پس ''قَسَم'' کے اِن چاروں اَلفاظ کے لغوی و اصطلاحی معنٰی کو بیان کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ قسم کھانے کے لئے کوئی خاص لفظ نہیں ہے، بلکہ مختلف اسلوب و روشیں موجود ہیں، جو ''قَسَم'' کے معنٰی کا فائدہ دیتے ہیں، اور حقیقت میں ''قَسَم'' کا اصلی مقصد، خبر کو صحیح قرار دینا اور خبر پر تاکید کرنا ہوتا ہے، لہٰذا ہر وہ لفظ جو اِس مقصد کو مکمل طور پر پورا کرے، نحویین اُس جگہ قَسَم کو (اگر ظاہر نہ ہو تو) مقدّر مانتے ہیں۔ اِس لئے علّامہ محمد حسین طباطبائی نے ''قَسَم'' کی تعریف اِس طرح کی ہے: ''خبر اور اِنشاء میں سے کسی ایک کے، کسی دوسری ایسی چیز کے ساتھ، جو شرافت اور اَرزش کی قابلیت رکھتی ہو، ایک خاص طرح کا تعلّق اور ارتباط پیدا کرنا۔'' ([36])

(جاری ہے)

....

حوالہ جات

1۔ علی ابو القاسم عون، أُسْلُوْبُ الْقَسَمِ وَاِجْتِمَاعُهٗ مَعَ الشَّرْطِ فی رِحَابِ الْقُرآنِ الْكَرِيْمِ، ، منشورات جامعۃ الفاتح، ۱۹۹۲م، ص ۱۲۸۔

2۔ مصدر سابق ص ۱۳۲

3۔ سورۂ حجر، آیت ۷۲

4۔ ابو حیان اندلسی، اَلْبَحْرُ الْمُحِيْطُ فی التَّفْسِيْرِ، ج۶، بیروت۔ دار الفکر، ۱۴۱۲ ہجری، ص ۴۹۰

5۔ رجوع کریں: محمد المختار السلامی، اَلْقَسَمُ فی الْلُغَةِ وَ فی الْقُرآنِ، الطبعة الأولى، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۹م، ص ۴۶

6۔ منّاع القطان، مَبَاحِثُ فی عُلُوْمِ الْقُرآنِ، الطبعة الرابعة، بیروت، مؤسّسة الرسالة، ۱۳۹۶ق، ص ۲۹۳؛ شعبان محمد اسماعیل، اَلْمَدْخَلُ لِدِرَاسَةِ الْقُرآنِ وَ السُّنَّةِ وَ الْعُلُوْمِ الْاِسْلَامِيَّةِ، ج1، الطبعة الأولى، مصر، دار الانصار، ۱۴۰۰ق، ص ۵۰۲

7۔ کاظم فتحی الراوی، أَسَالِيْبُ الْقَسَمِ فی الْلُغَةِ الْعَرَبِيَّةِ، الطبعة الأولى، بغداد، الجامعة المستنصريّة، ۱۳۹۷ء، ص ۳۴

8۔ خلیل ابن احمد الفراھیدی، كِتَابُ الْعَيْنِ، ج ۵، بیروت دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ق، ص ۸۶؛ راغب اصفہانی، اَلْمُفْرَدَاتُ فی غَرِيْبِ الْقُرآنِ، چاپ دوم، دفتر نشر کتاب، ۱۴۰۴ق، ص ۴۰۳؛ ابن منظور، لِسَانُ الْعَرَبِ، ج ۱۲، قم مقدس، نشر ادب الحوزة، ۱۴۰۵ق، ص ۴۷۸

9۔ سورۂ اعراف، آیت ۲۱

10۔ رجوع کریں: اَلْقَسَمُ فی الْلُغَةِ وَ فی الْقُرآنِ، گذشتہ، ص ۲۴؛ سید علی اکبر قرشی، قاموس قرآن، ج ۶، تہران، دار الکتب الاسلامیة، بدونِ تاریخ، ص ۷

11۔ اَلْمُفْرَدَاتُ فی غَرِيْبِ الْقُرآنِ، گذشتہ، ص ۴۰۳

12۔ رجوع کریں: أُسْلُوْبُ الْقَسَمِ وَاِجْتِمَاعُهٗ مَعَ الشَّرْطِ فی رِحَابِ الْقُرآنِ الْكَرِيْمِ، گذشتہ، ص ۳۴؛ لِسَانُ الْعَرَبِ، ج ۱۲، گذشتہ، ص ۴۸۱

13۔ رجوع کریں: اَلْقَسَمُ فی الْلُغَةِ وَ فی الْقُرآنِ، گذشتہ، ص ۲۴؛ اَلْمَدْخَلُ لِدِرَاسَةِ الْقُرآنِ وَ السُّنَّةِ وَ الْعُلُوْمِ الْاِسْلَامِيَّةِ، ج ۱، گذشتہ، ص ۴۹۹

14۔ ڈاکٹر یوسف خلیف، دِرَاسَاتٌ فی الْقُرآنِ وَ الْحَدِيْثِ، مصر، دار غریب للطباعة، بدونِ تاریخ، ص ۲۱۲

15۔ رجوع کریں: أُسْلُوْبُ الْقَسَمِ وَاِجْتِمَاعُهٗ مَعَ الشَّرْطِ فی رِحَابِ الْقُرآنِ الْكَرِيْمِ، گذشتہ، ص ۳۴

16۔لسان العرب، ج۹، گذشتہ، ص ۵۳؛کتاب العین، ج 3، گذشتہ، ص ۲۳۱؛ شیخ امین بکری، اَلتَّعْبِیْرُ الْفَنِّیُّ فی الْقُرآنِ الْکَرِیْم، الطبعۃ الثانیۃ، بیروت، دار الشروق، ۱۳۹۶ق، ص ۲۴۸؛ اُسْلُوْبُ الْقَسَمِ وَ اِجْتِناعُه مَعَ الشَّرْطِ فی رِحابِ الْقُرآنِ الْکَرِیْم، گذشتہ، ص ۳۵-۳۶

17۔ قاموس قرآن، ج ۲، گذشتہ، ص ۱۶۵؛ اَلْمُفْرَداتُ فی غَرِیْبِ الْقُرآنِ، گذشتہ، ص ۱۲۹

18۔سورۂ قلم، آیت ۱۰

19۔اُسْلُوْبُ الْقَسَمِ وَاِجْتِناعُه مَعَ الشَّرْطِ فی رِحابِ الْقُرآنِ الْکَرِیْم، گذشتہ، ص ۳۷؛ اَلْقَسَمُ فی اللُّغَةِ وَفی الْقُرآنِ، گذشتہ، ص ۲۱ تا ۲۳، ص ۲۶ اور ص ۳۰

20۔سورۂ توبہ، آیت ۵۶؛ نیز رجوع کریں: سورۂ توبہ، آیت ۴۷

21۔سورۂ مائدہ، آیت ۸۹

22۔رجوع کریں: سورۂ مائدہ، آیت: ۸۹، '' قسم کے اِس کفارے میں تخییر کی بھی رعایت کی گئی ہے اور ترتیب کی بھی، پہلے تین چیزوں کے درمیان تخییر ہے، دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کو لباس پہنائے، اور یا ایک غلام آزاد کرے، اور اگر اِن تینوں میں سے کوئی بھی ممکن نہ ہو، تو پھر تین دن پے در پے روزہ رکھے۔''

23۔عایشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی، اعجاز بیانی قرآن، مترجم: حسین صابری، تہران، شرکت انتشارات علمی و فرہنگی، ۱۳۷۶ش، ص ۲۳۳ تا ۲۳۷؛ نیز رجوع کریں: دِراسات فی الْقُرآنِ وَ الْحَدِیْث، ص ۱۱۲

24۔سورۂ مائدہ، آیت ۱۰۶؛ نیز رجوع کریں: سورۂ مائدہ، آیت ۵۳؛ سورۂ قلم، آیت ۱۷؛ سورۂ روم، آیت ۵۵

25۔ محمد ابن جریر الطبری، جامِعُ الْبَیانِ عَنْ تَأْوِیْلِ آیِ الْقُرآنِ، ج ۷، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۵ق، ص ۱۳۷

26۔سورۂ روم، آیت ۵۵

27۔اَلْمُفْرَداتُ فی غَرِیْبِ الْقُرآنِ، گذشتہ، ص ۱۹

28۔اَلْقَسَمُ فی اللُّغَةِ وَفی الْقُرآنِ، گذشتہ، ص ۲۶ و ۳۰؛ اَلْمُفْرَداتُ فی غَرِیْبِ الْقُرآن، گذشتہ، ص ۴۰۳

29۔اَلْمُفْرَداتُ فی غَرِیْبِ الْقُرآنِ، گذشتہ، ص ۵۵۲-۵۵۳؛ لِسانُ الْعَرَبِ، ج ۱۳، گذشتہ، ص ۴۶۲

30۔لِسانُ الْعَرَبِ، ج ۱۳، گذشتہ، ص ۴۶۲

31۔سورۂ انعام، آیت ۱۰۹؛ نیز رجوع کریں: سورۂ مائدہ، آیت ۵۳؛ سورۂ نحل، آیت ۳۸؛ سورۂ نور، آیت ۵۳؛ سورہ فاطر، آیت ۴۲

32۔سورۂ انعام، آیت ۱۰۹؛ نیز رجوع کریں: سورۂ مائدہ، آیت ۵۳؛ سورۂ نحل، آیت ۳۸؛ سورۂ نور، آیت ۵۳؛ سورہ فاطر، آیت ۴۲

اَلْمُفْرَدَاتُ فی غَرِیْبِ الْقُرآنِ، گذشتہ، ص ۵۵۳؛ قاموس القرآن، ج ۷، گذشتہ، ص ۲۷۳؛ فخر الدین الطریحی، مَجْمَعُ الْبَحْرَیْنِ، ج ۴، تحقیق: سید احمد حسینی، الطبعة الثانیة، بدونِ تاریخ، مکتبة نشر الثقافة الاسلامیة، ۱۴۰۸ق، ص ۵۸۲؛ عبد الحمید الفراہی، أَمْعَان فی أَقْسَامُ الْقُرآنِ، القاهرة، المطبعة السلفیة و مکتبتها، ۱۳۴۹ق = ۱۹۳۰ء، ص ۱۴

33۔ سورۂ نور، آیت ۲۲

34۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۲۶

35۔ اَلْمُفْرَدَاتُ فی غَرِیْبِ الْقُرآنِ، گذشتہ، ص۲۲؛ أَمْعَان فی أَقْسَامُ الْقُرآنِ، گذشتہ، ص ۱۸ و ۲۰؛ اَلتَّعْبِیْرُالْفَنِّیُّ فی الْقُرآنِ الْکَرِیْم، ص ۲۴۸

36۔ محمد حسین طباطبائی، اَلْمِیْزَانُ فی تَفْسِیْرِالْقُرْاٰنِ، ج۶، قم المقدّسہ، جماعة المدرّسین فی الحوزة العلمیّة، بدونِ تاریخ، ص۲۱۸

حضرت امیر المؤمنین امام علی ابن ابی طالبؑ: معلّم عدالت

روشن علی

امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلامء کی ذات گرامی سراپا عدل ہے، یہاں تک کہ ایک مشہور قول ہے کہ قد قتل لشدۃ العدل :آپ عدل میں سخت ہونے کی وجہ سے قتل کئے گئے ہیں۔جس کے متعلق اللہ کے پیارے رسول حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اقضاکم علی۔''([1]) تم سب سے زیادہ انصاف کرنے والا علی علیہ السلام ہے۔اور ''اعلمکم علی۔''([2]) تم میں سب سے زیادہ علم والا علی علیہ السلام ہے۔اور ''انا دار الحکمۃ وعلی بابھا''([3]) میں حکمت کا گھر ہوں اور علی علیہ السلام اس کا دروازہ ہے:''انا مدینۃ العلم و علی بابھا من ارادالعلم فالیات بالباب''۔([4]) میں علم کا شہر ہوں اور علی علیہ السلام اس کا دروازہ ہے، جو علم چاہتا ہے وہ دروازہ کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکر روایت کرتے ہیں کہ جب میں اور رسول اکرم ﷺ شب ہجرت غار سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:''کفی و کف علی فی العدل سواء"۔([5]) میرا ہاتھ اور علی علیہ السلام کا ہاتھ عدل میں برابر ہے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے سامنے کچھ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے ان میں سے ہاتھ بھر کر مجھے عطا کیں وہ ۷۳ تھیں۔اس کے بعد میں حضرت علی علیہ السلام کے پاس آیا اور آپ کے سامنے بھی کھجوریں رکھی ہوئی تھیں اور آپ نے بھی مجھے ہاتھ بھر کر کھجوریں عطا کیں میں نے گنتی کی وہ بھی ۷۳ نکلیں۔ مجھے تعجب ہوا اور میں نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ان یدی و ید علی ابن ابی طالب فی العدل سواء۔''([6]) بے شک میرا ہاتھ اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ہاتھ عدل میں برابر ہے۔آپ کے متعلق حضرت عمر ابن خطاب نے بارہا فرمایا:''لولا علی لھلک عمر''۔([7]) اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔

امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

- انّ اللہ فرض علی الائمّۃ العدلِ ان یقدّروا انفسھم بضعفۃ النّاس کیلا یتبیّغ بالفقیرِ فقرہ۔([8])

اللہ نے عادل اماموں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مفلس و نادار لوگوں کی سطح پر رکھیں تاکہ فقیر لوگ اپنے فقر کی وجہ سے پیچ و تاب نہ کھائیں۔

❖ ولعلّ بالحجاز او الیمامة من لا طمع له فی القرص ولا عهد له بالشّبعِ، او ابیتُ مبطاناً وحولی بطون غرثی و کباداً حرّی او اکون کما قال القائل : وحسبك داء ان تبیت ببطنة وحولك اکباد تحن الی القد۔ ([9])

حجاز و یمامہ میں شاید ایسے بھی لوگ ہوں کہ جنہیں ایک روٹی کے ملنے کی بھی آس نہ ہو، اور انہیں پیٹ بھر کھانا کبھی نصیب نہ ہوا ہو۔ کیا میں اپنا پیٹ بھر کر سویا رہوں اس حالت میں کہ میرے گرد بھوکے اور پیاسے جگر تڑپتے ہوں۔ کیا میں کسی شاعر کے اس شعر کا مصداق بن سکتا ہوں؟: تیری بیماری کے لیے یہی کافی ہے کہ تو پیٹ بھر کر سو جائے، اور تیرے اطراف وہ جگر بھی ہو جو سوکھے چمڑے کو بھی ترس رہے ہوں۔

❖ " أقنعُ من نفسی بان یقال لی امیر المؤمنین ولا اشارکهم فی مکارهِ الدّهر۔ او اکون اسوةً لهم فی جشوبة العیش۔ فما خُلقتُ لیشغلنی اکل الطیّبات کالبهیمةِ المربوطةِ همّها علفها، او المرسلةِ شغلها تقمّمها، تکترشُ من اعلافها و تلهو عمّا یرادُ بها۔ " ([10])

کیا میں اسی میں مگن رہوں کہ مجھے امیر المؤمنین کہا جاتا ہے؟ مگر میں زمانے کی سختیوں میں مؤمنوں کا شریک نہ بنوں۔ اور زندگی کی بدمزگیوں میں ان کے لیے نمونہ نہ بنوں۔ میں اس لیے تو پیدا نہیں ہوا ہوں کہ اچھے اچھے کھانوں کی فکر میں لگا رہوں۔ اس بندھے ہوئے چوپایہ کی طرح جسے صرف اپنے چارے ہی کی فکر لگی رہتی ہے یا اس کھلے ہوئے جانور کی طرح کہ جس کا کام منہ مارنا ہوتا ہے، وہ گھاس سے پیٹ بھر لیتا ہے اور جو اس سے مقصد پیش نظر ہوتا ہے اس سے غافل رہتا ہے۔

❖ واللهِ لان ابیت علی حسك السعدان مسهّداً او اجّر فی الاغلال مصفدًا احبّ الیّ من ان القی الله و رسوله یوم القیامة ظالما لبعض العباد وغاسباً لشیئٍ من الحطام و کیف اظلم احداً لنفس الی البلیٰ تفولها ویطول فی الثریٰ حلولها۔ " ([11])

خدا کی قسم! اگر مجھے سعدان کے کانٹوں پر جاگتے ہوئے رات گزارنی پڑے، اور مجھے زنجیروں میں جکڑ کر کھینچا جائے تو یہ میرے لیے اس سے بہتر ہے کہ میں خدا اور اس کے پیغمبر ﷺ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے خدا کے بندوں پر ظلم کیا ہو یا مالِ دنیا میں سے کوئی چیز غصب کی ہو اور میں اس نفس کی آسودگی کے لیے کسی پر کیونکر ظلم کر سکتا ہوں جو فنا کی طرف پلٹنے والا ہے اور مدتوں مٹی کی تہوں میں پڑا رہے گا۔

عدل کی حیثیت اور مقام

عدل اور انصاف کو اسلام کا سب سے بڑا مقصود سمجھا جاتا ہے ، انبیاء کرام کی بعثت اور ادیان کی آمد ،انسانی نظامِ حیات میں وسیع پیمانے پر اسی عدل کو قائم کرنے کے لیے عمل میں آئی ہے :۔

"لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ"([12])

بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم رہیں۔

بنیادی طور پر کوئی بھی قوم یا مکتبِ فکر، سماجی انصاف کو نظر انداز نہیں کر سکتے ۔ سماجی عدل اور انصاف براہ راست قوموں اور حکومتوں کی بقا سے جڑا ہوا ہے۔قرآنی آیات کی تعبیر میں میزان جسے دوسرے لفظوں میں عدل کہا جاتا ہے، ایک طرف تو کائنات اور پورے نظامِ ہستی پر حاکم ہے :۔

"وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ۔"([13]) اور اسی نے اس آسمان کو بلند کیا اور میزان قائم کیا۔

اسی آیہ کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ فیض کاشانی لکھتے ہیں : 'ووضع المیزان و العدل بان وفّر علی کلّ مستعدٍّ مستحقّه ووفی کلّ ذی حقٍّ حقّه حتّٰی انتظم امر العالم و استقام کما قال رسول اللہ صلّی اللہ علیه و آله وسلّم بالعدلِ قامت السّمٰوات والارضُ۔"([14])

اللہ تعالی نے میزان اور عدل کو قائم کیا اس طرح کہ ہر صاحب استعداد ،جو حقدار ہے ،پر عنایت کرے اور ہر حقدار کو اس کا حق دے یہاں تک کہ امرِ عالَم منتظم ہو کر سیدھا ہو جائے ۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا عدل ہی کی وجہ سے ساتوں آسمان اور زمین قائم ہیں۔

انہیں امیر المؤمنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا : ''العدل اساس به قوام العالم''۔([15]) عدل بنیاد ہے اور اسی پر پوری کائنات کا سہارا ہے۔اور : '' العدل اقوی اساس۔"([16]) عدل قوی ترین بنیاد ہے۔

یہ عدل کی اسلامی تعبیر ہے ، جس پر تمام کائنات کا سہارا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عدل نہ ہوتا تو اس کائنات کا وجود بھی نہ ہوتا پس یہ کائنات اسی عدل کی وجہ سے قائم ہے۔آسمان سے پانی برسنا اور زمین سے اناج کا پیدا ہونا یہ سب عدل ہے۔

دوسری طرف عدل انسانی حیات کے نظام پر حکمراں ہونا چاہیے تاکہ وہ عدل کے دائرہ سے خارج نہ ہو "اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ۔ ([17]) تاکہ تم میزان میں تجاوز نہ کرو۔ پس اسی آیہ کریمہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عدل انسانوں کی زندگی کے نظام کو افراط اور تفریط سے محفوظ کرتا ہے۔ یعنی نہ اپنے دائرہ حدود سے خارج کرتا ہے اور

نہ ہی اپنی حدود سے گھٹاتا ہے۔جب حضرت علی علیہ السلام سے عدل اور سخاوت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

"العدل یضع الامور مواضعھا و الجود یخرجھا عن جھتھا والعدل سائس عام والجود عارض خاص والعدل اشرفھما و افضلھما۔''([18])

عدل امور کو اپنی جگہ پر برقرار کرتا ہے، لیکن سخاوت امور کو ان کی اپنی جہت سے خارج کر دیتی ہے، عدل ایک عام اور وسیع سیاست گر ہے لیکن سخاوت اُسی سے مخصوص ہوتی ہے جس سے سخاوت کی جاتی ہے لہٰذا عدل سخاوت سے اشرف اور افضل ہے۔

اس قول کو نقل کرنے کے بعد علامہ مرتضی مطہری شہید تحریر کرتے ہیں کہ :۔" علی علیہ السلام کی نظر میں وہ اصول جو معاشرے کے توازن کو برقرار رکھتے ہیں اور جس کے ذریعے سب کو خوش رکھا جا سکتا ہے وہ عدل ہے، معاشرے کے جسم کو سلامتی اور اس کے روح کو سکون دے سکتا ہے تو وہ عدل ہے۔ ظلم وجور اور تجاوز میں اتنی طاقت نہیں کہ جو خود ظالم کی روح کو یا اس شخص کو جس کے فائدے کے لیے ظلم کیا جارہا ہے اس کو سکون دے سکے، تو کہاں ہو سکتا کہ وہ معاشرے کے مظلوم اور پامال شدہ طبقے کو مطمئن کر سکے۔ عدل وہ وسیع راستہ ہے جو سب کو شامل کئے بغیر کسی مشکل کے ان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور ظلم وہ تنگ اور پیچیدہ راستہ ہے جو خود ظالم کو بھی اس کی منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتا۔ "([19])

امام نے اس قول میں عدل اور سخاوت کا موازنہ کرتے ہوئے عدل کو ترجیح دیتے ہیں یہ استدلال کرتے ہوئے کہ سخاوت اگرچہ پسندیدہ اور قابل ستائش عمل ہے لیکن ہر جگہ یہ سخاوت موثر نہیں ہوتی اور نہ ہمیشہ بخشش کی صفت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بخشش اور سخاوت معاشرے میں نظامِ عدل کے درہم برہم ہونے کا سبب بنتی ہے۔ بعض افراد کے حق میں سخاوت سے کام لینا بعض افراد کا حق غصب ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن عدل ایسا نہیں ہے۔اگر ہر انسان کو اس کا واقعی اور حقیقی حق دیدیا جائے تو کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہوتا اور نہ کسی کا حق ضائع ہوتا ہے۔ لہٰذا عدل سیاست میں، معاشرہ میں ، حکم اور قانون میں ، فیصلہ میں ، حقوقِ مالی اور سزا وغیرہ کے مسائل میں ایک ایسا عمومی محور ہے، جس کے پرتو میں سب امان محسوس کرتے ہیں اور اپنے حقوق ضائع ہونے سے متعلق وحشت اور اضطراب کا احساس نہیں کرتے۔

حضرت علی علیہ السلام ایک اور مقام پر قرآن کی آیۃ:" انّ اللہ یامربالعدل والاحسان''کی تشریح کرتے ہیں : ''العدل الانصاف والاحسان التفضل۔''([20]) عدل کا مطلب انصاف ہے اور احسان کا مطلب بخشش کرنا ہے۔ ایک اور مقام پر عدل کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں :۔

"انّ العدل میزانُ اللهِ سبحانه الذی وضعه فی الخلق و نصبه لاقامة الحقّ فلا تخالفه فی میزانه و لا تعارضه سلطانه۔"([21])

بیشک عدل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ترازو ہے، جس کو اس نے اپنے بندوں کے لیے وضع کیا ہے اور حق کو قائم کرنے کے لیے اس کو نصب کیا ہے، پس اللہ سبحانہ سے اس ترازو کے بارے میں مخالفت نہ کرنا اور نہ ہی اس کی حکومت میں اس سے ٹکرانا۔

عدل زندگی ہے

اب یہاں پر عدل کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کے چند اقوال نقل کئے جارہے ہیں جو عبد الواحد الآمدی التمیمی نے اپنی کتاب "غرر الحکم و درر الکلم" میں تحریر کئے ہیں:

"العدل حیاة الاحکام۔" عدل احکام کی زندگی ہے۔([22])

"العدل حیاة''۔ عدل زندگی ہے۔"([23])

امام موسی کاظم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے قول'' یحی الارض بعد موتها'' کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: ''لیس یحییها بالقطر، و لکن یبعث الله رجالا فیحیون العدل فتحی الارض لاحیاء العدل، و لاقامة الحد لله انفع فی الارض من القطر اربعین صباحا۔''([24])

اللہ تعالی زمین کو (صرف) بارش کے قطروں سے زندہ نہیں کرے گا لیکن (زمین کو زندہ کرنے کے لیے) لوگوں کو مبعوث کرے گا جو عدل کو زندہ کریں گے پھر زمین زندہ ہو جائے گی عدل کے زندہ ہونے سے اور حدود اللہ کے قیام سے زمین سے فائدہ حاصل کیا جائے گا۔

عدل سیاسی کے متعلق آپ کے چند اقوال

" العدل فضیلة الانسان۔"([25])　عدل انسان کی فضیلت ہے۔

اور :۔ "العدل فضیلة السلطان۔"([26])　عدل حکمران کی فضیلت ہے۔

"العدل نظام الامرَةِ۔"([27])　عدل حکومت کا نظام ہے۔

''العدل قوامُ الرعیّة۔''([28])　عدل رعیت کا قوام ہے۔

''العدل یصلح البریة۔''([29])　عدل مخلوق کی اصلاح کرتا ہے۔

''الرعیة لا یصلحها الا العدل۔''([30])　عوام کی اصلاح عدل کے ہی ذریعے ہو سکتی ہے۔

''اعدل فیما ولیت۔''([31])　　جن لوگوں کا حکمران بنوان میں عدل قائم کرو۔

''اعدل تدم لك القدرة۔''([32])　　عدل قائم کرو تاکہ تمہاری طاقت دوام حاصل کر سکے۔

عدل کی بنیاد، ایمان ہے

اس میں شک نہیں کہ ہر شخص، خاص طور سے اگر وہ اقتدار کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، عدل کا مدعی ہے لیکن ان میں سے کون سچا ہے؟ اس کا معیار کیا ہے؟ کون عدل پسندی کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ جس کی بات حجت ہو۔

اصولاً عدل کا سرچشمہ کیا ہے؟ عدل کی نمود انسان کی باطن سے ہے یا اس کے وجود کے باہر سے؟

ان تمام سوالوں کا صرف ایک ہی جواب ہے، وہ یہ ہے کہ : عدل انسان کے باطن سے نمود حاصل کرتا ہے، اور اس کا سرچشمہ صرف ایمان ہے اور دوسری شاخیں اسی سرچشمہ سے نکلی ہوئی ہیں جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام ایک خطبے میں مؤمن کی صفات بیان کرتے ہیں: ''قد الزم نفسه العدلَ فکان اوّل عدلِه نفی الهوٰی عن نفسه۔''([33])

اس نے اپنے لیے عدل کو لازم کرلیا ہے چنانچہ اس کے عدل کا پہلا قدم خواہشات کو اپنے نفس سے دور رکھنا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل متقی و پرہیز گار انسان کی صفات میں سے ایک اہم صفت ہے جو اسے اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کرنے سے روکتی ہے۔ اور خواہشات پر قابو اس وقت پایا جاتا ہے جب انسان کا اندر صاف ہو اور اس کا ایمان مضبوط ہو۔ اسی طرح ایک اور قول میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"العدل رأس الایمان، جماع الاحسان و اعلی المراتب الایمانِ۔ ([34])

عدل ایمان کا سر، احسان کا مجموعہ اور ایمان کے اعلیٰ مراتب میں سے ہے۔ یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدل کی بنیاد ایمان ہے۔ حضرت علی علیہ السلام عدل کو ایمان کا ستون سمجھتے ہیں کہ :۔

''الایمانُ علیٰ اربع دعائم :علی الصبرِ و الیقینِ والعدل والجهاد۔۔۔۔ العدلُ منها علی اربع شعب: علی غائص الفهم، وغور العلم، وزهرة الحکم و رساخة الحلم۔''([35])

ایمان کے چار ستون ہیں صبر، یقین، عدل اور جہاد اس میں سے عدل کی بھی چار شاخیں ہیں (اول) عدل تہوں تک پہنچنے والی فکر ہے (دوم) علم کی گہرائی ہے، (سوم) فیصلہ کی خوبی ہے اور (چہارم) عقل کی پائداری ہے۔ ان چاروں شاخوں کا ایک دوسرے سے ربط بیان کرتے ہیں کہ :۔

''فمن فهم علم غور العلم و من علم غور العلمِ صدر عن شرائع الحكم و من حلم لم يفرّط فی امره و عاش فی الناسِ حميدا۔''([36])

چنانچہ جس نے غور و فکر کیا، وہ علم کی گہرائیوں سے آشنا ہوا اور جو علم کی گہرائیوں میں اترا، وہ فیصلے کے سرچشمہ سے سیراب ہو کر پلٹا اور جس نے حلم و بردباری اختیار کی اس نے اپنے معاملات میں کوئی کمی نہیں کی اور لوگوں میں نیک نام رہ کر زندگی بسر کی۔

یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل کی دو قسمیں ہیں اوّل اخلاقی عدل، جس کی بنیاد ایمان اور نیک و صالح اعمال ہیں اور دوّم سماجی عدل اور انصاف ہے۔ ان دونوں قسموں میں سے عدلِ اخلاق، سماجی عدل کی اساس قرار پائے گا کیونکہ اگر افرادِ معاشرہ اخلاق کی صفت سے آراستہ نہ ہونگے تو معاشرے میں سماجی عدل کا قیام مشکل ہو سکتا ہے۔ اس بناپر جبکہ افراد میں ایمان، اخلاق، خداترسی اور تقویٰ نہ ہو اسی صورت میں اجتماعی عدل کی توقع ایک خام خیال ہے۔ انسانی معاشرہ کی مشکلیں، جابروں اور ظالموں کا تسلط، طبقہ بندیاں اور ناانصافیاں یہیں سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اسی لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ انسان کا تزکیہ نفس کرکے اسے صحیح انسان بنایا جائے اور یہ انبیاء کرام کی آمد کا بھی مقصد ہے جیساکہ ارشاد ربّانی ہے:۔

"هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔" ([37])

"اس نے ان پڑھ لوگوں میں رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی۔"

اس آیہ کریمہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے پہلے انسان کے اخلاق درست ہوں اور اس کا اندر پاک و پاکیزہ بن جائے اس کے بعد ان کے ہاتھوں میں معاشرے کی باگ ڈور سونپی جائے تاکہ علم اور حکمت کی بدولت معاشرے میں عدل کی حاکمیت اور سماجی انصاف کا صحیح قیام کرے۔

ظلم اور اس کی اقسام

چونکہ عدل کی ضد ظلم ہے اس لیے ضروری ہے کہ ظلم کی بھی وضاحت کی جائے۔ حضرت علی علیہ السلام ظلم کی تین اقسام بیان کرتے ہیں:۔

''اِنَّ الظُّلم ثلاثةٌفظلمٌ لایُغفرُ و ظلمٌ لایُترکُ و ظلمٌ مغفورٌ لایُطلبُ۔'' ([38])

"بے شک ظلم کی تین اقسام ہیں، ایک وہ ظلم ہے جو بخشا نہیں جائے گا، دوسرا ظلم وہ ہے جو چھوڑا نہیں جائے گا۔ تیسرا ظلم وہ ہے جو بخشا جائے گا اور اس کی بازپرس نہیں ہوگی۔"

پہلا ظلم: "فامّا ظلم الذی لا یُغفَر فالشِّرکُ باللہ قالَ اللہ تعالیٰ۔ "انَّ اللہ لا یغفرُ ان یُشرک بہ"۔ ([39]) لیکن وہ ظلم جو بخشا نہیں جائے گا وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ: اللہ اس ظلم کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔

دوسرا ظلم: " امّا ظلمُ الذی لا یترك فظلمُ العبادِ بعضھم بعضاً۔ القصاصُ ھُناك شدیدٌ لیس ھو جرحاً بالمدیٰ ولا ضرباً بالسِّیاطِ، ولٰکنَّہُ ما یُستصغَرُ ذالك معہٗ۔ ([40])

وہ ظلم جو چھوڑا نہیں جائے گا وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے، جس کا آخرت میں سخت بدلہ لیا جائے گا۔ وہ چھریوں سے کچوکے دینا اور کوڑوں سے مارنا نہیں ہے بلکہ ایک سخت عذاب ہے جس کے مقابلے میں یہ چیزیں بہت ہی کم ہیں۔

تیسرا ظلم: " امّا ظلمُ الذی یُغفرُ فَظُلمُ العبدِ نفسہٗ عندَ بعضِ الھناتِ۔" ([41])

وہ ظلم جو بخشا جائے گا وہ ہے جو بندہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کا مرتکب ہو کر اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام ظلم، بے عدالتی اور ناانصافی کو معاشرے کی سب سے بڑی مصیبت اور بلا سمجھتے ہیں یہاں پر آپ علیہ السلام کے ظلم کے متعلق چند اقوال بیان کئے جا رہے ہیں۔

ظلم کو آخرت کا بدترین توشہ کہتے ہیں: "بئس الزاد الی المعاد العدوان علی العباد۔ " ([42]) آخرت کا بدترین توشہ اللہ کے بندوں پر ظلم اور ستم کرنا ہے۔ظالم کو ظلم کی سزا ہر صورت میں ملے گی:

"ولئن امھل الظالم فلن یفوت اخذہ وھولہ بالمرصاد علی مجاز طریقہ و بموضع الشّجا من مساغ ریقہ۔" ([43])

اگر ظالم کو مہلت دی جائے تب بھی وہ انتقام کے پنجے سے بچ نہیں سکتا اللہ اس کی کمین گاہ اور گذرگاہ پر ہے اور ظلم کی سزا ہڈی کے مانند ظالم کے گلے میں پھنس جائے گا۔

ظلم کی اقسام میں سے سرکشی اور جھوٹ ہیں جو انسان کو ذلیل کرتے ہیں: ''وانّ البغی والزور یذیعان المرء فی دینہ و دنیاہ ویبدیان خللہ عند من یعیبہ۔'' ([44])

سرکشی اور جھوٹ انسان کو دین اور دنیا میں خوار اور ذلیل کر دیتے ہیں اور نکتہ چینی کرنے والے کے سامنے ان کی خامیاں کھول دیتے ہیں۔اور:

"و ظلم الضعیف افشح الظلم۔ ([45]) ضعیف پر ظلم کرنا سب سے بدترین ظلم ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا اپنے گورنروں کو عدل اور انصاف کا حکم

امام علی علیہ السلام کے خطبوں، خطوط اور اقوال میں عدل اور انصاف کا حکم موجود ہے اور اپنے تمام گورنروں کو

عدل اور انصاف قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ جب زیاد ابن ابیہ کو عبداللہ ابن عباس کی قائم مقامی میں فارس اور اس کے ملحقہ علاقوں کا گورنر مقرر کیا تو اسے یہ ارشاد فرمایا:

"استَعمِلِ العدلَ واحْذَرِ العسفَ والحَيفَ؛ فإنَّ العسفَ يعدُ بالجلاءِ والحيفَ يدعو الى السّيفِ۔" ([46]) عدل کی روش پر چلو بے راہ روی اور ظلم سے کنارہ کشی کرو، کیونکہ بے راہ روی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں گھر بار چھوڑنا پڑے گا اور ظلم انہیں تلوار اٹھانے پر مجبور کرے گا۔"

ایک اور مقام پر اپنے گورنر مالک اشتر کو ارشاد فرمایا: '' انصف الله و انصف النّاس من نفسك و من خاصة اهلك و مَن لك فيه هوًى من رعيّتك، فإنّك ان لا تفعلْ تظلمْ، و من ظلم عباد اللهِ كان اللهُ خصمه دون عباده و من خاصمه الله ادحض حجته و كان الله له حرباً حتّى ينزع او يتوب، و ليس شيء ادعىٰ الى تغيير نعمة الله و تعجيل نقمته من اقامة على ظلمٍ، فإنّ الله سميع دعوة المضطهدين و هو بالظالمين بالمرصاد۔'' ([47])

اپنی ذات کے بارے میں اور اپنے خاص عزیزوں اور رعایا میں سے اپنے دل پسند افراد کے معاملے میں اللہ تعالیٰ اور انسانوں سے متعلق انصاف کرتے رہنا۔ عدل اور انصاف نہ کرنا ظلم ہے، پس اگر تم نے انصاف نہ کیا تو ظالم ٹھہروگے۔ اور جو خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو بندوں کے بجائے اللہ اس کا دشمن بن جاتا ہے اور جس کا اللہ دشمن ہو وہ اس کی ہر دلیل کو کچل دیتا ہے اور اللہ اس سے برسرپیکار رہے گا، یہاں تک کہ باز آجائے اور توبہ کر لے۔ اور اللہ کی نعمتوں کو سلب کرنے والی اور اس کی عقوبتوں کو جلد بلاوا دینے والی کوئی چیز اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ ظلم و ستم پر باقی رہا جائے۔ بے شک اللہ مظلوموں کی پکار سنتا ہے اور ظالموں کے لیے موقع کا منتظر رہتا ہے۔

ظالم سے مظلوم کا حق لینا اور اسے حق کے راستے پر لے آنا حاکم اسلامی کی ذمہ داری ہے جس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ: " ايم الله لانصفنّ المظلوم من ظالمه و لاقودنّ الظالم بخزامته حتّى اورده منهل الحق و ان كان كارهاً۔ ([48])

خدا کی قسم میں مظلوم کا حق ظالم سے لوں گا اور ظالم کو گریبان سے پکڑ کر اسے حق کے راستے پر لے آئوں گا چاہے اسے برا ہی کیوں نہ لگے۔ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام اپنے عاملین کے نام ایک مکتوب میں ارشاد فرمایا: '' و لولم يكن فيما نهى الله عنه من البغيِ و العدوانِ عقاب يُخافُ لكان فى ثوابِ اجتنابه ما لا عذرَ فى تركِ طلبه فَانصفوا النّاسَ من انفسِكم۔'' ([49])

خدا نے ظلم اور سرکشی سے جو روکا ہے اس پر سزا کا خوف نہ بھی ہوتا جب بھی اس سے بچنے کا ثواب ایسا ہے کہ اس کی طلب سے بے نیاز ہونے میں کوئی عذر نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا لوگوں سے عدل اور انصاف کا رویہ اختیار کرو۔

حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ میں عدل کا دائرہ

حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ میں عدل کے دائرے کی وسعت اتنی تو پھیلی ہوئی ہے کہ اس کی شعاع انسانی زندگی کے دائرے سے نکل کر تمام حیوانات، نباتات اور جمادات تک کو گھیرے ہوئے ہے:

''واتّقوا اللہ فی عبادہٖ و بلادہٖ فاِنّکم مسئولونَ حتّٰی عن البقاع و البھائم۔''([50])

اے لوگو! خدا کے بندوں اور اس کے شہروں کے معاملے میں تقویٰ اختیار کرو کیونکہ تم سے حتیٰ کہ زمین کے خطوں اور جانوروں کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔

حضرت علی علیہ السلام کا نظریہ عدل انسان تو کیا حیوانات، نباتات اور جمادات تک کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ خداوند عالم کی بارگاہ میں ان کے حقوق کے متعلق سوال ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام کا عدل

امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

''واللہِ لان ابیت علی حسك السعدان مسھّداً او اجّرفی الاغلال مصفدًا احبّ الیّ من ان القی اللہ و رسولہ یوم القیامۃ ظالما لبعض العباد وغاسباً لشیئٍ من الحطام و کیف اظلم احداً لنفس الی البلیٰ قفولھا ویطول فی الثریٰ حلولھا۔''([51])

خدا کی قسم! اگر مجھے سعدان کے کانٹوں پر جاگتے ہوئے رات گزارنی پڑے، اور مجھے زنجیروں میں جکڑ کر کھینچا جائے تو یہ میرے لیے اس سے بہتر ہے کہ میں خدا اور اس کے پیغمبر ﷺ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے خدا کے بندوں پر ظلم کیا ہو یا مالِ دنیا میں سے کوئی چیز غصب کی ہو اور میں اس نفس کی آسودگی کے لیے کسی پر کیونکر ظلم کر سکتا ہوں جو فنا کی طرف پلٹنے والا ہے اور مدتوں مٹی کی تہوں میں پڑا رہے گا۔

"سعدان": ایک خار دار جھاڑی ہے جسے اونٹ چرتا ہے۔"([52])

امیر المؤمنین علی علیہ السلام عدل کو اتنا پسند کرتے ہیں اور ظلم سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ اگر انہیں ساری رات اسی سعدان کے کانٹوں کے اوپر گزارنی پڑے یا زنجیروں کے طوق بنا کر آپ کی گردن میں ڈال کر آپ کو گھسیٹا جائے صرف اس وجہ سے کہ اللہ کے بندوں میں سے کسی پر ظلم اور ناانصافی کریں تو ذرہ برابر بھی ظلم اور ناانصافی نہیں کریں گے۔ یہ صرف ادعا نہیں ہے، بلکہ انہوں نے عملی طور سے ثابت بھی کر دیا کہ جو کچھ فرماتے

ہیں وہ منزلِ عمل میں اس سے زیادہ پابند ہیں۔ اس کے بعد سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے اپنے بھائی عقیل کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :۔

"واللهِ لقد رأيتُ عقيلا و قد املق حتّى استماحنى من برّكم صاعاً و رأيتُ صبيانه شعث الشعورِ غبر الالوانِ من فقرهم كانّما سوّدت وجوههم بالعِظْلِم۔''(53)

اللہ کی قسم میں نے عقیل کو سخت فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا، یہاں تک کہ وہ تمہارے حصہ کے گیہوں میں سے ایک صاع مجھ سے مانگتے تھے۔ میں نے ان کے بچوں کو بھی دیکھا جن کے بال بکھرے ہوئے تھے اور فقر و بے نوائی سے رنگت تیرگی مائل ہو چکے تھے گویا ان کے چہرے نیل چھڑک کر سیاہ کر دیے گئے ہیں۔

آپ عقیلؑ اور ان کی اولاد کی کیفیت اور حالت بیان کرنے کے بعد عقیل کے اصرارِ طلب کو اور اپنے جواب کو بیان کرتے ہیں :

"وعاودنى مؤكّداً و كرّر علىّ القول مردّداً فاَصغيتُ اليه سمعى فظنّ انّى ابيعه دينى و اتّبع قيادة مفارقاً طريقى۔ فاحميتُ له حديدةً ثمّ اذنيتها من جسمه ليعتبربها فضجّ ضجيج ذى دنفٍ من المها، و كاد ان يحترق من ميسمها فقلتُ له ثكلت الثواكلُ يا عقيلُ اتئنُّ من حديدةٍ احماها انسانهاللعبه، وتجرّنى الى نارٍ سجرها جبّارها لغضبه۔ اتئنُّ من الاذى و لا ائنُّ من لظى۔''(54)

وہ اصرار کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور اس بات کو بار بار دہرایا، میں نے ان کی باتوں کو کان لگا کر سنا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ میں ان کے ہاتھوں اپنا دین بیچ ڈالوں گا اور اپنی روش چھوڑ کر ان کی کھینچ تان پر ان کے پیچھے ہو جاؤں گا۔ مگر میں نے کیا یہ کہ ایک لوہے کے ٹکڑے کو تپایا اور پھر ان کے جسم کے قریب لے گیا تا کہ عبرت حاصل کرے، چنانچہ وہ اس طرح چیخے جس طرح کوئی بیمار درد اور کرب سے چیختا ہے اور قریب تھا کہ ان کا جسم اس داغ دینے سے جل جائے پھر میں نے ان سے کہا اے عقیل رونے والیاں تم پر روئیں کیا تم اس لوہے کے ٹکڑے سے چیخ اٹھے ہو جسے ایک انسان نے ہنسی مذاق میں تپایا ہے اور تم مجھے اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو کہ جسے خدائے قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا ہے تم تو اذیت سے چیخو اور میں جہنم کے شعلوں سے نہ چلاؤں۔

حضرت علی علیہ السلام کی یہ عدل پسندی جو ان کے اپنے خاندان کے عزیز ترین افراد پر بھی پوری قاطعیت کے ساتھ عمل میں آتی ہے یہ آپ علیہ السلام کے بے مثال زہد و تقوی کا نتیجہ ہے۔

اسی سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے امام علی علیہ السلام ایک اور واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ :۔'

"و اعجبُ من ذالك طارق طرقنا بملفوفةٍ فی وعائها ، و معجونةٍ شنِئْتُها کانّما عجنت بریقِ حیّةٍ او قیئها ، فقلتُ اَصِلَة ام زکوٰة ام صدقة فذالك محرّم علینا اهل البیت ، فقال لا ذا و لا ذاك ولکنّها هدیة ۔ فقلت هبلتْك الهبولُ ، أَعن دین اللهِ اتیتنی لتخدعنی ، أَمختبرِ ط انت ام ذو جِنّةٍ ام تهجر۔''([55])

اس سے عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص رات کے وقت گوندھا ہوا حلوہ ایک سر بند برتن میں لیے ہوئے ہمارے گھر پر آیا جس سے مجھے ایسی نفرت تھی کہ محسوس ہوتا تھا کہ جیسے سانپ کی تھوک میں یا اس کی قے میں گوندھا گیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کیا یہ صلہ ہے یا زکوۃ ہے یا صدقہ ہے کہ جو ہم اہل بیت پر حرام ہے۔ تو اس نے کہا نہ یہ ہے نہ وہ ہے بلکہ یہ تحفہ ہے۔ تو میں نے کہا رونے والیاں تجھ پر روئیں کیا تو دین کے راستے سے مجھے فریب دینے کے لیے آیا ہے یا بہک گیا ہے؟ یا پاگل ہو گیا ہے یا یونہی ہذیاں بک رہا ہے۔

عدل حضرت علی علیہ السلام کی رگ رگ میں موجود تھا جس کی وجہ سے ظلم سے بیحد نفرت کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی چھوٹی سی معصیت سے بھی نفرت کرتے ہیں چاہے اس کے مقابلہ میں کتنا ہی بڑا انعام کیوں نہ ملے

"واللهِ لو اُعطیتُ الاقالیمَ السبعةَ بما تحت افلاکها علی ان اَعصِیَ اللهَ فی نملةٍ اسلبها جلبَ شعیرةٍ ما فعلتُ۔"([56])

خدا کی قسم ! اگر ہفت اقلیم ان چیزوں سمیت جو آسمانوں کے نیچے ہیں مجھے دے دیے جائیں ، اس بدلے میں کہ صرف اللہ کی اتنی معصیت کروں کہ میں چیونٹی سے جَو کا چھلکا چھین لوں تو کبھی بھی ایسا کبھی نہیں کروں گا۔

اور اپنی نظر میں دنیا کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں :''و انّ دنیاکم عندی لاهونُ من ورقةٍ فی فمّ جرادةٍ تقضمها۔''([57]) اور بے شک یہ تمہاری دنیا تو میرے نزدیک اس پتی سے بھی زیادہ بے قدر و قیمت ہے جو ٹڈی کے منہ میں ہو کہ جسے وہ چبا رہی ہو۔

دنیا کے عیش و عشرت کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور اس سے بچنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ :

" مَا لِعلیٍّ و لنعیم یفنی و لذّةٍ لا تبقیٰ ، نعوذُ باللهِ من سبات العقلِ وقبح الزّللِ و به نستعینُ۔''([58]) علی علیہ السلام کو فنا ہونے والی نعمتوں اور باقی نہ رہنے والی لذتوں سے کیا واسطہ ہم عقل کے خوابِ غفلت میں پڑ جانے اور لغزشوں کی برائیوں سے خدا کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور اسی سے مدد کے خواستگار ہیں۔

تقسیم بیت المال میں عدل

امیر المؤمنین علی ابن طالب علیہ السلام جب ظاہری خلافت کو اپنے ہاتھوں میں سنبھالا بیت المال کی تقسیم

میں پیغمبر اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق جس شہر میں جو مال جمع ہوتا اسی شہر کے مستحقین میں تقسیم کر دیتے اور اگر وہاں سے کچھ بچ کر آتا تو بیت مال میں سمیٹ رکھنے کے بجائے اسے مستحقین میں تقسیم کر کے بیت المال خالی کر دیتے:

''ما کان یدع فی بیت المال مالا یبیت فیه حتی یقسمه الا ان یشغله شغل فیصبح الیه۔''([59])آپ نے یہ نوبت نہیں آنے دی کہ رات گزاریں اور مال بیت المال میں پڑا رہے بلکہ رات سے پہلے اسے تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ البتہ اگر کوئی مانع ہوتا تو صبح ہونے دیتے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے بیت المال کی تقسیم میں اعلی و ادنی، قرشی اور غیر قرشی، آزاد و غلام سب کا حق مساوی سمجھتے تھے۔ اور رنگ و نسل اور قومیت و وطنیت کی بنا پر امتیاز گوارا نہ کرتے تھے اور یہ اعلان کر دیا تھا کہ میں سب امتیازات ختم کر دوں گا۔ عقیل نے یہ اعلان سنا تو حضرت سے کہا کہ آپ مجھے اور مدینہ کے ایک حبشی غلام کو ایک سطح پر رکھیں گے۔ تو حضرت نے انہیں فرمایا:

اجلس رحمك الله و ما فضلك علیه الا بسابقة او تقوی۔ بیٹھئے خدا تم رحم کرے اگر تم کو اس پر فضیلت ہو سکتی ہے تو سبقت اور تقوی کی بنا پر (نہ کہ بیت المال کی تقسیم میں۔) ([60])

ایک مرتبہ دو عورتیں حضرت کے پاس آئیں حضرت نے ان دونوں کو برابر برابر دیا اس پر ایک نے کہا میں عربیہ اور آزاد ہوں اور یہ غیر عربیہ اور کنیز ہے۔ اور آپ نے ہم دونوں کو ایک ہی درجہ پر سمجھ لیا حالانکہ میں مرتبہ کے اعتبار سے بلند تر ہوں۔ حضرت نے زمیں سے مٹی اٹھائی اور اس پر نظر کرنے بعد فرمایا:۔

''ما اعلم ان الله فضل احدا من الناس علی احد الا بالطاعة و التقوی۔''

میرے علم میں نہیں کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہو مگر اسے جو طاعت و تقوی میں بڑھا ہوا ہو۔([61])

ایک مرتبہ سہل ابن حنیف اپنے حبشی غلام کو لے کر حضرت کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یہ بیت المال میں سے اپنا حصہ لینے کے لیے آیا ہے، آپ اسے کیا دیں گے۔ فرمایا کہ تمہیں کیا ملا ہے کہا کہ سب کو تین تین دینار ملے ہیں۔ فرمایا کہ اسے بھی تین دینار دیئے جائیں گے۔([62])

ایک مرتبہ آپ کی ہمشیرہ ام ہانی بنت ابی طالب آپ کے ہاں آئیں آپ نے بیت المال میں سے بیس درہم انہیں دیئے۔ انہوں نے واپس پلٹ کر اپنی ایک عجمیہ کنیز سے دریافت کیا کہ تمہیں امیر المؤمنین نے کیا دیا ہے، اس نے کہا بیس درہم یہ سن کر جناب ام ہانی حضرت کے پاس آئیں اور کہا کہ آپ نے جو کنیز کو دیا ہے وہی مجھے دیا ہے حالانکہ میرا حق فائق ہے۔ حضرت نے فرمایا:۔

انی و اللہ لا اجد لبنی اسمٰعیل فی ھٰذا الفئ فضلا علی بنی اسحٰق۔

خدا کی قسم میں نے کہیں نہیں پایا کہ اس مال میں بنی اسماعیل کو بنی اسحاق پر کوئی فوقیت حاصل ہے۔ ([63])

امیر المؤمنینؑ کی بلند نفسی اس کی قطعاً روادار نہ ہو سکتی تھی کہ وہ قرابت و عزیز داری کی بناء پر اپنے نظریہ تقسیم بیت المال میں تبدیلی پیدا کریں اور جانبداری سے کام لے کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے امتیازی برتاؤ روا رکھیں خواہ بہن ہو یا بھائی بیٹا ہو یا بیٹی۔آپ نے تقسیم بیت المال میں وہی طرز عمل اختیار کیا جو پیغمبر اکرم ﷺ کا تھا۔ نہ بیت المال میں مال جمع کر رکھا اور نہ تقسیم میں رنگ و نسل کا امتیاز کیا بلکہ عدل و مساوات کے جو پیمانے وضع کئے اور حق و انصاف کے جو معیاری نمونے پیش کئے دنیا اس کی مثال پیش کرنے قاصر ہے

حضرت علی علیہ السلام کا حکام کو عدل کا حکم

امام علی علیہ السلام کے خطبوں ، خطوط اور اپنے عمال نیز مددگاروں کو دیے گئے فرامین میں ہمیشہ عوام کے ایک ایک فرد کے ساتھ عدل اور انصاف سے پیش آنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے

"انّ افضل قرّۃ عین الولاۃِ استقامۃ العدل فی البلاد و ظھور مودّۃِ الرّعیّۃ ، و انّہ لا تظھرُ مودّتھم الّا بسلامۃ صدورھم۔" ([64])

بے شک حکمرانوں کے لیے سب سے بڑی آنکھوں کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ شہروں میں عدل اور انصاف برقرار رہے اور رعایا کی محبت ظاہر ہوتی رہے۔ ان کی محبت اس وقت ظاہر ہوا کرتی ہے کہ جب ان کے دلوں میں میل نہ ہو۔

حکمرانوں کو عوام کے ساتھ خیر خواہی سے پیش آنے کا حکم دیتے ہیں کہ :۔

"ولا تصحُ نصیحتھم الّا بحیطتھم علی ولاۃ الامور و قلّۃِ استثقالِ دولھم و ترک استبطاءِ مدّتھم۔" ([65])

اور ان کی خیر خواہی اسی صورت ثابت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے حکمرانوں کے گرد حفاظت کے لیے گھیرا ڈالے رہیں۔ ان کا اقتدار سر پر پڑا بوجھ نہ سمجھیں اور نہ ان کی حکومت کے خاتمے کے لیے گھڑیاں گنتے رہیں۔

حکمرانوں کو عوام کے کارناموں کی تعریف کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ " فافصح فی آمالھم و واصل فی حسن الثناءِ علیھم و تعدید ما ابلیٰ ذوو البلاءِ منھم ، فانّ کثرۃ الذکر لحسن افعالھم تھزُّ الشجاع و تحرض النّاکل ان شاء اللہ۔" ([66])

لہٰذا ان کی امیدوں میں کشائش اور وسعت رکھنا انہیں اچھے لفظوں میں سراہتے رہنا اور ان کے کارناموں کا تذکرہ کرتے رہنا اس لیے کہ ان اچھے کارناموں کا ذکر بہادروں کو جوش میں لے آتا ہے اور پست ہمتوں کو ابھارتا ہے انشاء اللہ۔

حضرت علی علیہ السلام حکمرانوں کو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اپنی ذات سے بھی انصاف دلائیں:

فأنصفوا النّاس من انفسکم واصبروا لحوائجھم۔" ([67]) پس اپنے معاملے میں لوگوں سے عدل اور انصاف کرو اور ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں برداشت سے کام لو۔ حکمران عوام کے نمائیندے ہیں اور ان کی دولت کے خزانچی ہیں: "فإنّکم خزّان الرّعیّة و وکلاء الامّةِ وسفراء الائمّةِ۔" ([68]) اس لیے کہ تم رعیت کے خزانچی اور امت کے نمائندے اور اماموں کے سفیر ہو۔

سیاسی نظام میں عدل

دینی حکومت کا فلسفہ ہی قیامِ عدل ہے۔ لہٰذا اس قسم کی حکومت میں ظالم اور ستمگر کو رہبری کی کوئی اجازت نہیں اور نہ ہی ظالم حاکمیت کی کوئی شرعی حیثیت ہے۔ عدل اور قیامِ عدل ایک الٰہی عہد و پیمان اور شرعی تکلیف و ذمہ داری ہے۔ آپ نے حکومت کو قبول کرنے کا مقصد یوں بیان کرتے ہیں:۔

" ما اخذ اللہ علی العلماءِ ان لا یقارّوا علی کظّة ظالمٍ ولا سغب مظلومٍ۔" ([69])

اللہ تعالی نے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ ظالم کی شکم سیری اور مظلوم کی بھوک پر راضی نہ ہوں۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک، مخلص اور اہلِ علم بندوں پر یہ فرض ہے کہ وہ ظالم کے ظلم اور مظلوم کی مظلومیت پر خاموش نہ رہیں بلکہ عدل اور انصاف قائم کرنے کی بھرپور کوشش کرتے رہیں۔ حکام کا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل عدل اور انصاف کا قیام ہونا چاہیے:۔

"ولیکن احبّ الامور الیک اوسطھا فی الحقّ و اعمّھا فی العدل واجمعھا رضا الرعیّةِ۔" تمہارے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ عمل ہونا چاہیے، جو حق کے لحاظ سے سب سے زیادہ درمیانی ہو اور عدل کی رُو سے سب زیادہ عام ہو اور رعایا کو سب سے زیادہ رضامند کرنے والا ہو۔ ([70])

قرآن وسنت سے حصول عدل کا حکم

قرآن کریم اللہ کا کلام ہونے کی وجہ سے اس میں علم اور عدل کے چشمے موجود ہیں جس سے انسان وابستہ ہو کر عدل کا خوگر بن جاتا ہے لہٰذا اسی باغ اور چمن میں داخل ہو کر سیاسی نظامِ عدل کو قائم رکھا جا سکتا ہے:۔ "فھو معدن الایمان وبحبوحتہ وینابیع العلمِ وبحورہ و ریاض العدلِ وعذرانہ۔" ([71])

وہ ایمان کا معدن و مرکز ہے اس سے علم کے چشمے پھوٹتے اور دریا بہتے ہیں اس میں عدل اور انصاف کے چمن اور حوض ہیں۔

قرآن کریم کے بعد عدل کا مرکز اور محور آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی میں عدل اور انصاف ہی کو قائم رکھا، اس لیے ہدایتِ عدل آپ ﷺ ہی سے حاصل کی جائے، جس طرح نہج البلاغہ میں ارشاد ہے:

"فھو امامن اتّقٰی و بصیرۃ من اھتدیٰ سراج لمع ضوؤہ و شھاب سطع نورہ و زند برق لمعہ، سیرتہ القصد و سنّتہ الرشد و کلامہ الفصل، حکمہ العدل۔" (72)

آپ ﷺ پرہیز گاروں کے امام ہیں ہدایت حاصل کرنے والوں کے لیے بصیرت ہیں، آپ ﷺ ایسا چراغ ہیں، جس کی روشنی لو دیتی ہے، اور ایسا روشن ستارہ ہیں، جس کا نور ضیاء پاش ہے، اور ایسا چقماق ہے، جس کی ضو شعلہ فشاں ہے، آپ ﷺ کی سیرت سیدھی راہ پر چلنا اور سنت ہدایت کرنا ہے، آپ ﷺ کا کلام حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا ہے اور حکم عین عدل ہے۔

حضرت علی علیہ السلام امام مہدی کی عادلانہ حکومت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"فیریکم کیف عدل السیرۃ و یحیی میت الکتاب و السنّۃ۔" (73)

پس وہ تمہیں دکھائے گا کہ حق و عدل کی روش کیا ہوتی ہے اور وہ دم توڑ چکنے والی کتاب اور سنت کو پھر سے زندہ کر دے گا۔

قیام عدل کے عوامل

عدل دو صورتوں میں قائم ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ انسان کا اندر پاک اور صاف کیا جائے جیسا سورۃ جمعہ کی آیۃ نمبر ۲ میں گذر چکا۔ اور لوگوں کے ذہنوں میں ایک ایسی طاقت و قوت کا خوف دلایا جائے کہ کبھی نہ کبھی اس کی گرفت میں جانا ہے اور اس کی عدل کے کٹہرے سے نکلا نہیں جا سکتا۔ اس بات کی گواہی قرآن کریم میں اس طرح موجود ہے: "انّما تنذر من اتّبع الذکر و خشی الرّحمٰن بالغیب۔"۔ (74)

بے شک آپ ان لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کی اتباع کرتے ہیں اور غیب میں رحمان سے ڈرتے ہیں اسی طرح حضرت علی علیہ السلام مؤمن کی صفات بیان کرتے ہیں کہ: " فکان اوّل عدلہ نفی الھوٰی عن نفسہ۔" (75) پس سب سے پہلا اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کی نفی کرے۔ اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں پر قائم رکھے۔

حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں قیام عدل کے موانع وہ اعمال جو اجرائے عدل میں رکاوٹیں بنتے ہیں ان کی وضاحت درج ذیل پیش کی جارہی ہے۔

(الف) جانبداری کرنا

اقتدار ایک ایسی چیز ہے، جو کسی کو مل جائے تو وہ اس منصب کی وجہ سے جانبداری کرنے لگ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عدل اور انصاف قائم نہیں کر سکتا: "من ملك استاثر۔" ([76]) جو اقتدار حاصل کر لیتا ہے جانبداری کرنے ہی لگتا ہے۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام اپنے گورنر مالک اشتر کو اس جانبداری سے روکتے ہیں کہ:

''ایّاك والاستیثار بما النّاس فیه اسوة والتغابی عما تعنی به ممّا قد وضح العیونُ فإنّه مأضوذ منك لغیرك و عما قلیل تنکشف عنك اغطیة الامور وینتصف منك للمظلومِ۔" ([77])

دیکھو! کسی چیز کو اپنے لیے مخصوص نہ کر لینا، جس میں سب کا حق برابر ہے، اور نہ ایسی باتوں سے انجان بن جانا جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ خود غرضی سے جو کچھ حاصل کروگے تمہارے ہاتھ سے چھن جائے گا اور دوسروں کو دیدیا جائے گا۔ جلد ہی تمہاری آنکھو پر سے پردے اٹھ جائیں گے اور تم سے مظلوم کی داد خواہی کی جائے گی۔

(ب) ناانصافی

ناانصافی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ ہے کہ حقوق میں تمام عوام کو برابر نہ سمجھا جائے اور بعض کو بعض پر ترجیح دی جائے:۔

" فإنّ الوالی اذا اختلف هواه منعه ذالك کثیراً من العدل فلیکن امر النّاس عندك فی الحقّ سواء فإنّه لیس فی الجور عوض من العدل۔'' ([78])

بے شک جب حاکم کے رجحانات مختلف ہوں گے تو یہ امر اس کو اکثر عدل اور انصاف پروری سے مانع ہوگا، لہٰذا حق کی رُو سے سب لوگوں کا معاملہ تمہاری نظروں میں برابر ہونا چاہیے، کیونکہ ظلم کبھی بھی عدل اور انصاف کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

اپنے ہر عمل کو اچھا سمجھنا، چاہے وہ برا ہی کیوں نہ ہو اور دوسروں کے اعمال کو برا سمجھنا، چاہے اچھا ہی کیوں نہ ہو، وہ عدل اور انصاف کے قیام میں رکاوٹ اور ناانصافی کا سبب بنتا ہے۔ اسی لیے حضرت علی علیہ السلام اس طرح کے فعلِ قبیح سے منع کرتے ہیں کہ:۔

"فاجتنب ماتنکر امثاله، وابتذل نفسك فیما افترض الله علیك، راجیا ثوابه، ومتخوّفا عقابه۔" ([79])

اور دوسروں کے جن کاموں کو تم برا سمجھتے ہو، ان سے اپنا دامن بچا کر رکھو، اور جو کچھ خدا نے تم پر واجب کیا ہے، اسے انہاک سے بجالاتے رہو، اور اس کے ثواب کے امیدوار اور اس کی سزا کا خوف قائم رکھو۔

حق سے بھاگنا عدل کے قیام میں مانع ہوتا ہے:۔

"فلا تأسف على ما يفوتك من عددهم و يذهب عنك من مددهم فكفٰى لهم غيّاً و لك منهم شافيًا فرارهم من الهدٰى و الحق و ايضاعهم الى العمٰى و الجهل۔ ([80])

اس تعداد پر جو نکل گئی ہے اور اس کمک پر جو جاتی رہی ہے ذرا افسوس نہ کرو، ان کے گمراہ ہو جانے اور تمارے اس اندوہ سے چھٹکارا پانے کے لیے یہی بہت ہے کہ وہ حق اور ہدایت سے فرار کر رہے ہیں اور گمراہی و جہالت کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ دنیا کی طرف جھکنا بھی عدل کے قیام میں مانع ہوتا ہے:۔

" وانّما هم اهل دنيا مقبلون عليها و مهطعون اليه۔" ([81])

یہ دنیادار ہیں، جو دنیا کی طرف جھک رہے ہیں اور اسی کی طرف تیزی سے لپک رہے ہیں۔

حق کو چھوڑ کر ظلم کا ساتھ دینا بھی عدل کے قیام میں مانع ہوتا ہے:۔

" قد عرفوا العدل و رأوه و سمعوه و علموا انّ النّاس عِندنا فی الحق اسوة فهربوا الى الاثرةِ فبعدًا لهم و سحقا، انهم واللهِ لم ينفروا من جورٍ ولم يلحقوا بعدل۔" ([82])

انہوں نے عدل کو پہچانا، دیکھا، سنا اور محفوظ کیا اور اسے خوب سمجھ لیا کہ یہاں حق کے اعتبار سے سب برابر سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ ادھر بھاگ کھڑے ہوئے جہاں جنبہ داری اور تخصیص برتی جاتی ہے۔ اللہ کی قسم یہ لوگ ظلم سے نہیں بھاگے اور عدل سے جا کر نہیں چمٹے۔

(ج) کسی کو کسی پر ترجیح دینا

اپنے خاص لوگوں کو ہر معاملے میں ترجیح دینے سے عدل قائم نہیں ہو سکتا اسی وجہ حضرت علی علیہ السلام اپنے ایک گورنر کو اس طرح کے فعل سے روکتے ہیں کہ:۔

"انّ للوالی خاصة و بطانة فيهم استئثار و تطاول و قلّة انصاف فی معاملة ۔ فاحسم مادّة اولئك بقطع اسباب تلك الاحوال۔" ([83])

حاکم کے کچھ خاص اور سرچڑھے لوگ ہوا کرتے ہیں جن میں خود غرضی، دست درازی، بد معاملگی ہوا کرتی ہے۔ تمہیں ان حالات کے پیدا ہونے کی وجوہات ختم کرکے اس گندے مواد کو ختم کر دینا چاہیے۔

اپنے قریبی لوگوں کو جاگیریں عطا کرنا بھی عدل اور انصاف کے قیام میں مانع ہوتا ہے جس سے منع کرتے ہیں کہ:

"ولا تقطعنّ لاحد من حاشيتك وحامتك قطيعة و لايطمعنّ منك فى اعتقاد عقدة تضرّ بمن يليها من النّاس فى شرب او عمل مشترك يحملون مؤونته على غيرهم " ([84])

اپنے کسی حاشیہ نشین اور قرابت دار کو جاگیر نہ دینا اور اسے تم سے توقع نہ باندھنا چاہیے، کسی ایسی زمین پر قبضہ کرنے کی جو آبپاشی یا کسی مشترکہ معاملے میں اس کے آس پاس کے لوگوں کے لیے ضرر رساں ہو، یوں کہ اس کا کچھ بوجھ دوسرے پر ڈال دے۔

اور اپنے قریبی لوگوں کو دوسروں پر ترجیح دینے سے حکمرانوں پر ایک قسم کا دھبہ لگ جاتا ہے جو کبھی اترتا نہیں:

"فيكون مهناً ذالك لهم دونك وعيبه عليك فى الدنيا والآخرة۔" ([85])

اس صورت میں اس کے خوش گوار مزے تو اس کے لیے ہوں گے نہ تمہارے لیے، مگر اس کا بدنما دھبہ دنیا اور آخرت میں تمہارے دامن پر رہ جائے گا۔

(د) ضعف نفس (کمزوری و سستی دکھانا)

کمزوری دکھانے سے نہ صرف عدل اور انصاف قائم نہیں ہوتا بلکہ اس سے ذلت اور مصیبت ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

"فمن ترك رغبة عنه البسه الله ثوب الذلِ و شملة البلآئِ وديّث بالصغار والقمائِ و ضرب على قلبه بالاسداد۔" ([86])

جس نے اس کو چھوڑ دیا اللہ اسے ذلت اور خواری کا لباس پہناتا ہے اور مصیبت و ابتلا کی چادر اوڑھا دیتا ہے، اور ذلتوں اور خواریوں کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے اور مدہوشی و غفلت کا پردہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ اور۔

" واديل الحق منه بتضييع الجهادِ وسيم الخسف ومنع النصف۔" ([87])

اور جہاد کو ضایع اور برباد کرنے سے حق اس کے ہاتھ سے لے لیا جاتا ہے، ذلت اسے سہنا پڑتی ہے اور انصاف اس سے روک لیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک اور خطبے میں سستی اور کاہلی کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "لاينمع الضيم الذليل ولايدرك الحق الا بالجدِّ۔" ([88])

ذلیل آدمی ذلت آمیز زیادتیوں کی روک تھام نہیں کر سکتا اور حق تو بغیر کوشش کے نہیں ملا کرتا۔

اس سے ظلم اور زیادتیوں کو روکا نہیں جاسکتا اور نہ ہی عدل اور انصاف قائم ہو سکتا ہے:۔

"وکانّی انظرُالیکم تکشون کشیش الضباب لا تاخذون حقا ولا تمنعون ضیما۔" ([89])

گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس طرح کی آوازیں نکال رہے ہو جس طرح سوساروں کے اژدہام کے وقت ان کے جسموں کے رگڑ کھانے کی آواز ہوتی ہے، نہ تم اپنا حق لیتے ہو اور نہ توہین آمیز زیادتیوں کی روک تھام کر سکتے ہو۔ ظلم سے نجات نہیں ملتی : "قد خلّیتم والطّریق فالنجاۃ للمقتحم والھلکۃ للمتلوّم۔" ([90])

تمہیں راستے پر کھلا چھوڑ دیا گیا ہے، نجات اس کے لیے ہے، جو اپنے آپ کو جنگ میں جھونک دے اور جو سوچتا ہی رہ جائے اس کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔اور نہ ہی عدل اور انصاف قائم ہو سکتا ہے :۔

"أَظأرُکم علی الحق و انتم تنفرون عنہ نفور المعزی من وعوعۃ الاسد ھیھات ان اطلع بکم سرار العدل او اقیم اعوجاج الحق۔" ([91])

میں تمہیں نرمی و شفقت سے حق کی طرف لانا چاہتا ہوں اور تم اس سے اس طرح بھڑک اٹھتے ہو جس طرح شیر کی گرج سے بھیڑ بکریاں۔ کتنا دشوار ہے کہ میں تمہارے سہارے پر چھپے ہوئے عدل کو ظاہر کروں یا اس حق میں پیدا کی ہوئی کجیوں کو سیدھا کروں۔

.....

حوالہ جات

1۔النعمان بن محمد التمیمی المغربی (متوفی ۳۶۳ھ) : شرح الاخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار، ج۱، ص۹۱، ناشر موسسۃ النشر الاسلامی قم، ایران۔ اور مناقب آل ابی طالب، لابن شہر آشوب (متوفی ۵۸۸ھ) ص ۳۱۲، مطبعۃ الحیدریۃ النجف الشرف۔

2۔الشیخ محمد بن یعقوب الکلینی (متوفی ۳۲۹ھ)، الکافی، ج ۷، ص ۴۲۴، طبع الثالث ۱۳۶۷ھ، دار الکتب الاسلامیہ، ایران قم۔

3۔ محمد بن عیسی الترمذی، سنن الترمذی، ج۵، ص ۳۰۱، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۳ھ، دار الفکر البیروت لبنان) ابن بطریق الاسدی الحلی (۶۰۰ھ)، العمدۃ، ص ۲۸۵، طبع الاولی ۱۴۰۷ھ، مؤسسۃ النشر الاسلامی قم)

4۔ محمد ابن محمد الحاکم النیشاپوری (۴۰۵ھ) مستدرک الحاکم، ج ۳، ص ۱۲۷، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۶ھ)۔

5۔الشیخ المفید (۴۱۳ھ) الامالی، ص ۲۹۳، قم ایران۔ابن عساکر (۵۷۱ھ) تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۴۲، ص ۳۶۹، دار لفکر، ۱۴۱۵ھ)

6۔تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۳۶۹۔

7۔الشیخ الصدوق (۳۸۱ھ) من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۳۶ طبع الثانیہ ۱۳۰۳ھ ایران۔

8۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۷، ص ۵۸۵۔

9۔ایضا مکتوب ۴۵، ص ۳۷۷) (ترجمہ جوادی، مکتوب ۴۵، ص ۵۵۸)
10۔ایضا مکتوب ۴۵، ص ۳۷۷) (ترجمہ جوادی، مکتوب ۴۵، ص ۵۵۸) ۔
11۔ (۵۳) نہج البلاغہ (مترجم مفتی جعفر حسین)، خطبہ ۲۲۱، ص ۲۲۴)
12۔سورۃ الحدید ۵۷ آیۃ ۲۵)۔
13۔سورۃ الرحمان ۵۵ آیہ ۷)۔
14۔فیض کاشانی، تفسیر الصافی، ج ۵، ص ۱۰۷ ناشر موسس الاعلمی للمطبوعات بیروت لبنان، بدون سال وطبع)۔
15۔محمدی ری شہری، میزان الحکمۃ، ج ۳، ص ۱۸۳۸، طبع الاولی، دار الحدیث)۔
16۔غرر الحکم ودرر الکلم، قول ۱۰۲۰۳، ص ۱۰۳، ناشر مکتبۃ الاعلام الاسلامی قم، سنۃ ۱۳۶۶ھ ش۔
17۔سورۃ الرحمان ۵۵ آیہ ۸)
18۔نہج البلاغہ، قول ۴۳۶، ص ۹۴۴۔۹۴۵)
19۔مرتضیٰ مطہّری، سیری در نہج البلاغہ، ص ۱۱۳،
20۔نہج البلاغہ، قول ۲۳۱، ص ۸۷۸)
21۔شرح درر الحکم و غرر الکلم، ج ۲، ص ۵۰۸)
22۔(غرر ۱۷۰۲، ص ۴۴۶)
23۔عبدالواحد آمدی، غرر الحکم ودرر الکلم، ج اول قول ۹، ص ۱۱)
24۔(اصول کافی، ج ۷، ص ۱۷۴)
25۔عبدالواحد آمدی، غرر الحکم ودرر الکلم، ج اول، قول نمبر ۳۰۹، ص ۲۱)
26۔عبدالواحد آمدی، غرر الحکم ودرر الکلم، ج اول، قول ۶۳۶، ص ۳۳)
27۔عبدالواحد آمدی، غرر الحکم ودرر الکلم، ج اول، قول ۸۲۴، ص ۴۰)
28۔عبدالواحد آمدی، غرر الحکم ودرر الکلم، ج اول، قول ۷۴۹)
29۔غرر ۷۷۴۸، ص ۳۳۹۔
30۔ (۷۷۵۴، ص ۳۴۰)۔
31۔میرزا حسین النوری الطبرسی، مستدرک الوسائل، ج ۱۱، ص ۳۳۹۔
32۔ایضا۔
33۔نہج البلاغہ، خطبہ ۸۵، ص ۲۵۹۔
34۔محمدی ری شہری، میزان الحکمۃ، ص ۸۱۔
35۔نہج البلاغہ، قول ۳۰، ص ۸۱۸۔

36۔ایضاً۔
37۔سورۃ الجمعہ آیہ ۲۔
38۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۴، ص ۴۷۷۔
39۔ایضاً۔
40۔ایضاً۔
41۔ایضاً۔
42۔ نہج البلاغہ، قول نمبر ۲۲۱، ص ۸۷۵۔
43۔ایضا خطبہ ۹۵، ص ۲۹۸۔
44۔ایضا مکتوب ۴۸، ص ۷۴۹۔
45۔ایضا مکتوب ۳۱، ص ۷۱۶۔
46۔ایضا قول ۴۷۶، ص ۹۵۵۔
47۔ایضا مکتوب ۵۳، ص ۷۵۶۔
48۔یضا خطبہ ۱۳۴، ص ۳۸۳۔
49۔ایضا مکتوب ۵۱، ص ۷۵۲۔
50۔ خطبہ ۱۶۵، ص ۴۵۶۔
51۔ایضاً خطبہ ۲۲۱، ص ۲۲۴۔
52۔ مفتی جعفر حسین، مترجم نہج البلاغہ، ص ۶۲۴۔
53۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۲۱، ص ۶۲۴۔
54۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۲۱، ص ۶۲۴۔
55۔ نہج لابلاغہ خطبہ ۲۲۱، ص ۲۲۴۔۲۲۵۔
56۔ نہج لابلاغہ خطبہ ۲۲۱، ص ۲۲۴۔۲۲۵۔
57۔ نہج لابلاغہ خطبہ ۲۲۱، ص ۲۲۴۔۲۲۵۔
58۔ نہج لابلاغہ خطبہ ۲۲۱، ص ۲۲۴۔۲۲۵۔
59۔ مناقب اہل البیت، المولی حیدر الشیروانی، ص ۲۱۹۔
60۔ مفتی جعفر حسین: سیرت امیر المؤمنین، جلد اول، ص ۴۳۶۔
61۔ایضاً۔
62۔ایضاً۔

63 ۔ایضاً۔
64۔ایضاً۔
65۔ایضا مکتوب ۵۳، ص ۶۲۷۔
66۔ایضا مکتوب ۵۳، ص ۶۲۷۔
67۔ایضا مکتوب ۵۳، ص ۶۲۷۔
68۔ایضا مکتوب ۵۱، ص ۵۲۷۔
69۔ایضا خطبہ ۳، ص ۱۰۳۔
70 ۔مکتوب ۵۳، ص ۵۶۷۔
71۔ایضا خطبہ ۱۹۸۔
72۔ایضا خطبہ ۹۴، ص ۲۹۶۔
73۔ایضا خطبہ ۱۳۸، ص ۳۸۶۔
74۔سورہ یٰس آیہ نمبر ۸۔
75۔خطبہ ۸۵، ص ۲۵۹۔
76۔نہج البلاغہ قول ۱۶۰، ص ۸۶۲۔
77۔ایضا مکتوب ۵۳، ص ۶۷۷۔
78۔ایضا مکتوب ۵۹، ص ۷۸۴۔
79۔ایضا مکتوب ۵۹، ص ۷۸۴۔
80۔ایضا مکتوب ۷۰ ص ۸۰۱۔
81۔ایضا مکتوب ۷۰ ص ۸۰۱۔
82 ۔ایضا ص۔ ۸۰۲۔
83۔ایضا مکتوب نمبر ۵۳، ص ۷۷۲۔
84 ۔ایضا مکتوب نمبر ۵۳، ص ۷۷۲۔
85۔ایضا مکتوب نمبر ۵۳، ص ۷۷۲۔
86۔شرح ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۲۰۰ ۔
87۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۷، ص ۱۶۶ ۔
88۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۷، ص ۱۶۶ ۔
89۔ایضا خطبہ ۲۹، ص ۱۷۲۔

90۔ایضا خطبہ ۱۲۱، ص ۳۵۳۔۳۵۴۔

91۔خطبہ ۱۳۰، الف، ص ۳۷۶ ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام علماء اہل سنت کی نظر میں

مولانا محمد اصغر عسکری

امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت اپنے آباو واجداد کی طرح صرف شیعہ اور مسلمانوں سے متعلق نہیں ہے بلکہ آپ پوری انسانیت کے راہبر و رہنما تھے۔اگر چہ بعض غیر مسلم دانشوروں نے امام علیہ السلام کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے لیکن انہون نے اپنے مادی نکتہ نظر سے امام کی زندگی کا تجزیہ و تحلیل کیا ہے اور معروف کتاب (The Superman of Islam) اسی محدود اور ناقص نکتہ نظر کا نتیجہ ہے کہ جس میں مصنف نے امام کو بالواسطہ یا بلاواسطہ بطلمیوس کا شاگرد جانا ہے۔([1]) جہاں غیر مسلم دانشوروں نے امام کی شخصیت کے حوالے سے اپنی محدود اور ناقص شناخت کے مطابق بات کی ہے وہاں مذاہب اسلامی کے پیشواوں نے بھی امام کی بے نظیر شخصیت کے حوالے سے اظہار عقیدت کیا ہے۔

البتہ ایک بات کی وضاحت ضروری ہے ان پیشواؤں اور علماء نے امام کے حوالے سے جو اظہارات کیے ہیں وہ اپنے نکتہ نظر کے مطابق یعنی امام کو معصوم نہ جانتے ہوئے بیان کیے ہیں۔لہٰذا ان کی بیان کی ہوئی بعض تعبیرات ایسی ہیں جو مقام امامت کے شایان شان نہیں ہیں۔اور امام کی ملکوتی اور معنوی شخصیت کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔تو سب سے پہلے مذاہب اسلامی کے پیشواوں کا اس حوالے سے بیان اور پھر علماء اہل سنت نے جو کچھ کہا ہے بیان کرتے ہیں ۔حضرت مالک بن انس ،امام شافعی کے استاد تھے اور امام احمد بن حنبل نے دس سال تک ان سے کسب فیض کیا اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے خود امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی اختیار کی تو اس طرح سے مذاہب اسلامی کے یہ چاروں امام و پیشوا بالواسطہ یا بلاواسطہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے۔

عبدالحلیم جندی اپنی کتاب "الامام الصادق "میں لکھتے ہیں: "اگر امام مالک کے لیے فخر ہے کہ شافعی کے استاد تھے یا شافعی کے لیے فخر ہے کہ حنبل کے استاد تھے تو پھر سب سے بڑا فخر امام صادق علیہ السلام کے لیے ہے کہ آپ مذاہب اربعہ کے چاروں پیشواؤں کے استاد تھے۔"([2]) امام علیہ السلام نے جہاں اپنے داد کی علم وحکمت والی میراث کو ان پیشواؤں تک منتقل کیا ہے وہاں دوسرے بھی ہزاروں آپ کے نامی گرامی شاگردان ہیں جنہوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے اور آج علم و تحقیق کی دنیا میں ان کا بہت بڑا نام اور مقام ہے۔آپ کے ان شاگردوں میں سے بزرگ محدثین سفیان ثوری کہ جو تقویٰ وورع میں تمام اہل عراق سے آگے تھے۔

عمرو ابن عبید (معتزلہ کے بانی) محمد بن عبدالرحمٰن، ابن ابی لیلیٰ اور سفیان بن عینیہ اور اہل سنت کے بہت سارے دیگر فقہاء و محدثین نے آپ کی شاگردی اختیار کی۔

یہی وجہ ہے کہ شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی اہل سنت کے بہت بڑے عالم دین کہتے ہیں۔ اہل سنت کے مذاہب اربعہ کی فقہ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی فقہ کی طرف پلٹتی ہے۔ ([3]) امام مالک بن انس کہتے ہیں

:ولقد كنت اتى جعفر بن محمد وكان كيثر المذاح والتبسم فاذا ذكر عنده البنى اخضر و ا صفر ولقد اختلفت اليه زمانا وما كنت اراه الا على ثلاث فصال اما مصليا واماصائما واما يقرء القرآن ومارائيته قط يحدث عن رسول الله الا علىٰ الطهار ة ولا يتكلم فى مالا يعنيه وكان من العلماء الذهار الذين يخشون الله وما رايت الا يخرج الوسادة تحته ويجعلها تحتى (ترجمہ) "میں کچھ عرصہ تک جعفر بن محمد کی خدمت میں مشرف ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ مسکراتے تھے اور زیادہ مزاح فرماتے تھے اور جب بھی آپ کے سامنے پیغمبر ﷺ کا نام لیا جاتا تو آپ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو جاتا۔ پہلے سبز ہوتا پھر سرخ ہو جاتا تھا اور میں جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو ہمیشہ تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں پایا۔ یا آپ نماز کی حالت میں ہوتے تھے یا روزے کے ساتھ تھے اور یا قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے پایا ہے اور آپ کبھی بھی وضو کے بغیر رسول خدا ﷺ سے حدیث نقل نہیں کرتے تھے اور کبھی بے مقصد بات نہیں کرتے تھے آپ ان زاہد عبادت گزاروں اور ان علماء میں سے تھے کہ جن کے دلوں میں خشیت الہیٰ ہو اور میں جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ آپ اپنا تکیہ اپنے نیچے سے اٹھا کر مجھے دے دیتے تھے"

خود امام مالک کے بارے نقل ہوا ہے کہ وہ بھی جب رسول اکرم ﷺ کا نام لیتے تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا اور جب محفل میں موجود لوگ اس کا سبب دریافت کرتے تو آپ فرماتے تھے کہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے اگر آپ بھی دیکھتے تو آپ بھی تصدیق کرتے پھر آپ امام صادق علیہ السلام کی اس کیفیت کو بیان کرتے۔ ([4])

یوں امام مالک نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کیفیت کو حاصل کیا ہے۔ امام مالک ایک اور روایت میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :مارائت شمس ولا سمعت اذن ولاخطر علىٰ قلب بشر افضل من جعفر بن محمد علماوعبادة وورعا یعنی: "جعفر بن محمد سے افضل علم، عبادت اور ورع کے لحاظ سے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی کھٹکا۔" ([5])

فقہ حنفی کے مشہور پیشوا نعمان بن ثابت امام ابو حنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے علمی مقام و منزلت کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہتے ہیں: ما رائت افقه من جعفر ابن محمد وانه اعلم الامة ([6]) ترجمہ:۔" میں نے جعفر ابن محمد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا اور وہ امت اسلامی میں سے اعلم تھے۔" اسی

طرح ایک اور مقام میں آلوسی زادہ نے مختصر تحفہ اثنا عشریہ میں امام ابو حنیفہ سے قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: یہ ابو حنیفہ کہ جو فخر وافتخار کامقام ہیں پوری وضاحت سے یہ کہتے ہیں کہ لولاالسنتان لھلک النعمان([7]) یعنی: "اگر وہ دو سال کہ جن میں جعفر ابن محمد سے میں نے علمی استفادہ کیا ہے نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔اگرچہ امام ابو حنیفہ نے مدینہ اور کوفہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے کئی ملاقاتیں کی ہیں مگر جن دو سالوں میں آپ نے مسلسل امام سے مدینہ میں کسب فیض کیااور امام کے علمی سمندر سے بہرہ مند ہوئے یہی دو سال آپ کی نجات کا باعث بنے۔

اہل سنت کے بہت بڑے فقیہ اور محدث شمس الدین ذہبی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے امام صادق علیہ السلام کی علمی عظمت کااندازہ لگایا جاسکتا ہے۔وہ لکھتے ہیں: عباسی خلیفہ منصور دوانیقی نے جعفر بن محمد کومدینے سے عراق طلب کیا اور امام ابو حنیفہ سے کہالوگ جعفر بن محمد کے فضائل کے گرویدہ ہوتے جارہے ہیں لہٰذا تم کچھ مشکل سے مشکل سوالات تیار کرواوران سے مناظرہ کروتاکہ ان کے مقام کو کم کیا جا سکے۔ امام ابو حنیفہ اس واقعے کویوں بیان کرتے ہیں: منصور دوانیقی مقام حیرۃ میں تھامیں داخل ہوامیں نے دیکھاکہ جعفر ابن محمد منصور کے دائیں جانب تشریف فرما تھے جب میری نظران پر پڑی توان کے رعب و دبدبے سے میں متاثر ہوامیں نے ان کوسلام کیا منصور دوانیقی جعفر ابن محمد کی طرف متوجہ ہوااور کہا ،یا ابا عبداللہ یہ شخص ابو حنیفہ ہے۔

امام نے فرمایا: وہ پہلے بھی میرے پاس آئے تھےاور میں ان کو پہچانتاہوں پھر منصور میری طرف متوجہ ہواور کہا اے ابو حنیفہ اپنے سوالات کوابو عبداللہ سے پوچھو۔ میں نے اپنے سوالات بیان کیے اور انہوں نے میرے تمام سوالات کے جواب دیئے اور فرمایا: تم اس مسئلہ میں اس طرح کہتے ہو مدینہ کے لوگ یوں کہتے ہیں۔اور ہم اس مسئلہ میں اس طرح کہتے ہیں کبھی وہ ان کے قول کو قبول کرتے تھے اور کبھی مخالفت کرتے یہاں تک کہ جعفر ابن محمد نے چالیس سوالات کے اسی تفصیل سے جواب دیئے۔جب مناظرہ ختم ہواتو ابو حنیفہ نے امام صادق علیہ السلام کی طرف بے اختیار اشارہ کرتے ہوئے کہا: ان اعلم الناس باختلاف الناس یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ علم والاوہ شخص ہے۔جو مسائل میں علماء کی مختلف آراء اور نظریات سے آگاہ ہو۔([8])

ابو حنیفہ کے اس قول سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام صادق علیہ السلام اس زمانے کے تمام علماء سے زیادہ آگاہی اور علم رکھتے تھے۔اگرچہ ابو حنیفہ عمر میں امام صادق علیہ السلام سے بڑے تھے پہلے پیدائش ہوئی اور امام صادق علیہ السلام کے بعد وفات ہوئی بزرگ ہونے کے باوجود اس انداز سے امام صادق علیہ السلام کے

علمی مقام کا اعتراف کرتے ہیں۔ ابو بحر جاحظ جو کہ اہل سنت کے بہت بڑے عالم دین تھے اور دوسری صدی کے آخر میں ان کا دور تھا ایک غیر معمولی ادیب ،ایک بہترین جامعہ شناس اور مورخ تھے ،کتاب الحیوان ،جس کو آپ نے لکھا ہے بہت معروف ہے اور آج بھی یورپ کے سائنس دانوں کے لیے قابل توجہ ہے یہ عالم امام صادق علیہ السلام کے آخری دور میں موجود تھے۔امام علیہ السلام کے بارے میں کہا :جعفر ابن محمد الذی ملا الدنیا علمه وفقهه ویقال ان اباحنیفه من تلامذته وکذلک سفیان الثوری وحسبک بهما فی هذا الباب یعنی: " جعفر ابن محمد وہ ہیں کہ جن کے علم اور فقہ نے دنیا کو پُر کر دیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ابو حنیفہ آپ کے شاگردوں میں سے تھے اور اسی طرح سفیان ثوری بھی آپ کے شاگرد تھے۔اور ان دونوں کا شاگرد ہونا آپ کی عظمت کے لیے کافی ہے۔"([9])

ذیل میں ہم اہل سنت کے چند معروف علماء کے امام علیہ السلام کے متعلق بیان کیے گئے اقوال کو نقل کرتے ہیں جو انہوں نے امام علیہ السلام کے متعلق بیان کیے ہیں۔

محمد شہر ستانی الملل والنحل کے مصنف کہ جن کا شمار فلاسفہ اور متکلمین میں سے ہوتا ہے ۔پانچویں صدی ہجری میں تھے امام کے بارے فرماتے ہیں :هو ذوعلم عزیر وادب کامل فی الحکمة وزهد فی الدنیا وورع تام عن الشهوات ویفیض علی الموالی له اسرار العلوم ثم دخل العراق ولانازع فی الخلافة احدا و من غرق فی بحرالمعرفة لم یقع فی شط ومن تعالی الی ذروة الحقیقة لم یخف من حط([10]) ترجمہ: "آپ کے پاس جوش مارنے والا علم تھا اور حکمت میں کامل ادب تھا دنیا میں زہد اور شہوات سے مکمل دوری تھی آپ نے دوستوں پر مختلف علوم کے اسرار ور موز کا فیض پہنچایا۔پھر آپ عراق میں داخل ہوئے اور کسی سے خلافت کے بارے میں جھگڑا نہیں کیا۔اور معرفت وعلوم کے سمندر میں آپ ایسے غوطہ ور ہو گئے کہ ان مسائل کی طرف توجہ ہی نہ دی اور جو بھی علم و معرفت کے سمندر میں غرق ہو جائے وہ کنارے میں نہیں آتا۔ اور جو حقیقت کی چوٹی پر چڑھ جائے وہ نیچے گرنے سے نہیں ڈرتا۔" اگرچہ شہر ستانی نے اس قول میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ سب ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہے کہ خلافت کے بارے کسی سے جھگڑا نہیں کیا اور دوری اختیار کی ہے۔اگرچہ ہم اس نقطہ نظر کو تسلیم نہیں کرتے مگر چونکہ یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے لہٰذا اس کو بحث نہیں کریں گے۔

ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ:جعفر الصادق نقل الناس عنه ماسارت به الرکبان وانتشر صیته فی جمیع البلدان([11]) یعنی: "لوگوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اتنی زیادہ احادیث نقل کی ہیں کہ انسان کی فکر وہاں تک نہیں پہنچ سکتی اور یہ علوم پوری دنیا میں زبان زد عام ہو گئے ہیں۔" عمر وابن ابی المقدام سے

روایت نقل ہوئی ہے کہ : قال کنت اذانظرت الیٰ جعفر بن محمد علمت انه من سلالة البنیین قد رایته واقفاعند الجمرة یقول سلونی سلونی۔ ([12]) عمرو کہتے ہیں کہ میں جب بھی جعفر بن محمد کی طرف نظر دوڑاتا تو جان لیتا کہ آپ انبیاء کی نسل میں سے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا جب آپ ایک پتھر پر کھڑے تھے اور یہ فرمارہے تھے سلونی سلونی۔ "مجھ سے پوچھو مجھ سے پوچھو۔" آپ نے اپنے جدامیر المومنینؑ کی طرح یہ دعویٰ کیا ہے مولاامیر المومنین علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا تھا اس سے پہلے کہ میں تمھارے درمیان نہ رہوں۔ مجھ سے علمی مسائل اور مشکلات کے بارے پوچھ لو اور میرے بعد کوئی بھی مجھ جیسے حدیث بیان نہیں کرے گا۔

ایک اہم سوال

صحیح بخاری جو کہ اہل سنت کے ہاں سب سے معتبر ترین کتاب ہے امام بخاری نے اس کتاب میں غیر موثق اور ضعیف روایات کو بھی بیان کیا ہے بلکہ عمران بن حطان سدوسی جو کہ خارجی تھا اس سے روایت نقل کی ہے اور اسی طرح دوسرے خوارج اور نواصب سے روایات نقل کی ہیں۔ لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام جن کے علمی مقام کو اہل سنت کے تمام آئمہ نے اور دیگر علماء نے قبول کیا ہے ان سے ایک روایت بھی صحیح بخاری نے نقل نہیں کی؟ صحیح بخاری کی کل ۷۳۹۷ احادیث میں صرف ابو ہریرہ سے ۴۴۶ احادیث نقل کی ہیں جبکہ امام الائمہ جعفر صادق علیہ السلام ایک حدیث بھی نقل نہیں کی ؟ جبکہ امام بخاری کا دور امام جعفر صادق علیہ السلام کے قریب تھا اور امام علیہ السلام کے بعد ایک صدی تک امام بخاری کی وفات ہوئی ہے۔

اگرچہ امام بخاری کا امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث نقل نہ کرنے سے امام کے علمی مقام و منزلت میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں آئے گی کیونکہ آپ وہ ہیں کہ پوری امت مسلمہ نے جن کی صداقت کی گواہی دی ہے اور اسی وجہ سے آپ کو صادق کا لقب دیا گیا ہے۔ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ : جعفر بن محمد احد الأئمه اثنی عشر کان من سادات اهل البیت ولقب باالصادق لصدق مقالته وفضله اشهر من ان یذکر جعفر ابن محمد ([13]) یعنی : "بارہ اماموں میں سے ایک اور سادات اہل بیت میں سے تھے اور آپ کی صداقت کی وجہ سے آپ کو صادق کا لقب دیا گیا ہے اور آپ کے فضائل کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔"

اگرچہ اہل سنت کے بہت سارے دوسرے علماء متقدمین اور معاصر نے امام کے علمی و معنوی مقام کو بیان کیا ہے مگر اس مختصر تحریر میں ان تمام کو بیان نہیں کیا جا سکتا آخر میں علماء معاصر میں سے میر علی ہندی کے خوبصورت جملات سے اختتام کرتے ہیں: لامشاحة ان انتشار العلم فی ذلک الحین قد ساعد علیٰ فک الفکر من لمقاله فا صحبت المنا قشات الفلسة عامة فی کل حاضرة من حواضر العالم الاسلامی ولایغوتنا ان عانشیرَ الیٰ ان الذی تزعم تلک الحرکة هو حفید علی ابن ابی طالب

المسمى بالامام الصادق هو رجل رهب افق تفكير بعيد أغوالا لعقل علم كل ألمام بعلوم عصره ويعتبر فى الواقع هو اول من أ سَّ المدارس الفلسفية المشهورة فى الاسلام ولم يكن يحضر حلقته العلمية اولئک الذين أصبحوا موسّى المذاهب الفقهيه فحسب بل كان يحضرها طلاب الفلسفة والمتفلسفون من أنحاء الواسعه([14])

ترجمہ :اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس زمانے (زمانہ امام صادق علیہ السلام) میں مختلف علوم کے پھیلنے سے افکار کی آزادی ہوئی اور فکری پابندی ختم ہوئی جس کے نتیجے میں تمام فلسفی ابحاث اسلامی معاشرے میں عام ہو گئیں اور ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ جس ہستی نے اس فکری تحریک کی رہبری کی وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے پوتے امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں اور وہ ایسے فرد تھے کہ جن کی سوچ کا افق بہت وسیع تھا۔ان کی عقل بہت عمیق اور گہری تھی وہ اپنے دور کے علوم پر غیر معمولی توجہ رکھتے تھے۔

حقیقت میں سب سے پہلے جس ہستی نے اسلامی دنیا میں عقلی و فکری مدارس کی بنیاد رکھی وہ آپ تھے آپ کے شاگردوں کا حلقہ فقط فقہی مذاہب کی تاسیس تک محدود نہیں تھا بلکہ دنیا کے کونے کونے سے علوم عقلی کے طلاب بھی آپ کے شاگرد تھے۔

.....

حوالہ جات

1۔ محمد حسین مظفر، الامام الصادق، ص۷۵۔
2۔ عبد الحلیم الجندی، الامام الصادق، ص۱۷۴۔
3۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید معتزلی، ج۱۔ ص۱۸۔
4۔ عبد الحلیم الجندی، الامام الصادق، ص۷۵۔
5۔ اسد حیدر، الامام الصادق والمذاہب الاربعہ، ج۱، ص۵۳۔
6۔ شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۶۶۔
7۔ اسد حیدر الامام الصادق والمذاہب الاربعہ، ج۱، ص۵۸۔
8۔ اسد حیدر، الامام الصادق والمذاہب الاربعہ، ج۴، ص۳۲۵۔
9۔ جاحظ، رسائل الجاحظ، ص۱۰۶۔
10۔ شہرستانی، الملل والنحل۔
11۔ ابن حجر عسقلانی، الصواعق المحرقہ، ص۲۰۱۔

12۔ شمس الدین ذہبی، سیر أعلام النبلا، ج٦، ص٤٤٠۔

13۔ابن خلکان، وفیات الأعیان، ج١، ص٣٠٧۔

14۔ شہید مطہری، سیری در سیرہ ائمہ اطہار، ص١٥٢۔

نظریۂ ولایت فقیہ

مولانا سید ثمر علی نقوی

مقدمہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین اسلام انسان کی تمام فطری ضروریات کا مکمل حل پیش کرتا ہے۔ احکام اسلام فطرت انسانی سے پوری طرح ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ اسلام صرف انسان کی روحانی واخروی زندگی کیلئے راہنمائی نہیں کرتا بلکہ انسان کی مادی اور دنیاوی زندگی کیلئے بھی ایک واضح نظام پیش کرتا ہے۔ بعثت انبیاء کا مقصد ہی معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ([1]) یعنی: "بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل قائم کریں۔" اس آیہ مجیدہ میں نزول کتاب کا مقصد قسط و عدالت کا قیام بتایا گیا ہے۔ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے بعثت کے ساتھ ہی انسانی معاشرہ کی ہدایت کا کام شروع کیا اور اسے چند عرصہ ہی میں معراج و کمال کی منزل تک پہنچادیا۔

انسانی معاشرہ کیلئے یہ ایسا جامع اور زیباترین موقع تھا جو ہر میدان میں انسانی ضرورتوں کی تکمیل کی صورت میں اسے حاصل ہوا۔ لیکن افسوس کہ موقع پرست اور ابن الوقت قسم کے افراد نے انسانی ترقی کی اس راہ میں رکاوٹیں کھڑی کردیں اور انسانوں کو الٰہی حاکمیت کے سائے سے محروم رکھ کر ظلم و جہالت کی تاریکیوں میں رکھنے کی کوشش کی لیکن ہادیان برحق نے ہر دور میں انسانوں تک نور الٰہی کی شعاعیں پہنچانے کا فریضہ انجام دیا۔ آج ہم آخری معصوم کی الٰہی ہدایت کے زمانے میں زندگی بسر کررہے ہیں۔

حضرت حجۃ کی غیبت کبری کے دور میں بھی انسان کو ہدایت سے محروم نہیں رکھا گیا بلکہ اس دور میں بھی حضرت حجت کے جانشین فقہاء کی ولایت کے ذریعے کمال انسان تک پہنچنے کا انتظام موجود ہے۔ دور حاضر میں نظریہ ''ولایت فقیہ'' اسلامی موضوعات میں نہایت اہم شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں اسلامی معاشرے کی قیادت اور رہبری کے بارے بحث کی جاتی ہے۔ ''ولایت فقیہ'' کے قائلین اس بات کے معتقد ہیں کہ یہ ولایت حقیقت میں ولایت پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ اطہار کے بعد ہے۔ لہٰذا اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ ایک فقیہ اسلامی معاشرے کا زعیم اور راہبر ہوتا ہے اور لوگوں کے مال و جان پر بھی ''ولایت'' یعنی حق اولویت رکھتا ہے کیونکہ ولایت پیغمبر ﷺ وائمہ اطہار کے تحت الٰہی اختیارات کے ساتھ حکومت اسلامی کو تشکیل دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

اصل ولایت فقیہ، شیعہ علماء و دانشمندان کے نزدیک مورد اتفاق ہے کیونکہ اصل ولایت پیغمبر ﷺ اور آئمہ اطہار میں تمام علماء شیعہ کا اتفاق ہے۔اختلاف صرف اس مسئلہ میں ہے کہ ولایت معصومین اسی عمومیت کے ساتھ فقہاء کو بھی حاصل ہے یا نہیں ؟اس مقالہ میں '' نظریہ ولایت فقیہ '' کی وضاحت اور اس کے اثبات پر بحث کی جائیگی لیکن اس نظریہ کے اثبات سے قبل دو اہم مطالب کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے ایک '' انسان شناسی '' دوسرا '' دین اور سیاست '' کا رابطہ۔لہٰذا ان مطالب کی مختصر وضاحت بھی ضروری ہے۔

ا۔انسان کی حقیقت

حقیقت انسان کے بارے میں مختلف نظریات موجود ہیں ہر مذہب ایک خاص زاویہ سے اانسان کے متعلق بحث کرتا ہے۔جن کا ذکر کرنا اس مقالہ میں ضروری نہیں۔قرآن کی نظر میں انسان ایک ایسا موجود ہے جو ایک طرف فطرت الہی کا حامل ہے تو دوسری طرف طبیعت مادی کا بھی مالک ہے۔'' فطرت '' سے اعلی معارف، معنویات اور نیکی و سعادت کی طرف دعوت دیتی ہے جبکہ طبیعت اسے مادیات، شہوات، نفسانی خواہشات اور پستیوں کی جانب بلاتی ہے۔

نتیجہ میں انسانی زندگی طبیعت اور فطرت کے درمیان مسلسل جنگ کا ایک میدان ہے۔اگر اس پیکار میں انسانی طبیعت نے فطرت پر قابو پالیا اور فطرت کو طبیعت کے ماتحت کر لیا تو قرآن مجید کی نظر میں یہ انسان ایک منحرف اور گمراہ انسان بن جاتا ہے۔جو نہ صرف اشرف المخلوقات نہیں رہتا بلکہ حیوانات سے بھی پست تر ہو جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حیوانات کی غرض خلقت انسان کیلئے مسخر ہونا ہے اور انسان کی غرض خلقت علم و معرفت کے سائے میں معبود حقیقی کے سامنے خاضع ہونا ہے لیکن جب یہ انسان اس فطرت کو دبا کر غرض خلقت کی خلاف عمل کرتا ہے تو پھر حیوانات سے بھی پست تر ہو جاتا ہے۔ارشاد رب العزت ہے: اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَکۡثَرَهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ یَعۡقِلُوۡنَ: اِنۡ هُمۡ اِلَّا کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِیۡلًا([2]) یعنی: "کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ان کی اکثریت کچھ سنتی اور سمجھتی ہے ہر گز نہیں یہ سب جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔"

اکثریت دلیل ہے کہ بعض افراد کسی نہ کسی وقت بات سن لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں اور اس طرح راہ راست پر آجاتے ہیں لیکن انسان صاحب عقل ہونے کے باوجود راہ حق سے بہک جاتا ہے اور پھر جانور خود ہی بہکتا ہے دوسروں کو گمراہ نہیں کرتا جبکہ انسان دونوں کام انجام دیتا ہے۔اگر فطرت فاتح ہوئی اور طبیعت اس کی فطرت کے تابع ہو گئی تو اس صورت میں انسان ہدایت پاجاتا ہے اور حق کی راہ پر گامزن ہو کر کمال کی اس چوٹی تک پہنچ جاتا ہے کہ ملائکہ بھی اسے سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

پس انسان کا اشرف المخلوقات ہونا در حقیقت اس روح و جان کے باعث ہے جس کا قرآن میں واضح ذکر موجود ہے۔ارشاد رب العزت ہے :وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ([3]) یعنی: "اور اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ سے کہا تھا کہ بیں سیاہی مائل نرم کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ پھر جب میں مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح حیات پھونک دوں تو سب کے سب سجدہ میں گر پڑنا۔"

اسی روح کی وجہ سے انسان غور و فکر کرتا ہے یعنی ''قوت عاقلہ'' کی وجہ سے حیوان ناطق بن کر دیگر حیوانات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ یعنی: "پھر اسے معتدل بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکدی اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے مگر تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔"([4]) انسان ایسا عجوبہ روزگار ہے کہ جس نفس و روح کی وجہ سے خلیفۃاللہ کی منزل پر فائز ہوتا ہے اسی نفس کے باعث ہی مختلف قسم کی خواہشات اور جبلتوں کا مجموعہ ہے : وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا یعنی: "اور نفس کی قسم اور اس کی جس نے اسے معتدل کیا پھر بدی اور تقوی کی ہدایت دی۔ "([5])

خالق کائنات سورہ شمس میں ، شمس و قمر، لیل و نہار اور ارض وسما کے ساتھ قسم کھانے کے بعد اس نفس کی قسم کھائی ہے جس کی تخلیق کے بعد اللہ نے اس میں ، خیر و شر ، پاکیزگی و پلیدی، فسق وفجور اور تقوی کی سمجھ ، ودیعت فرمائی۔ لیکن کامیاب ہوا وہ جس نے اس نفس کو پاک رکھا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس نفس کے شعور کو دبائے رکھا یعنی فطرت کی آواز کو دبایا۔مذکورہ آیات کے علاوہ دیگر بہت سی آیات سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ انسان کو روحانی اور مادی زندگی کا سفر طے کرنے کیلئے ایسے قوانین کی ضرورت ہے جو اس کی تمام مادی و معنوی احتیاجات کو پورا کرسکے۔ اگر کوئی قانونی مجموعہ اس کی صرف ایک طرف کی ضروریات کو مد نظر رکھ کر بنایا گیا تو یہ ناقص ہوگا جس کے تحت پرورش پانے والا انسان نامکمل بلکہ غیر حقیقی انسان ہوگا۔

آج کا انسان علم، ثقافت رہن و سہن اور بہت سے آداب و رسوم کے مطابق ماضی کے انسان سے اختلافات رکھتا ہے لیکن انسان کے فطری اور طبیعی رجحانات مشابہ اور یکسان ہونے کی ایک مثال ہنر کی طرف اس کا رجحان ہے۔انسان حسن و زیبائی کا دلدادہ ہے خواہ یہ حسن فطرت کے مناظر میں ہو یا ظاہری ہنری زیبائی ،انسان ان سے لذت محسوس کرتا ہے۔علاوہ ازین، انسان ایک موجود اجتماعی اور معاشرتی ہے۔ اس میں یہ بحث ہے کہ انسان جبری طور پر معاشرتی زندگی گزارنے پر خلق ہوا ہے یعنی طبیعت انسانی کا تقاضا ہے کہ انسان خود بخود ایسی زندگی گزارتا ہے یا کوئی عقلانی عامل اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انسان کو اپنے مقاصد کے حصول کیلئے اجتماعی

زندگی اختیار کرنا چاہیے اور اپنے مفادات کے پیش نظر اجتماعی ہونے کو ترجیح دیتا ہے حقیقت جو بھی ہو لیکن یہ مسلم ہے کہ انسان کی زندگی اجتماعی اور معاشرتی قسم کی ہے۔

اجتماعی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے مفادات میں ٹکراو کی کیفیت پیدا ہو جس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انسان کو ایسا طرز معاشرت اپنانا ہے کہ جس میں ممکنہ حد تک اس ٹکراو کو ختم کرتے ہوئے دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی فضا پیدا ہو لہٰذا ہر انسان اپنے معاملات کو اس طرح منظّم کرے کہ دوسروں کے حقوق ضایع نہ ہونے پائیں۔ یہی وجہ ہے کہ عقل انسانی حکم کرتی ہے کہ کچھ حدود و قیود کا ہونا ضروری ہے جن کی رعایت و پاسداری کرنا ہر انسان پر لازم ہو وگرنہ جنگ وجدل کی کیفیت پیدا ہونے کی وجہ سے کوئی شخص بھی اپنے حقوق حاصل نہ کرسکے گا اور اس طرح معاشرہ ہی تشکیل نہ پاسکے گا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدود کیسی ہوں ؟اور ان حدود کو متعین کون کرے ؟ اس کا جواب جو بھی ہو لیکن معاشرہ کے استمرار کیلئے ایک '' قانون'' کا ہونا ضروری ہے۔ مختصر طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ دینی نقطہ نظر سے یہ حدود ،الٰہی حدود ہونی چاہیں اور ان حدود یا '' قانون '' کا تعین صرف خالق انسان کر سکتا ہے اس کی دلیل بعد میں بیان کی جائے گی۔

۲۔دین اور سیاست

خالق کائنات نے انسانی معاشرہ کی بقاء کی خاطر ایک جامع نظام زندگی عطا کیا ہے جسے ''دین'' کہا جاتا ہے۔قرآن مجید اور تاریخ کے مطابق ادیان کی تاریخی حقیقت اس بات پر گواہ ہے کہ ادیان مرسل کی تعداد خدا کے رسولوں کی تعداد کے برابر ہے۔یہاں پر رسول سے مراد صاحب شریعت نبی ہے جس پر خدا کی طرف سے لوگوں تک شریعت پہنچانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔([6]) گذشتہ بحث میں یہ گزر چکا کہ انسان متمدن ہونے کی بناپر ایک قانون کا محتاج ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے یہ قانون خداوند متعال کی جانب سے متعین ہونا چاہیے علاوہ ازین قرآن و حدیث کی رو سے خداوند متعال نے ایسے قوانین نازل فرمائے ہیں جو انسانی معاشرہ میں تعادل اور عدالت اجتماعی کو برقرار کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ سورہ حدید کی آیت ۲۵ میں جو ''کتاب و میزان ''کا ذکر آیا ہے اس سے مراد '' قانون '' ہی ہے۔

قانون کے الٰہی ہونے پر مختصر طور سے یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ قانون کا اصل مقصد معاشرہ میں عدل وانصاف برقرار کرنا ہے اور یہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب معاشرہ کے اندر ایسے قوانین نافذ ہوں جن میں انسان کی تمام جہات کو ملحوظ رکھا گیا ہو کیونکہ قوانین پر عمل کرکے انسان مادی و معنوی ترقی حاصل کرنا چاہتا ہے لہٰذا کامل ترین قانون وہ ہوگا جو انسان کو مادی و روحانی کمالات تک پہچانے میں معاون و مددگار ہو لیکن اگر قانون میں صرف ایک جہت کو مد نظر رکھا گیا ہو تو یہ کامل قانون نہیں ہوگا اور انسان کیلئے نہ صرف مفید نہیں ہو سکتا

بلکہ نہایت درجہ نقصان دہ ہو گا چونکہ ایسے قانون سے انسان اپنا توازن بر قرار نہ رکھ سکے گا اور انسان کا غیر متوازن ہونا معاشرے کے غیر متعادل ہونے کا موجب ہے جس کی بناپر معاشرہ میں بہت بڑا بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے جو انسانی مقصد کی سراسر خلاف ورزی ہے۔

ایسا جامع قانون صرف وہی ہستی پیش کر سکتی ہے جو خالق انسان ہو اور اس کی تمام ضروریات و احتیاجات سے مکمل آگاہی رکھتا ہو یہ صرف اللہ تعالی کی ذات اقدس ہے۔علاوہ برین قانون وضع کرنے والی ہستی کو ہر قسم کی خود غرضی اور خود پسندی سے پاک ہونا چاہیے تاکہ کسی کا حق پامال نہ ہو۔اسلامی نقطہ نظر سے ''ربوبیت تشریعی''کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان احکام الہی کے سامنے سر تسلیم خم رہے اور خدا کے علاوہ کسی کے دستور و قانون کو قبول نہ کرے۔([7]) خداوند متعال قرآن مجید میں اہل کتاب کے متعلق فرماتا ہے:اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی: ""ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کو رب بنا لیا ہے۔"([8]) رب بنالینے کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ ان علماء کی پرستش و عبادت کرتے تھے بلکہ روایات میں اس کی تفسیر یہ بیان ہوئی ہے کہ لوگ خدا کے مقابلے میں اپنے علماء کی بات کو قانون کا درجہ دیتے اور قانون الہی کی طرح اس پر کاربند ہو جاتے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:واللہ ماصلو الھم ولہ صاموا ولکن اطاعوھم فی معصیۃاللہ یعنی: "یہ لوگ اپنے علماء کیلئے نہ روزے رکھتے اور نہ نماز پڑھتے تھے بلکہ اللہ کی مخالفت میں ان علماء کی اطاعت و پیروی کرتے۔" دشمن اسلام بالخصوص استعمار نے مسلمانوں کو سیاست سے دور رکھنے اور ان پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کی خاطر یہ پروپیگنڈا کیا کہ دین کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں،یہ دین زندگی کا دین نہیں،معاشرے کیلئے اس کے پاس نہ کوئی قانون ہے اور نہ نظام بلکہ دین صرف انسان کی روحانی تربیت کیلئے چند عبادی احکام پیش کرتا ہے۔قابل افسوس بات یہ ہے کہ بعض سادہ لوح متدین طبقہ نے بھی یقین کر لیا کہ اسلام صرف خالق و مخلوق کے درمیان رابطے کا نام ہے۔

حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں:"آپ حضرات جو جوان ہیں اپنی زندگی میں اسلام کے قوانین و نظام کا تعارف کروانے میں سنجیدگی اختیار کریں،ایسا نہ ہو کہ اسلام کی حقیقت مخفی رہ جائے۔اور لوگ یہ سوچنے لگیں کہ عیسائیت کی طرح اسلام بھی چند ایسے احکام کا نام ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ ہوتے ہیں اور یہ کہ مسجد اور کلیسا میں کوئی فرق نہیں (حالانکہ) جب مغرب میں کوئی خبر نہ تھی،وہاں کے باشندے وحشی تھے امریکہ نیم وحشی اور سرخ پوست باشندوں کی زمین تھی،اس وقت دو وسیع سلطنتیں ایران اور روم اپنے حکمرانوں کے ظلم و استبداد اور عدم مساوات کا شکار تھیں لوگوں کو حکومت اور قانون کا دور دور تک پتہ نہ تھا خداوند عالم نے اپنے

رسول ﷺ کے واسطے سے ایسے قوانین نازل فرمائے جن کی عظمت سے انسان تعجب میں پڑ جائے۔ تمام امور کے لیے اسلام، قانون و آداب لے کر آیا ہے۔"([9])

یہ بات کس طرح قابل تصور ہے کہ وہ دین جو انسان کو کمال و سعادت کی طرف ہدایت و رہنمائی کرنے کیلئے آیا ہے۔ حکومت جیسے امور [جن کی تمام انسانی معاشروں کو ضرورت ہے] کے سلسلے میں خاموش اور لاتعلق رہے۔ متون اسلامی کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ احکام کی ساخت و ترکیب ایسی ہے جو حکومت کے وجود کی متقاضی ہے۔ جیسے احکام جہاد و قصاص و تعزیرات اور مالیات [خمس و زکوۃ] وغیرہ کے احکام۔

حضرت امام رضاؑ اسلامی حکومت کے وجود کی علت کے سلسلے میں فرماتے ہیں: "ہم کسی ایسے گروہ یا امت کا سراغ نہیں پاتے کہ جس نے حاکم اور سرپرست کے بغیر زندگی بسر کی ہو۔ کیونکہ لوگوں کے دینی اور دنیوی امور کے نظم و ضبط کیلئے ایک عاقل و مدبر حاکم کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ امر، حکمت الٰہی کے شایان شان نہیں کہ اپنی مخلوق کو کسی قائد و حاکم کے بغیر یوں ہی چھوڑ دے جبکہ خالق کائنات بخوبی جانتا ہے کہ لوگوں کو بہر حال ایک حاکم کی ضرورت ہوتی ہے جو معاشرے کو استحکام، نظم و انتظام اور دوام بخشے، دشمنوں کے ساتھ جنگ کے وقت لوگوں کی قیادت و راہبری کرے، عمومی مال و ثروت کو لوگوں کے درمیاں تقسیم کرے، ان کیلئے نماز جمعہ و جماعت قائم کرے اور ظالموں کو مظلوموں پر ظلم کرنے سے روکے۔"([10])

مذکورہ حدیث کی رو سے خداوند عالم کا یہ ارادہ ہے کہ انسان امور سیاست میں اپنی ذمہ داریاں انجام دے تو پھر کیسے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ خدا ایسا دین نازل کرے جو سیاست سے خالی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ دین و سیاست کا منکر ہونا انسان کے وجود کے منکر ہونے کے مترادف ہے کیونکہ دین یعنی ایسا جامع نظام جو وجود انسانی کو کمال تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے، واضح ہے فقط نظام کا موجود ہونا اس مقصد کے حصول کیلئے کافی نہیں جب تک یہ نظام عملی طور پر نافذ نہ ہو۔ نظام کے نفاذ کا دوسرا نام ''حکومت یا سیاست'' ہے پس کس طرح ممکن ہے کہ خدائے علیم و حکیم ایک طرف انسان کو کمال کی منازل طے کرنے کا حکم دے لیکن دوسری طرف اس نظام [دین] کو انسانی اصلاح کیلئے ممنوع قرار دے۔ بے شک اصل اولی یہ ہے کہ صرف اللہ تعالی جو ہمارا خلق و مالک ہے وہی ہمارے تمام امور کا والی بھی ہے: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ([11]) [آگاہ رہو فیصلہ کرنے کا حق صرف اسی (اللہ) کو حاصل ہے۔] خلق بھی وہی کرتا ہے اور پھر اپنی مخلوق کی مصلحت کے مطابق احکام صادر کرنا یا مفسدہ کے پیش نظر کچھ امور سے نہی [منع] کرنا بھی اسی سے مختص ہے: مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا([12]) یعنی: [ان لوگوں کیلئے اس اللہ کے سوا کوئی سرپرست نہیں ہے اور نہ وہ کسی کو اپنی حکومت میں شریک کرتا ہے]۔ یہ حاکم اصلی و حقیقی اپنے قوانین کو ہم تک وحی و نبوت کے ذریعے پہنچاتا ہے اور اپنے

انبیاء اور معصوم نمایندوں کے ذریعے ان احکام کو نافذ کرتا ہے۔پس جو احکام اللہ تعالی کی جانب سے بذریعہ وحی ہم تک پہنچتے ہیں ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ عقل بھی اسی بات کا حکم لگاتی ہے کہ ہر اس مرشد وہادی کی اطاعت واجب ہے جس کے بارے میں انسان کو یقین ہو جائے کہ اس کا تعلق ہدایت انسانی اور مصلحت اجتماعی کے ساتھ قائم ہے۔

عقل شکر منعم اور تعظیم خالق کو بھی واجب قرار دیتی ہے اور اس کے ترک کرنے کو مذموم وقبیح قرار دیتی ہے مخصوصا اگر ترک کرنا باعث نافرمانی ہو تو عقل اس کی مذمت کرتی ہے شاید الہی ملاک کے تحت عقل حکم کرتی ہے کہ اطاعت الہی بھی واجب ہے بلکہ والدین کی اطاعت بھی اسی قسم سے ہے۔شرعی حکم سے قطع نظر، عقل والدین کی اطاعت کو حسن اور نافرمانی کو قبیح قرار دیتی ہے۔([13])

دین سے سیاست کو جدا کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اصلاً دین نہیں ہے جبکہ دین کے احکام چونکہ انسان کیلئے آئے ہیں اور گذشتہ بحث کے مطابق انسان مدنی بالطبع ہے یعنی اس کی زندگی معاشرتی تعلقات اور لین دین پر موقوف ہے۔نیز معاشرتی زندگی گزارنے میں غالبا مختلف اور متضاد خواہشات کے زیر اثر قرار پاتا ہے تو کیسے ممکن ہے اس طرح کے انسان کے لئے خدا وہ قانون نازل نہ کرے جو اس کی معاشرتی زندگی کی بقا میں موثر ہوں اور اس کی متضاد خواہشات کو کنٹرول نہ کرے اس مطلب سے انکار کرنا انسان کو شتر بے مہار سمجھنے کے مترادف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دین صرف روحانی ہدایت کے لئے احکام صادر کرتا ہے اور باقی احکام خود انسان وضع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان پھر خالق ہے مخلوق نہیں کیونکہ تمام احتیاجات سے آگاہی صرف خالق کو ہو سکتی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ تمام احکام اجتماعی و سیاسی و عبادی کے وضع کرنے کا حق صرف اللہ تعالی کو ہے جو دین کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔پھر ان قوانین کو نافذ واجرا کرنا بھی اللہ تعالی کا حق ہے تاکہ جس مقصد کیلئے قوانین وضع کیے ہیں وہ ضائع نہ ہو،اور مقصد، انسانی خواہشات کو تعادل میں لانا اور ہر ایک کو اس کی اپنی حدود میں رکھنا ہے تاکہ ایک دوسرے پر ظلم نہ ہونے پائے اور کسی کا حق ضائع نہ ہو جائے۔ اگر احکام الہی کو نافذ کرنے والا حاکم عادل، موجود نہ ہو تو الہی قوانین بدل جائیں اور دین میں بدعتوں کا رواج بڑھ جائے گا۔اسی دلیل کی بناپر مسلمانوں حتی غیر مسلموں کے درمیاں بھی اس بارے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی اور نہ ہے کہ اسلام ایک خاص نظام حکومت کا حامل دین ہے اور مدینہ منورہ میں پیغمبر اسلام ﷺ کے ذریعے حکومت کی تشکیل اس نظام کا ایک مصداق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب ''علی عبد الرزاق'' نے ۱۳۴۳ھ میں مملکت مصر میں ''الاسلام و اصول الحکم'' کتاب لکھ کر حکومت نبوی ﷺ کا انکار کرتے ہوئے ادعا کیا کہ آنحضرت ﷺ صرف خدا کے پیغمبر تھے اور انہوں نے کبھی حکومت کی تشکیل کیلئے کسی قسم کا اقدام نہیں کیا، تو تمام دنیا کے سنی علماء نے اس کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔([14]). کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعہ معاشرے کی ولایت و حکومت کیلئے کیے گئے علمی اقدامات کے بارے میں ایسے دلائل و برہاں موجود ہیں جن کا انکار صاحبان عقل و دانش کیلئے ناممکن ہے۔

شیعہ عقیدے کے مطابق پیغمبر اکرم ﷺ نے نہ صرف حکومت اسلامی تشکیل دی بلکہ اس حکومت کے استمرار کیلئے اپنا خلیفہ بھی معین فرمایا۔ یہ استعمار کا پروپگنڈہ ہے کہ اسلام میں حکومت و سیاست کا کوئی عمل دخل نہیں تاکہ اس طرح مسلمانوں کا استحصال کر سکیں۔ حضرت امام خمینی اس سلسلے میں فرماتے ہیں: ''استعماری طاقتوں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اسلام، حکومت کا حامل نہیں ہے حکومتی نظام اس کے پاس نہیں ہے اور اگر ہم مان بھی لیں کہ اس کے پاس کچھ احکام ہیں تو قوۃ مجریہ نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام صرف قانون بنا سکتا ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کے پروپیگنڈے ان کی سیاست کا ایک جزء ہیں اور یہ اس لیے ہیں کہ مسلمان، سیاست اور سیاست کی بنیاد سے الگ رہیں اور یہی چیز ہمارے سیاسی عقیدہ کے خلاف ہے۔ ہم ولایت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کو اپنا خلیفہ معین کرنا چاہیے اور انہوں نے معین بھی کیا۔([15])

ولایت فقیہ

گذشتہ ابحاث میں بیان ہوا کہ اسلامی تہذیب و ثقافت میں معاشرے کیلئے ایک حاکم کی کتنی ضرورت ہے اور خدا کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ حاکمیت کا حق رکھتا ہو۔ انسان کی پوری ہستی خداوند عالم کی مرہون منت ہے اس لیے یہی سزاوار ہے کہ وہ خدا کے اوامر و نواہی کا بے چون و چرا مطیع و فرمانبردار ہو۔([16]) اب اگر خدائے تعالی ہم سے کسی خاص شخص یا گروہ کی اطاعت کا مطالبہ کرے تو ہم بھی اس کے حکم کی اطاعت کریں گے یا اگر اس نے حاکم کیلئے کچھ شرائط بیان فرمائے اور اس شخص کے تعین کیلئے واجد شرائط افراد میں سے مناسب ترین فرد کے انتخاب کا اختیار ہم کو دیدیا تو اس صورت میں بھی ہم خدا کے مطیع ہوں گے۔

حقیقی اور بالذات ولایت، اللہ کیلئے ثابت ہے اور عقل حکم کرتی ہے کہ اس کی اطاعت واجب اور مخالفت حرام ہے اور اس میں کوئی شریک نہیں: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ([17]) یعنی: " صاحبان ایمان کا ولی صرف اللہ ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔" البتہ خود اللہ تعالی نے اس ولایت کا ایک درجہ اپنے رسول ﷺ یا بعض انبیاء کو نیز شیعہ مکتب فکر کے نزدیک ائمہ معصومین کو بھی تفویض کیا

ہے۔ لہٰذا یہ حضرات بھی اس ولایت اعطائی [خدادادی] کی بناپر واجب الاطاعت ہیں۔پس بالذات ولی اللہ ہے لیکن ایک طولی سلسلہ کے تحت رسول ﷺ و نائبین رسول ﷺ بھی ولایت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ ارشاد رب العزت ہے :وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ([18]) یعنی: "اور جو بھی اللہ، رسول اور صاحبان ایمان کو اپنا ولی (سرپرست) بنائے گا تو (اللہ کی جماعت میں شامل ہو جائگا اور) بے شک اللہ ہی کی جماعت غالب آنے والی ہے۔" اس آیہ مجیدہ کی رو سے ''ولایت الٰہی'' کے طول میں خدا کے علاوہ اسی کے اذن سے جہاں اس کا رسول ﷺ ولایت رکھتا ہے وہیں صاحبان ایمان کو بھی ولایت حاصل ہے۔البتہ ''الذین امنوا'' کا بارز مصداق آئمہ معصومین ہیں۔ لیکن معصومین کی غیبت میں ان کے نائبین بھی ''امنوا'' کا ادنی مصداق قرار پاتے ہوئے ولایت کے حامل ہو سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ حزب اللہ میں شمولیت کیلئے جہاں اللہ کی ولایت پر ایمان ضروری ہے وہیں اس کے رسول اور صاحبان ایمان کی ولایت پر ایمان بھی لازمی ہے۔

شیعہ مذہب کے اصول میں کلی طور پر جو خاص اہمیت امامت کو حاصل تھی اور ہے وہ اس امر پر مبنی ہے کہ یہ حکومت جو رسول ﷺ خدا کے ذمہ تھی ،آپ ﷺ نے اپنے بعد اسے ائمہ اہل بیت کو سونپی اس لحاظ سے شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ مقام نبوت و رسالت کے علاوہ منصب امامت پر بھی فائز تھے۔ منصب نبوت ،عالم تکوینی و تشریعی میں اسرار الٰہی سے آگاہی کا منصب ہے اور منصب رسالت ، خدا کی طرف سے ایسے پیغمبر کو حاصل ہوتا ہے جو اس پر مامور ہو کہ جو کچھ وہ جانتا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دے اور ان کی ہدایت کرے، منصب امامت کے معنی حکومت اور معاشرے میں نظم برقرار کرنے کے ہیں۔([19])

خداوند متعال جب کسی کو ولایت دیتا ہے تو اس کی اطاعت کو بھی واجب قرار دیتا ہے البتہ بالذات واجب الاطاعت، صرف خدا کی ذات اقدس ہے لیکن اگر کسی کی اطاعت کو خدا واجب قرار دے تو اذن الٰہی کی وجہ سے وہ بھی واجب الاطاعت قرار پائے گا۔ارشاد رب العزت ہے: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ([20]) یعنی: "ایمان والو ! اللہ کی اطاعت کرو رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تمہیں سے ہیں۔اس آیت کے ضمن میں امام خمینی فرماتے ہیں کہ خدا نے اس آیت میں قیامت تک حکومت اسلام کی تشکیل کا حکم صادر فرمایا ہے،اور واضح ہے کی ان تین کے علاوہ کسی کی اطاعت کو واجب قرار نہیں دیا نیز امت اسلامی پر اولو الامر کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ ہر زمانے میں ایک حکومت اسلامی ہو تاکہ ہرج و مرج لازم نہ آئے۔([21])

''ولایت'' کے لغوی واصطلاحی معانی پر ایک نظر

ولایت عربی زبان میں مادۃ ''ول ی'' سے ہے اور عربی زبان کے ماہرین لغت کے بیان کے مطابق یہ مادہ یکتا اور ایک معنی کا حامل ہے۔ ولی کے اصل معنی ''نزدیکی ''اور ''قریب ''کے ہیں۔لفظ ''مولی ''اسی ''ولی'' سے

مشتق ہے۔ بعض نے اس کے ۲۷ معانی ذکر کیے ہیں لیکن وضع ایک کیلئے ہوا ہے باقی معانی میں اسی اصل مناسبت [قرب] کی وجہ سے استعمال ہوتا ہے۔ لغت کے لحاظ سے یہ ''قربت'' دو طرفہ ہے۔ یعنی جب کہا جائے ''ولیہ'' [وہ اس کے قریب ہے] تو اس کا مطلب لغوی طور پر یہ ہو سکتا ہے کہ اگر یہ اس کے نزدیک ہے تو وہ بھی اس کے نزدیک ہے۔ لیکن قرآن کی نظر میں ''ولایت'' سے مراد ایک خاص قسم کا قرب ہے۔ ممکن ہے کہ ایک طرف سے قربت حاصل ہو لیکن دوسری طرف سے حاصل نہ ہو۔ مثلاً خدا مومن اور کافر دونوں کے قریب ہے لیکن مومن اپنے اعمال صالحہ کی بدولت خدا کے قریب ہے؛ جبکہ کافر اپنے برے اعمال کی بنا پر خدا سے دور ہے۔([22]) أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ([23]) یعنی: "ان لوگوں کو بہت دور سے پکارا جائے گا۔ لفظ ''ولی'' کے تین معانی ذکر ہوئے ہیں۔ ا. دوست ۲. خیر خواہ ۳. مددگار۔ ان کے علاوہ ''ولایت'' کے دو اور معنی بھی ذکر ہوئے ہیں۔ ا. سلطنت و قہر و غلبہ ۲. قیادت و حکومت۔([24])

اصطلاحی معنی

فقہی اصطلاح میں لفظ ولایت دو جگہوں پر استعمال ہوا ہے:

ا. وہ مواقع جہاں پر مولّٰی علیہ [جس پر ولایت ہو] اپنے امور کو چلانے کی قدرت نہ رکھتا ہو جیسے میت، نادان، دیوانہ، نابالغ وغیرہ ایسے مواقع پر ولایت سرپرستی کے معنی میں ہے۔

۲. وہ مواقع جہاں مولّٰی [جس پر ولایت ہو] اپنے امور کو چلانے کی قدرت رکھتا ہے اس کے باوجود کچھ ایسے امور ہیں جن میں کسی دوسرے شخص کی سرپرستی اور ولایت کی بھی ضرورت ہے۔ یہاں پر ''ولایت'' معاشرے کے مسائل اور امور کو ادارہ کرنے اور نظم قائم کرنے کے معنی میں ہے جو کہ وہی سیاسی ''ولایت'' ہے۔ اگرچہ فقیہ ولایت کے مذکورہ دونوں معنی کا مالک ہوتا ہے لیکن اس بحث میں ولایت فقیہ سے مراد مذکور دوسری اصطلاح ہے کیونکہ جو فقیہ معاشرے کی ولایت کا حامل ہوتا ہے در حقیقت وہ اس معاشرے کے تمام افراد حتی تمام فقہاء اور خود اپنی ذات پر بھی ولایت رکھتا ہے۔([25])

ولایت از نظر قرآن

لفظ ''ولی'' قرآن میں کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ بعض آیات میں واضح طور پر لفظ ''ولایت'' حاکم و سرپرست کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور سیاق و سباق آیات سے بھی یہی معنی سمجھا جاتا ہے مزید براں ان آیات کی تفسیر میں جو روایات وارد ہوئی ہیں ان میں بھی اسی مطلب کو بیان کیا گیا ہے۔ ذیل میں چند آیات کو ذکر کرتے ہیں:

آیت اول: اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ(26) [بے شک نبی مومنین کی جانوں پر خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے اور نبی کی ازواج ان کی مائیں ہیں]۔ اس آیت میں استعمال شدہ لفظ ''اولی''، ''ولی'' سے ہی مشتق ہے جس کے معانی زیادہ صاحب اختیار کے ہیں یعنی نبی اپنی امت کے ہر فرد سے زیادہ اولی باالتصرف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اختیارات مومنین کو خود اپنے اوپر حاصل نہیں وہ نبی کو حاصل ہیں قانونی طور پر نبی من جانب اللہ تمام انسانوں کی جان و مال میں تعرف کا زیادہ حق دار ہے اسی وجہ سے اگر نبی کا حکم ہو تو جان خطرے میں ڈالنا بلکہ قتل ہو جانا بھی واجب ہے جبکہ یہ اختیار از خود نہیں ہے۔

معاشرتی نظام، تزاحمات کا مجموعہ ہے بہت سے امور کا دوسرے امور سے ٹکراو کا امکان موجود رہتا ہے اس تزاحم اور ٹکراو کی کیفیت کے خاتمہ کیلئے معاشرے کے حاکم و سرپرست کو خدا نے یہ حق دیا ہے کہ وہ اجتماعی مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک ایسا حکم صادر کر سکتا ہے جو بعض شخصی مفادات کے ضائع ہونے کا موجب ہی کیوں نہ ہوتا کہ مصلحت بالاتر کو محفوظ رکھ سکے۔ بعض اس حق اور ولایت کو چار قسم کے امور پر مشتمل سمجھتے ہیں۔

۱۔ نفس و جان پر حق تصرف

۲۔ مومنین کی مصلحتوں میں زیادہ حق تصرف رکھنا

۳۔ امور اجتماعی اور معاشرتی مسائل میں اولی بالتصرف ہونا

۴۔ معاشرہ میں موجود ولایتوں پر بھی اولی بالتصرف ہونا۔(27)

آیت دوم: اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ رٰکِعُوۡنَ(28) [تمہارا ولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں] اس آیہ کے ذیل میں "الدر المنثور" میں روایت نقل ہوئی ہے کہ "ابن مردویہ" نے عمار یاسر سے نقل کیا کہ علی نماز میں رکوع کی حالت میں تھے کہ ایک سائل نے سوال کیا تو حضرت علی نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دیدی رسول اکرم ﷺ کو یہ خبر ملی تو یہ آیت نازل ہوئی (انما ولیکم اللہ.....) حضرت رسول ﷺ نے اپنے اصحاب کے سامنے یہ آیہ مجیدہ پڑھ کر سنائی پھر فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عادہ''(29)۔ البتہ یہ روایت مختلف اصحاب رسول ﷺ سے نقل ہوئی ہے جو معتبر کتب میں درج ہے۔ بعض نے اس ''ولی'' کے معنی میں بحث کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ مفہوم آیہ میں زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف یہ دیکھا جانا چاہیے کہ عصر نزول قرآن میں لوگ اس آیہ سے کیا سمجھتے تھے چنانچہ شاعر رسول اللہ ﷺ حسان بن ثابت کے اشعار آیت کے مفہوم کو سمجھانے کیلئے کافی ہیں۔

علاوہ برین حضرت علی علیہ السلام انہی معنوں میں ولی ہیں جن معنوں میں اللہ اور اس کا رسول ﷺ ولی ہیں کیونکہ ایک ہی استعمال میں لفظ کے دو معنی مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ یہاں ولایت سے مراد حاکمیت اور سرپرستی ہے، جو اللہ، رسول اور رکوع میں زکواۃ دینے والے سے مختص ہے۔ اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیہ کے معنی میں ایک حدیث ذکر ہوئی ہے: انما ولیکم اللہ و رسولہ و الذین امنوا...قال: انما یعنی (اولی بکم) ای احق بکم و یامورکم و انفسکم و اموالکم اللہ و رسولہ و الذین امنوا ([30])

آیت ۳ : وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ([31]) [اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو اپنا ولی بنائے گا تو (وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہوگا اور) اللہ کی جماعت غالب آنے والی ہے۔] یہاں بھی ولایت سے مراد حاکمیت ہے کیونکہ ''حزب اللہ'' کے ذکر سے یہ قرینہ موجود ہے کہ اللہ کی حاکمیت اور ان نمایندوں کی ولایت و حاکمیت کے تحت انسان اللہ کی جماعت میں شامل ہو کر غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔ حکومت کا مقصد ہی معاشرتی اصلاحات کو نافذ کرکے ایک عادلانہ نظام کا قیام ہے جس میں ہر قسم کے ظالم طاغوت کی نابودی کے انتظامات موجود ہوں لہٰذا ایسی حکومت ظالموں پر غالب آسکتی ہے جو الٰہی نظام کو نافذ کرنے والی ہو۔ سورۃ احزاب (۳۳) آیت ۳۶ نیز سورہ نساء (۴) آیت ۶۵ بھی ولایت الٰہی کو پیغمبر اکرم ﷺ کے لیے واضح طور پر ثابت کرتی ہیں۔

ولایت کے مراتب

گذشتہ بحث میں معانی ولایت میں ایک معنی ''حق تصرف'' بیان ہوا لیکن حقیقت میں اس ''ولایت'' کے بھی مراتب و درجات ہیں مرتبہ کامل و اکمل صرف اللہ تعالی کی ذات کو حاصل ہے اس کے بعد بعض انبیاء مخصوصا آنحضرت ﷺ اور ائمہ معصومین کا مرتبہ آتا ہے۔ معصوم کے زمانہ غیبت میں فقیہ عادل بھی ولایت کے مرتبے پر فائز ہوتا، جس کے اثبات کیلئے آئندہ بحث میں دلائل پیش کریں گے. کچھ مراتب ایسے ہیں جو واقع میں متحقق ہوتے ہیں جس میں پہلا مرتبہ ذاتی کمالات و صفات ہے جو کسی جعل و اعتبار کرنے سے حاصل نہیں ہوتے دوسرا مرتبہ وہ ہے جن کو کوئی جعل کرتا ہے ایسے شخص کیلئے جن میں یہ صفات پائی جاتی ہوں جیسے حضرت پیغمبر ﷺ اور ائمہ معصومین خدا کی جانب سے ولایت کی صفات کے مالک ہونے کی بنا پر والیان بر حق بنائے گئے۔ تیسرا مرتبہ وہ ہے کہ ایک شخص کو عوام اور امت بھی اس منصب ولایت پر قبول کرے جیسے حضرت امیر کو حضرت عثمان کے بعد ولایت و خلافت و امامت کے عہدے پر قبول کیا گیا۔ ([32])

لہٰذا ہر دور میں کوئی نہ کوئی ولی من جانب اللہ ضرور موجود ہوتا ہے جو صفات ولایت کا حامل ہوتا ہے لیکن بعض اوقات نہ پہچاننے کی وجہ سے یا مادی اغراض و مفاصد کی بنا پر امت قبول نہیں کرتی جس کے نتیجے میں

معاشرہ الٰہی ولایت و حاکمیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ معاشرہ کی اصلاح کیلئے صرف قانونی مجموعہ کافی نہیں ہوتا بلکہ قانون اسی وقت اصلاح معاشرہ اور انسانی سعادت کا ضامن ہو سکتا ہے۔ جب قوت مجریہ و ہیئت حاکمہ اس کی پشت پناہی کر رہی ہو، اس لیے خداوند عالم نے قانون بھیجنے کے ساتھ اسے اجرا کرنے کا مرکزی ادارہ "حکومت" لازمی قرار دیا۔ ابتداء میں اسلامی معاشرے کے اجرائی نظام کے سربراہ خود رسول اکرم ﷺ تھے آپ جہاں چور، زانی کی سزا کا قانون بیان فرماتے وہیں اس چور کا ہاتھ بھی کاٹتے اور زانی پر حد جاری کرتے تھے، یہی احکام کا اجرا اور نظام کی برقراری کا فریضہ تھا کہ آپ ﷺ نے خلیفہ کے تعین کو اتنا اہم بنا دیا تھا کہ اس کے بغیر خدا کے نزدیک رسول ﷺ نے کار رسالت ہی انجام نہ دیا ہوتا۔ ([33]) نظام، اسلام کو معاشرے میں باقی رکھتا ہے تاکہ مسلمانوں کو دنیا و آخرت کی سعادت نصیب ہو جائے۔

''ولایت فقیہ'' شیعہ فقہا کی نظر میں

''ولایت فقیہ'' کا مسئلہ اس مفہوم میں کہ اسلامی معاشرے کی حاکمیت و سرپرستی ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو فقہ میں اجتہاد کے مرتبہ پر فائز ہو، بعض لوگوں کے مطابق، اسلامی تفکر کی تاریخ میں یہ ایک جدید مسئلہ ہے اور اس کا تاریخی سابقہ دو صدی سے بھی کم ہے، لیکن یہ حقیقت کے خلاف کے ہے اس سلسلے میں ضروری ہے کہ اسلامی تفکر کی تاریخ پر ایک سرسری نظر کی جائے تاکہ حقیقت تک پہنچنا اسان ہو سکے۔ شیعہ تاریخ تفکر میں نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا سابقہ ابتداء اسلام سے ہے۔

ا۔ مرحوم شیخ مفید (۳۳۳۔۴۱۳ھ)

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں تاریخ شیعہ کے عظیم فقہاء میں سے ہیں وہ اپنی کتاب ''المقنعہ'' کے باب امر باالمعروف و نہی از منکر میں جب امر بہ معروف و نہی از منکر کے مراتب بیان کرتے ہوئے اس کے عالی ترین مرحلہ یعنی قتل اور زخمی کرنے کے مرحلہ پر پہنچتے ہیں تو یوں بیان کرتے ہیں: ولیس له القتل و الجرح الا باذن سلطان الزمان المنصوب لتدبیر الانام یعنی: "امر بہ معروف و نہی از منکر کے سلسے میں شخص مکلّف قتل کرنے یا زخمی کرنے کا حق نہیں رکھتا مگر یہ کہ اس کام کیلئے اسے لوگوں کے امور و مسائل کی تدبیر اور نظم کو برقرار کرنے کے لیئے منصوب شدہ سلطان و وقت کا حاکم اس کی اجازت دے۔'' اس کے بعد مزید فرماتے ہیں: ''اور حدود الٰہی کو نافذ کرنے کا مسئلہ خدا کی طرف سے منصوب شدہ اسلامی حاکم سے مربوط ہے، یہ آل محمد ﷺ میں سے ائمہ ہدایت ہیں یا ان اماموں کی طرف سے مقرر و معین امیر یا حاکم ہیں اور ائمہ اطہار نے بصورت امکان اس سلسلے میں اظہار نظر کا اختیار شیعہ فقہا پر چھوڑا ہے۔" ([34])

بظاہر شیخ مفید نے اس ولایت کو نواب خاص کے ساتھ مربوط کیا ہے جو امام کی جانب سے مشخص و معین صورت میں سیاسی امور کی انجام دہی کے لئے منصوب ہوتے تھے جیسے امام علی کے زمانہ میں مالک اشتر یا امام زمان کی غیبت صغریٰ میں چار نواب خاص لیکن اگر غور کیا جائے تو شیخ مفید کی عبارت نائبین عام کو بھی شامل ہے۔ مرحوم شیخ مفید کے علاوہ سید مرتضی اور شیخ طوسی کے شاگرد ابو الصلاح حلبی (م۴۴۷ھ) اور ابن ادریس حلی (م۵۹۸ھ) نے مسئلہ ولایت فقیہ کے سلسلے میں ایک ایک فصل مخصوص کی ہے۔

۲. شیخ ابوالصلاح حلبی

آپ رہبر کی صفات و شرائط کے ضمن میں لکھتے ہیں (امام کی نیابت کے شرائط یہ ہیں)

۱۔ اس کو جو حکم دیا گیا ہو اس کا صحیح علم رکھتا ہو۔

۲۔ حکم کی نفاذ کی شائستہ طور پر طاقت رکھتا ہو۔

۳۔ عقل و غور و فکر اور حلیم و بردباری کا مالک ہو۔

۴۔ حالات پر گہری نظر رکھتا ہو۔

۵۔ حکم صادر کرنے میں انصاف، عصمت اور دیانت کا مالک ہو۔

۶۔ حکم قائم کرنے اور اسے عملی جام پہنانے کی طاقت رکھتا ہو۔ ([35])

ان کے علاوہ محقق حلی، محقق کرکی، مقدس اردبیلی، ملا احمد نراقی، صاحب جواہر اور شیخ مرتضی انصاری وغیرہ جیسے عظیم فقہاء شیعہ نے اس مسئلے کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ بلکہ صاحب جواہر تو اس مسئلہ کو بدیہیات و ضروریات میں شمار کرتے ہیں۔ صاحب جواہر فرماتے ہیں ابواب فقہ میں فقہا کے فتوے اور ان پر عمل سے ولایت فقیہ کی عمومیت کا استفادہ ہوتا ہے بلکہ ممکن ہے ان کی نظر میں یہ مطلب مسلمات اور ضروریات و بدیہات میں سے ہو۔ ([36])

۳۔ مرحوم صاحب جواہر

شیخ محمد حسن صاحب جواہر، ولایت فقیہ کے دائرہ اختیار کے بارے میں لکھتے ہیں، ''امام علیہ السلام کا ظاہر قول جو آپ نے عمومی طور سے فقیہ جامع شرائط کے بارے میں فرمایا ہے (میں نے اسے تم لوگوں پر حاکم مقرر کیا ہے) ایسا ہے جیسے خاص مواقع پر امام کسی معین شخص کو نصب کرتے وقت فرماتے ہیں''۔ مزید لکھتے ہیں سماجی اور سیاسی امور میں فقیہ کی وہی حیثیت ہے جو ان امور میں امام معصوم کو حاصل ہے۔ اس لحاظ سے امام اور فقیہ میں کوئی فرق نہیں۔ اگر فقیہ، معصوم کی نیابت عامہ کے حامل نہ ہوئے تو شیعوں کے تمام امور معطل ہو جاتے اس لیے جو فقیہ کی ولایت عامہ کے بارے میں وسوسہ انگیز باتیں کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے اس نے فقہ کو نہیں

سمجھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ '' مختصر یہ ہے کہ فقیہ کی ولایت عامہ کا مسئلہ اتنا واضح اور روشن ہے کہ کسی دلیل کا محتاج نہیں۔([37])

۴۔ شیخ مرتضی انصاری (م ۱۲۸۱ھ)

مرحوم شیخ انصاری کتاب '' قضا'' میں امام سے مربوط امور کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ وہ امور جو خود امام کا فریضہ ہے

۲۔ وہ امور جن میں امام ولایت رکھتا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں '' پہلی قسم امام کے اپنے زمانے سے مربوط ہے لیکن دوسری قسم تمام زمانوں سے مربوط ہے اس کے بعد فقہا کے نصب کیے جانے کو دوسری قسم میں شمار کرتے ہیں اور فقہا کی ولایت کو غیبت کے زمانے میں ان کی حکومت کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔([38])

۵۔امام خمینی (م ۱۳۲۱ھ ش)

حضرت امام خمینی کا اعتقاد یہ ہے کہ فقیہ، ولایت مطلقہ کا مالک ہے اس معنی میں کہ امام معصوم کی تمام ذمہ داریاں اور اختیارات، غیبت کے زمانے میں فقیہ جامع الشرائط کے عہدہ پر ہیں لہٰذا فرماتے ہیں '' جو کچھ بیان ہوا اس سے ہم یہ نتیجہ لیتے ہیں کی فقہاء، ائمہ کی طرف سے ان تمام امور میں ولایت رکھتے ہیں جن میں آئمہ ولایت رکھتے ہیں۔([39]) حضرت امام خمینیؒ ایسے فقیہ ہیں جنہوں نے نہ صرف ولایت فقیہ کے مسئلہ پر مستقل دروس دیے بلکہ عملی طور پر اس نظریہ کے مطابق حکومت اسلامی کو قائم کر دیا جو ۳۰ سال سے استعماری طاقتوں کی سازشوں اور دشمنیوں کے باوجود مستحکم انداز میں برقرار ہے۔

حضرت امام خمینیؒ، الفقہا حکام علی السلاطین کے جملے کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں بادشاہ اگر اسلام کے پابند ہوں تو ان کو فقہا کی پیروی کرنی چاہیے اور قوانین و احکام کو فقہا سے پوچھنا چاہیے پھر اجرا کرنا چاہیے اس صورت میں حقیقی حاکم یہی فقہا ہوں گے لہٰذا ضروری ہے کہ حاکمیت باقاعدہ فقہاء سے مربوط ہو۔([40]) ایک جگہ امام فرماتے ہیں اگر کوئی لایق فرد جس میں یہ دونوں صفتیں (علم و عدالت) ہوں اور اٹھ کھڑا ہو اور حکومت تشکیل دے تو یہ وہی ولایت ہو گی جس کے رسول اللہ، نظام معاشرہ چلانے کے سلسلے میں حامل تھے اور تمام لوگوں پر اس کی اطاعت لازم ہو گی۔([41])

ولایت فقیہ کے دلائل

گزشتہ ابحاث میں بیان ہو چکا ہے کہ ولایت و حاکمیت کا حق صرف اللہ تعالی کو حاصل ہے لیکن انسان کی محدودیت کی وجہ سے خداوند اعالم اپنے احکامات اور قوانین کو ایسے شخص کے ذریعے سے معاشرہ تک پہنچائے گا

جو یہ صلاحیت رکھتا ہو کہ ایک طرف سے اللہ تعالی سے پیغام وصول کرسکے اور دوسری طرف بغیر کمی بیشی کے (معصومانہ انداز میں) اس پیغام کو عوام الناس تک پہنچائے لہٰذا انبیا اور ائمہ معصومینؑ اللہ کی جانب سے وہ معصوم نمائندے ہیں جو امت پر ولایت کا حق رکھتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ عصر غیبت امام میں یہ حق کس کو حاصل ہے؟ دعویٰ یہ ہے کہ یہ حق فقیہ عادل کو حاصل ہے جس پر عقلی اور نقلی ادلہ پیش کرتے ہیں۔

دلیل عقلی

جب یہ مسلّم ہے کہ معاشرے کو ایک حاکم اور قائد کی ضرورت ہے جو نظم و ضبط برقرار رکھے وگرنہ مال و جان انسان خطرے میں ہے۔ پس ایک طرف حاکم اور رہبر کی ضرورت سے انکار نہیں اور دوسری طرف حکومت کے مسائل ایسے نہیں جو دین کے دائرے سے خارج ہوں بلکہ دین اسلام ایک جامع اور کامل نظام حکومت پیش کرتا ہے اور عقل نہ فقط یہ کہ حکومتی مسائل میں دین کے عمل دخل میں کوئی مشکل نہیں پاتی بلکہ حکمت کے تقاضے کے تحت اس کی ضرورت پر تاکید کرتی ہے۔اب اگر حکومت کو دین کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو عقل حکم کرتی ہے کہ ایسی حکومت کی قیادت و سرپرستی ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو الہی احکام اور دینی فرائض سے آگاہ ہو اور لوگوں کی قیادت کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

اگر لوگوں میں معصوم موجود ہو تو عقل اس منصب کیلئے اسی کو سزاوار جانتی ہے لیکن اگر معصوم لوگوں کے درمیان موجود نہ ہو تو عقل ایسے عادل اور فقیہ شخص کو معاشرے کی باگ دوڑ سنبھالنے کیلئے حقدار سمجھتی ہے جس میں اس مقام کو سنبھالنے کی لیاقت و صلاحیت موجود ہو دوسرے لفظوں میں عقل حکم کرتی ہے کہ ایک اعتقادی اور نصب العین پر مشتمل حکومت کی سرپرستی ایسے شخص کے ہاتھ میں ہونی چاہیے جو نصب العین سے آگاہ ہو نیز بغیر ذاتی خواہشات کی ملاوٹ کے اسے نافذ کرنے کا ذمہ دار ہو۔ اسلامی اصطلاح میں ایسے شخص کو فقیہ کہا جاتا ہے۔([42])

بعض علماء نے اس دلیل کی یوں وضاحت کی ہے کہ '' فرض یہ ہے کہ خداوند متعال نے حکومت کو اصل میں پیغمبر اور ائمہ معصومین کے لئے قرار دیا ہے لیکن زمانہ غیبت میں جب معصوم تک دسترس نہیں ہے (اور اس غیبت کا قصوروار بھی اسلامی معاشرہ ہے کہ جو امام معصوم کی قدر نہ کرنے کی وجہ سے اس مصیبت میں مبتلا ہوا) ایسی صورت میں نہ دین خدا کو تعطیل کیا جاسکتا ہے اور نہ حکومت کے بغیر کوئی چارہ ہے پس ایسے حالات و شرائط میں کہ جب حکومت کے لئے شائستہ فرد خدا کی جانب سے منصوب ہے لیکن عوام الناس اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تو اس کا کیا حل ہو؟([43])

لہٰذا ایسی صورت میں عقل ہی حکم لگاتی ہے کہ مقام عصمت پر فائز شخص کی عدم موجودگی میں عصمت پر فائز شخص کے نچلے درجہ پر اکتفا کیا جاسکتا ہے نیز اگر عالم منصوص من اللہ تک رسائی نہ ہو پھر اس سے نچلے درجہ کے علم پر فائز شخص پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ عصمت سے نچلہ درجہ عدالت اور علم منصوص سے نچلہ درجہ فقاہت ہے۔ پس ایک ''عادل فقیہ ''اسلامی حکومت کا سربراہ ہوگا۔

دلیل نقلی

ولایت فقیہ کے ثبوت میں بہت سی روایات سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن یہاں صرف دو کا ذکر کرتے ہیں جن روایات کی دلالت میں کوئی اشکال نہیں ہے ان میں سے ایک روایت یہ ہے:

روایت اوّل: قال امیرالمومنین: قال رسول اللہ اللھم ارحم خلفائی (ثلاث مرات) قیل یا رسول اللہ ومن خلفائك؟ قال: الذین یاتون من بعدی، یروون حدیثی و سنتی فیعلمونھا الناس من بعدی ([44]) [حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: رسول ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: خداوندا! میرے خلفاء پر رحم فرما۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ آپ کے خلقاء کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے میری سنت اور میری حدیث بیان کریں گے پھر میرے بعد لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے۔] امام خمینی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کی تشریح کی ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ جملہ (''فیعلمونھا۔'') حدیث میں ہے۔([45]) تو جو لوگ صرف نقل حدیث کرتے ہیں اور اپنا فتوی نہیں دیتے وہ قطعاً اس حدیث میں شامل نہیں ہیں حدیث صرف ان فقہاء کو شامل ہے جو علوم اسلامی کو وسعت دیتے ہیں، احکام اسلامی کو بیان کرتے ہیں تاکہ دوسروں کو تعلیم دیں ''یعلمونھا الناس'' کا یہی مطلب ہے کہ اسلامی احکام لوگوں کو تعلیم دیں اور ہم قائل ہوں کہ جملہ ''یعلمونھا الناس'' حدیث کے ذیل میں نہیں تھا تو پھر دیکھنا ہوگا کہ رسول خدا ﷺ کے اس قول اللھم ارحم خلفائی۔۔۔ الذین یاتون من بعدی یروون حدیثی سنتی کا کیا مطلب ہے؟ اس صورت میں بھی روایت ان راویوں کو ہر گز شامل نہیں ہے جو فقیہ نہیں ہیں۔ کیونکہ سنن الہی تمام احکام سے عبارت ہے پس جو شخص سنن رسول ﷺ کو عام کرے اس کیلئے تمام احکام الہی کا جاننا ضروری ہے وہ صحیح و غیر صحیح کی تشخیص کر سکتا ہو اطلاق و تقیید، عام و خاص اور جمع عقلائی کو جانتا ہو۔

ان کیلئے جو میزان معین کیا گیا ہے اس کو جانتا ہو اور یہ چیز صرف مجتہد و فقیہ ہی کیلئے ممکن ہے جو تمام جوانب و قضایائے احکام کو تولے اور اس میزان کے مطابق جو اسلام اور ائمہ نے معین کیا ہے اسلام کے واقعی احکام کو حاصل

کرے یہ لوگ رسول خدا کے خلیفہ میں اور پیغمبر اکرم ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی ہے: اللھم ارحم خلفائی اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کی روایت، ان روایان حدیث کو ہر گز شامل نہیں جو حکم کاتب میں ہیں۔ایک کاتب، لکھنے والا خلیفہ رسول نہیں ہو سکتا۔ خلفاء سے مراد فقہائے عادل ہیں کیونکہ اگر عادل نہ ہوں تو ان قضات کی طرح ہوں گے جو اسلام کے خلاف روایات گھڑتے تھے اگر وہ لوگ فقیہ نہ ہوئے تو یہی نہ سمجھ پائیں گے کی فقہ کیا ہے اور حکم اسلام کیا ہے؟ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسی روایات کو عام کردیں جو ظالموں کے عملہ، درباری ملاوں اور بادشاہوں کی تعریف میں وضع کی گئی ہوں اگر یہ لوگ اہل روایت اور دین شناس ہوتے تو ان کثیر روایات پر عمل کرتے جو ظالموں کے خلاف آئی ہیں اور اگر مان لیا جائے کہ اہل روایت ہیں تو پھر عادل نہیں۔

اب رہی حدیث تو ولایت فقیہ پر اس کی دلالت بغیر کسی شک کے واضح ہے، اس لیے کہ خلافت کا معنی کوئی امر مجہول نہیں تھا جس کے بیان کی ضرورت ہوتی اور خود سائل نے بھی خلافت کا مطلب نہیں پوچھا تھا بلکہ اس کا مطلب، اشخاص (مصادیق خلافت) کو پہچاننا تھا اور رسول ﷺ نے اس کا صفت کے ساتھ تعارف کرادیا۔(46) اس روایت کے ''ولایت فقیہ'' پر دلالت کی وضاحت میں اس نکتہ پر غور کرنا ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ تین مقام و منزلت کے مالک تھے:

۱۔ رسالت: آیات الہی کی تبلیغ، شرعی احکام کو لوگوں تک پہنچانا اور لوگوں کی راہنمائی کرنا۔

۲۔ قضاوت: اختلاف کی صورت میں فیصلہ کرنا اور دشمنی کو دور کرنا۔

۳۔ اسلامی معاشرے کی قیادت و حکومت اور اس کی تدبیر۔

اس وضاحت کے تناظر میں فقہاء، مذکورہ بالا تمام حیثیتوں میں پیغمبر کے جانشین نہیں جن کے پیغمبر مالک تھے۔(47)

روایت دوّم: اما الحوادث الواقعه فار جعوا فیها الی رواۃحدیثنا فانهم حجتی علیکم وانا حجۃاللہ علیهم۔ یہ روایت ایک توقیع(48) شریف ہے جس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ مرحوم صدوق نے اسحاق بن یعقوب سے نقل کیا ہے کہ اس کے مطابق حضرت ولی عصر نے اسحاق بن یعقوب کے سوالات کے جواب میں اپنے دست مبارک سے یہ روایت تحریر فرمائی۔ سند کے لحاظ سے یہ روایت اسحاق بن یعقوب تک قطعی ہے۔اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیسے معلوم ہوا کہ اسحاق بن یعقوب نے کوئی توقیع حاصل کی ہے شاید اس سلسلے میں جھوٹ بولا ہو تو ہم جواب میں کہیں گے: کلینی نے جو یہ توقیع نقل کی ہے، وہ ضرور اسے مورد اعتماد جانتے تھے۔ورنہ ہر گز ایسا قدم نہ اٹھاتے اس روایت سے استدلال کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ حضرت امام زمان نے ان دو جملوں فانهم حجتی علیکم اور انا حجۃاللہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ آپ کی حدیث کے راویوں کی حجیت امام کی اپنی حجیت

کے مانند ہے۔ یعنی فقہائ، لوگوں میں امام زمان کے نائب و جانشین ہیں اب اگر توقیع کے صادر ہونے کے زمانہ (غیبت صغری) کو ہم مد نظر رکھیں اور اس امر پر غور کریں کہ آپ اس دوران شیعوں کو غیبت کبری کیلئے آمادہ کر رہے تھے اور حقیقت میں اپنی آخری فرمائشیں اور احکام صادر فرمارہے تھے تو ہمیں واضح طور پر معلوم ہو جائیگا کہ یہ روایت زمانہ غیبت کیلئے ہے اور یہ روایت شیعہ فقہاء کو تمام امور، من جملہ اسلامی معاشرے کی حکومت میں امام زمانہ کا جانشین قرار دیتی ہے۔([49])

روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ''جب تمہیں حوادثات زمانہ پیش آجائیں تو ہمارے راویان حدیث کی طرف رجوع کرنا کیونکہ یہ میری طرف سے تمہارے لیے حجت ہیں اور میں اللہ کی طرف سے ان پر حجت ہوں،لفظ ''حوادث'' سے پتا چلتا ہے کہ یہ معمولی مسائل نہیں جن کیلئے صاحب فتوی کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے بلکہ ''حوادث''ان بڑے پیچیدہ مسائل کو کہا جاتا ہے۔ جن کے حل کیلئے ایک فقیہ اور مدبر شخص کی ضرورت ہوتی ہے یعنی امام کی نظر میں حکومتی سطح کے مسائل میں فقیہ عادل مرجع اور راہبر ہوگا۔اس روایت میں ''حجت'' سے مراد دیگر تمام موارد کی طرح ایسی چیز ہے جس سے احتجاج واستدلال کیا جاسکتا ہے امام حجت خدا ہیں اب اگر وہ کچھ فرمائیں اور لوگ اس پر عمل نہ کریں تو خداوند متعال امام کے ارشاد کے ذریعہ اس کی مخالفت کرنے والوں پر احتجاج کرے گااور وہ لوگ اس مخالفت کے مقابلہ میں کوئی عذر و بہانہ پیش نہیں کر سکتے۔اسی طرح اس حکم کی اطاعت کرنے والے اپنے عمل کی توجیہ میں استدلال کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات

☆☆☆☆☆

1۔الحدید(۵۷)/۲۵۔

2۔الفرقان(۲۵)/۴۴۔

3۔الحجر(۱۵)/۲۹،۲۸۔

4۔السجدہ(۳۲)/۹۔

5۔الشّمس(۹۱)/۸،۷۔

6۔ہادوی تہرانی، مہدی/ولایت و دیانت. ص۱۹۔

7۔مصباح یزدی، محمد تقی/حکومت اسلامی و ولایت فقیہ، ص۳۹۔

8۔التوبہ (۹)/۳۱۔
9۔امام خمینی، روح اللہ/حکومت اسلامی. ص۲۱، ۲۰ (تلخیص)۔
10۔علامہ مجلسی، محمد باقر/بحار الانوار. ج ۴ ص ۶۰۔
11۔الانعام (۶)/۶۲۔
12۔الکھف (۱۸)/۲۶۔
13۔منتظری، حسین علی/ولایت الفقیہ. ج ۱ ص ۲۸۔
14۔ہادوی تہرانی، مہدی/ولایت و دیانت. ص ۳۳۔
15۔امام خمینی، روح اللہ/حکومت اسلامی. ص ۲۸، ۲۷۔
16۔جوادی آملی، عبد اللہ/ولایت الفقیہ. ص ۲۹۔
17۔البقرہ (۲)/۲۵۷۔
18۔المائدہ (۵)/۵۶۔
19۔ہادوی تہرانی، مہدی/ولایت و دیانت. ص ۴۱۔
20۔النساء (۴)/۵۹۔
21۔امام خمینی، روح اللہ/کشف اسرار. ص ۱۰۹۔
22۔جوادی آملی، عبد اللہ/ولایت فقیہ. ص۔
23۔الصّف (۴۱)/۴۴۔
24۔ہادوی تہرانی، مہدی/ولایت و دیانت. ص ۶۶۔
25۔ایضاً ص ۶۷۔
26۔الاحزاب (۳۳)/۶۔
27۔منتظری، حسین علی/ولایت الفقیہ. ج ۱ ص ۳۸ (تلخیص)۔
28۔المائدہ (۵)/۵۵۔
29۔الدر المنثور/ج ۲ ص ۲۹۳ (نقل از ولایت الفقیہ/منتظری. ج ۱ ص ۶۳)۔
30۔کلینی، محمد بن یعقوب/ج ۱ ص ۲۸۸ (کتاب الحجہ، باب ما نص اللہ و رسولہ علی الائمہ حدیث ۳)۔
31۔المائدہ (۵)/۵۶۔
32۔منتظری، حسین علی/ولایت الفقیہ. ج ۱ ص ۷۸۔
33۔امام خمینی، روح اللہ/حکومت اسلامی ص ۳۳۔

34۔ہادوی تہرانی، مہدی/ولایت و دیانت ص۷۱۔
35۔ابو الصلاح حلبی/الکافی فی الفقہ ص ۴۲۳ (نقل از ولایت و دیانت ص۷۹)۔
36۔ نجفی، محمد حسن/جواہر الکلام. ج۱۴ ص۱۷۸۔
37۔ایضاً ج۲۱ ص۳۹۵۔۳۹۷ (تلخیص)۔
38۔ شیخ انصاری، مرتضے/کتاب القضاء والشادات ص ۳۴۳، نقل از ولایت و دیانت ص۸۹۔
39۔امام خمینی، روح اللہ/کتاب البیع. ج۲ ص۳۸۸، نقل از ولایت و دیانت ص ۹۳۔
40۔امام خمینی، روح اللہ/حکومت اسلامی ص۵۱۔
41۔ایضاً ص ۵۳۔
42۔ہادوی تہرانی، مہدی/ولایت و دیانت ص۹۸۔
43۔مصباح یزدی، محمد تقی/حکومت اسلامی وولایت فقیہ ص۱۵۶۔
44۔الحر العاملی، وسائل الشیعہ. ج۱۸ ص۶۵۔
45۔ کیونکہ یہ روایت کئی ایک راویوں سے نقل ہوئی ہے اور بعض نے اس جملہ کو نقل نہیں کیا۔
46۔امام خمینی، روح اللہ/حکومت اسلامی ص۶۲۔۶۶۔
47۔ہادوی تہرانی، مہدی/ولایت و دیانت ص۱۰۰۔
48۔توقیع کے معنی لغت نامہ کے اوپر نشان لگانے کے ہیں۔ کسی فرمان یا نامہ پر نشان لگانے یا بادشاہ کے دستخط کرنے کو بھی توقیع کہتے ہیں معصومین کے ہر نامہ کو خاص کر وہ خطوط جو امام زمانہ کی طرف سے صادر ہوں اور نواب اربعہ میں سے کسی ایک نے اس کو حضرت حجت تک پہنچایا ہو وہ حدیث و تاریخ کی کتابوں میں توقیع کے نام سے مشہور ہیں۔
49۔ہادوی تہرانی، مہدی/ولایت و دیانت ص۱۰۵، ۱۰۴۔

برصغیر کے شیعہ علماء وفقہاء کے بارے میں لکھی جانے والی کتب

سید حسین عارف نقوی اسلام آباد

ذیل میں اُن کتابوں کی فہرست ہے جن میں شیعہ اثنا عشری علماء و فقہاء برصغیر پاک و ہند کا تذکرہ ہے۔ ان کتب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

حصہ اول: اُن غیر شیعہ مصنفین کی کتب جن میں ضمناً شیعہ علماء کا بھی تذکرہ موجود ہے

حصہ دوم: برصغیر کے علاوہ دیگر ممالک ایران، عراق اور لبنان کے شیعہ مصنفین کی کتب جن میں برصغیر کے شیعہ علماء کا تذکرہ موجود ہے

حصہ سوم: برصغیر کے شیعہ مصنفین کی شیعہ علماء کے سوانح اور احوال و آثار پر کتب۔

حصہ چہارم: برصغیر کے شیعہ مصنفین کی کتب جو شیعہ علماء کے تذکرے پر مشتمل ہیں۔

حصہ اول

1۔ تذکرہ علمای ہند (فارسی): رحمان علی ڈاکٹر محمد ایوب قادری (م ۱۹۸۳ء) نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور حواشی میں اور کتنے ہی علماء کا تذکرہ کر دیا جن کا ذکر متن کتاب میں نہ آ سکا تھا۔ مطبوعہ کراچی۔

2۔ نزہتہ الخواطر (عربی): سید عبدالحہ حسنی، مطبوعہ حیدر آباد، دکن۔

3۔ تذکرہ علمائے پنجاب (جلد اول و دوم): ڈاکٹر سفیر اختر، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء۔

4۔ فقہاء ہند: مولانا محمد اسحاق بھٹی لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔

5۔ اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ۔ شمالی ہند میں ۱۸۵۷ء تک: ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ڈاکٹر صاحب کا Ph.D. کا مقالہ، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔

6۔ وفیات ناموران پاکستان: پروفیسر محمد اسلم طبع اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان۔

7۔ خفتگان خاک گجرات: ڈاکٹر منیر احمد سلیج (ایم بی بی ایس) گجرات۔

8۔ رودِ کوثر: ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، فیروز سنز لاہور، ۱۹۷۰ئ، زیر عنوان: شیعہ فرقے کا فروغ۔ اٹھارویں صدی میں شیعیت کا فروغ دکن، مرشد آباد، عظیم آباد اور لکھنو کے اکابر شیعہ علماء۔

9۔ وفیات ناموران پاکستان: ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیج، لاہور: اردو سائنس بورڈ۔

10۔ وفیات اہل قلم۔ رخصت ہو جانے والے پاکستانی اہل قلم کے کوائف و تواریخ وفات، ۱۵اگست ۱۹۴۷ء تا اگست ۲۰۰۷ء اکادمی ادبیات پاکستان: ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیج۔

(11-12) خفتگانِ خاک لاہور، خفتگانِ کراچی: پروفیسر محمد اسلم، طبع لاہور۔

حصہ دوم

1۔ طبقات اعلام الشیعہ (عربی): شیخ محمد محسن المعروف بہ آقائی بزرگ طہرانی طبع نجف اشرف وایران۔

2۔ ریحانۃ الادب (فارسی): محمد علی مدرس۔

3۔ تراجم الرجال (عزلی): السید احمد الحسینی مدظلہ، چار جلدیں، ۲۹۳۵ علماء کا تذکرہ، جن کا تذکرہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کسی بھی کتاب میں نہ آسکا تھا، مصنف نے جن علماء کا شیخیت کی طرف رجحان تھا، اس حوالے سے ذکر کر دیا ہے، طبع قم (ایران)، ۱۴۲۲ھ۔

4۔ مستدرکاتِ اعیان الشیعہ (عزلی): حسن امینی مطبوعہ بیروت۔

5۔ معرفی صاحبان آثار حوزوی (حوزہ علمیہ قم) فارسی: عبدالحسین خُروپناہ۔

6۔ دائرۃ المعارف التشیع (فارسی): قم ایران ۱۳۸۱ھ ش۔

حصہ سوم

1۔ بیسویں صدی کا مجدد اعظم۔ ناصر الملت مولانا سید ناصر حسین لکھنوی (م ۱۳۶۱ھ): محمد اصغر۔

2۔ تاریخ سلطان العلماء۔ مولانا سید محمد بن سید دلدار علی: مولانا سید آغا مہدی۔

3۔ تذکرہ ناصر الملت: مرزا احمد حسن (م ۱۹۶۴ء)۔

4۔ سرکار سعید الملت ابن ناصر الملت: شہید صفی پوری، مولانا محمد سعید (م ۱۳۸۷ھ) کے احوال وآثار۔

5۔ سوانح حیات غفرانماب۔ مولانا سید دلدار علی (م ۱۸۲۰ء): مولانا سید آغا مہدی۔

6۔ شمس التواریخ حصہ دوم: حکیم نواب علی خان، مصنف کے خاندانی حالات کے ساتھ ساتھ بیسیوں شیعہ علماء وحفاظ کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔

7۔ نیرّین۔ شہید ثالث و ناصر الملّت: حافظ علی صابر۔

8۔ تجلیات۔ تاریخ مفتی محمد عباس (م ۱۳۰۶ھ): مرزا محمد ہادی رسوا (م ۱۳۵۰ھ)۔

9۔ جناب رضوان مآب۔ سلطان العلماء مولانا سید محمد (م ۱۲۸۴ھ): علامہ سید علی نقی نقوی (م ۱۹۸۸ء)۔

10۔ حیات فردوس مکان۔ مولانا سید محمد ابراہیم (م ۱۳۰۷ھ): مولانا سید احمد علامہ ہندی (م ۱۳۶۶ھ)۔

11۔ مرگ باشرف: ڈاکٹر عسکری بن احمد، مولانا مرزا احمد علی امرتسری (م ۱۹۷۰ء) کے احوال وآثار۔

12۔ورثۃالانبیاء : مولانا سید احمد علامہ ہندی، مولانا سید دلدار علی (م ۱۲۳۵ھ) اور اُن کے اہل علم اخلاف کے حالات ۔

13۔فاضل لکھنوی۔احوال وآثار : سید حسین عارف نقوی، مولانا سید مرتضی حسین (م ۱۹۸۷ء) کے احوال و آثار، طبع کراچی۔

14۔شیعیت ۔گلگت میں :۔ استاد غلام حسین انجم ،ضمناً بعض ممتاز شیعہ علماء کا تذکرہ بھی ہے ،گلگت : خیر الناس ویلفیر ٹرسٹ، دنیور ،۲۵۶،۲۰۰۶ص۔

حصہ چہارم

1۔تذکرۃالاتقیاء فی تاریخ العلماء (حصہ دوم) سید سلمان حیدر عابدی، سید قرۃالعین مجتبیٰ: مصنفین کے دادا مولانا سید محمد حسین نوگانوی (م ۱۹۴۳ھ) صاحب تصانیف تھے۔

ایک انتہائی اہم کتاب

''تذکرہ بے بہافی تاریخ العلماء '' ہے یہ کتاب برصغیر کے شیعہ علماء کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ جن علماء کے حالات زندگی اس کتاب میں نہ آسکے تھے اور اُن کی وفات کے بعد کے علماء کے حالات زندگی کو اس کتاب کی مجلّدات میں جمع کیا گیا ہے۔اس حصے میں مولانا آزاد حسین تا مولانا احفاد الحسنین کا تذکرہ ہے یعنی کل ۵۰ علماء کا تذکرہ ہے کہ اس کے اور حصے بھی چھپ چکے ہیں لیکن میری نگاہ سے ابھی نہیں گزرے۔نوگانواں (ضلع مراد آباد) : دائرۃالاشاعۃ جامعۃالمنتظر، ۱۹۹۲ء ،۲۰۰ص

2۔تذکرہ بے بہافی تاریخ العلماء : مولانا محمد حسین نوگانوی، ہندو پاک کے ۲۹۰ شیعہ فقہاء و علماکا تذکرہ، قطعاًت تاریخ وفات بھی اکثر علماء کے درج کیے گئے ہیں، دھلی : کاظم بک ڈپو، ۴۵۰ص

3۔تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان : سید حسین عارف نقوی، ۴۶۲ علماء کا تذکرہ اس کتاب کا فارسی ترجمہ اسی نام سے ڈاکٹر محمد ہاشم نے کیا جسے آستانہ قدس مشہد ایران نے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا ترجمہ نگار نے کئی اہم پیرا گراف کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے ۔اسلام آباد : مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء، (۴۴+۶۱۶)ص

4۔تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان (شمالی علاقہ جات) : سید حسین عارف نقوی، بلتستان، گلگت اور استور کے ۳۶۷ علمائے شیعہ ،۳۶ علمائے نور بخشیہ اور ۱۲ علمائے اسماعیلیہ کا تذکرہ، اُن کی تصانیف کا ذکر اور شاعر ہونے کی صورت میں نمونہ کلام اسلام آباد : امامیہ دارالتبلیغ ،'۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء '۲۲۳ص

5۔خورشید خاور۔تذکرہ علمائے ہندو پاک : علامہ سید سعید اختر رضوی، ۳۷۶ علمائے ہندو پاک کا تذکرہ، گوپال پور : معارف پبلی کیشنز ضلع سیوان بہار (ہند)، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء، ۳۴۸ص

6۔مطلع انوار : مولانا سید مرتضٰی حسین فاضل (م ۱۹۸۷ئ)، ۹۰۰ سے زیادہ علماء کا تذکرہ، اس کا فارسی ترجمہ اسی نام سے آستانہ قدس مشہد سے ۱۴۰۷ھ میں چھپا ترجمہ، ڈاکٹر محمد ہاشم نے کیا ترجمے میں مستدرکات مطلع انوار جو مولانا سید سعید اختر رضوی مرحوم نے لکھا شامل ہے، کراچی : خراسان اسلامک سنٹر، ۱۴۰۲ھ /۱۹۸۱ء ۷۷۲ص

۷۔نجوم السماء فی تراجم العلماء (فارسی) : مرزا محمد علی کشمیری (م۱۳۰۹ھ)، یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۰۳ھ میں مطبع جعفریہ لکھنو نے شائع کی اشاعت حاضر آیت اللہ سید شہاب الدین مرعشی کے مقدمہ بعنوان ''نبراس النور والضیاء'' کے ساتھ شائع ہوئی۔ قم: مکتبہ بصیرتی (ایران)'۱۳۹۴ھ' (۱۴+ ۴۲۴) ص

8۔نجوم السماء تکملہ (فارسی) حصہ اول: مرزا محمد مہدی لکھنوی کشمیری، سینکڑوں فقہاء پر مشتمل آیت اللہ سید شہاب الدین مرعشی کے مقدمے کے ساتھ پہلی مرتبہ شائع ہوئی، قم: مکتبہ بصیرتی،'۱۳۹۷ھ'۷۷۴ص

9۔نجوم السماء تکملہ حصہ دوم: مرزا محمد مہدی لکھنوی کشمیری، قم: مکتبہ بصیرتی، ۳۲۲ص

☆☆☆☆☆

تفسیر عمدۃالبیان، ایک جائزہ

سید حسین عارف نقوی اسلام آباد

یہ تفسیر جو اردو زبان میں ہے مولانا سید عمار علی سونی پتی کی تحریر کردہ ہے مولانا کا تعارف یہ ہے :

ولدیت : سید نظام علی، ولادت : ۱۲۴۴ھ /۱۸۲۸ء سونی پت ضلع رہتک

وفات : ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۶ء ، مدفن : امام بارگاہ قاضی علیم الدین محلّہ قاضی زادگان

مولانا نے اس تفسیر کے علاوہ چند اور کتابیں بھی لکھیں جن میں سے بعض یہ ہیں :

۱۔ دفع المغالطہ (فارسی۔ مناظرہ)　　۲۔اعتقادیہ　　۳۔علامات مومن

۴۔احکام نکاح　　۵۔فرائض (میراث)　　۶۔ تجہیز الموتی

(۱)۔کتاب کے علاوہ باقی تمام اردو میں ہیں نواب جعفر علی خان نے قطعہ تاریخ وفات نظم کیا۔

ساکن سونی پت آن علامہ ہندوستان۔　　صاحب تفسیر عمدہ سید معجز بیان

ثانی عمار یاسر گشت در ماہ صفر۔　　قبلہ من مولوی عمار علی جنت مکان (۱۳۰۴ھ)

تفصیلی حالات : مطلع انوار : مولانا سید مرتضٰی حسین فاضل (م ۱۹۸۷ئ) اور تذکرہ بے بہا فی تاریخ العلماء :

مولانا سید محمد حسین نوگانوی (م ۱۹۴۳ء) میں دیکھے جا سکتے ہیں تعجب ہے کہ مولانا سید سعید اختر رضوی (م ۲۰۰۴ء) نے اپنی کتاب ''خورشید خاور تذکرہ علمائے ہندو پاک '' طبع معارف پبلی کیشنز، گوپال پور (بہار ہند) ۱۴۲۲ھ ۲۰۰۲ء میں انکا تذکرہ نہیں کیا۔

تفسیر عمدۃالبیان تین حصوں میں کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے پہلی مرتبہ یہ تفسیر ۱۲۸۸ھ میں مطبع پنجابی لاہور میں چھپی اس کی تیسری جلد ۱۲۹۰ھ میں چھپی اس مطبع کے خوشنویس حافظ عمر دراز فائض نے تاریخ کہی :

پرسیدہ ای ندیم سالش　　کن گوش وی بسوئی تقریر

چوں انو سر دھم خویش گزری　　گویم بتو عمدۃالتفاسیر　　(۱۲۹۰ھ)

ممتاز العلماء مولانا سید محمد تقی (م ۱۲۸۹ھ) نبیرہ مولانا سید دلدار علی (م ۱۲۳۵ھ) کی تفریظ شامل کتاب ہے جو یہ ہے :

''باسم سبحانہ۔یہ تفسیر جو فاضل تحریر فخر الحاج والمعتمرین زائر ائمہ معصومین زکی متقی المعی لوذعی مولوی سید عمار علی مسلمہ نے تصنیف فرمائی ہے

مقامات متفرقہ اس کے ملاحظہ نحیف میں آئے حق سبحانہ و تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے اور ان کی سعی کو شائع کر نے مذہب حق ائمہ میں قبول فرمائے اور مومنین کو اُس سے منتفع کرے ۲۳ ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ ''

۱۴۰۶ھ کو اس تفسیر کو دوسری اشاعت کے عکس کو انجمن تنویر العزا ملتان نے شائع کیا جیسا کہ سابقاً بتایا جا چکا ہے کہ یہ تفسیر بڑے سائز کی تین جلدوں پر مشتمل ہے

جس کی تفصیل یہ ہے :　　جلد اول :　　پہلے دس پارے　　صفحات : ۵۲۸

جلد دوم :　　گیارہ تا بیس　　صفحات : ۵۵۹

جلد سوم :　　آخری دس پارے　　صفحات : ۵۵۸

اس طرح کل ۱۶۴۵ صفحات پر مشتمل ہے

تینوں جلدوں میں کہیں بھی پیرا گراف اور عناوین نہیں ہیں اس زمانے میں یہی دستور تھا حاشیے میں کہیں کہیں عنوانات بھی دیے گئے ہیں تفسیر میں بعض مقامات پر اشعار بھی دیے گئے ہیں مثلاً جلد اول ص ۴۸۰

گر نبودی دست حیدر ذوالفقار　　کی شدی اللہ اکبر آشکار

غار میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ایک صحابی بھی تھے جن کے بارے میں لا تحزن موجود ہے حافظ شیرازی کے شعر سے استدلال کرتے ہیں : ص ۵۰۴

الایا ایھا الساقی ادر کاساً و ناولھا　　کہ عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلھا

جلد دوم ص ۱۹

دنیا میں کچھ جمع نہ کرا ے مرد بے خبر۔　　در پیش آخرت کا ہے ہر دم تجھے سفر ص ۴۵

بندگان را از عذاب آزاد کن۔　　جان غمگینان برحمت شاد کن

گرچہ ما کردیم عصیان ای خدا۔　　تو بفضل خویش عدل و داد کن

جلد سوم ص ۴۹۱ سورہ عبس کے ذیل میں

پھوکے گا جب کہ صور سرافیل نامدار　　اس وقت اے محبوّ قیامت ہو آشکار

زندہ کوئی رہے گا نہ باقی جہاں میں　　ہر شخص کو فنا ہے بجز ذات کردگار

تفسیر میں تفسیر مجمع البیان، تفسیر عیاشی ، تفسیر قمی ، نہج البلاغۃ ، کمال الدین و تمام النعمۃ کے حوالے آئے ہیں جب کہ کتب اہل سنت میں سے صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، بشارۃ المصطفیٰ ، جمع بین الصحیحین ، سنن ابو داود ، موطا امام مالک ، مسند احمد بن حنبل ، تفسیر ثعلبی اور تفسیر معالم التنزیل کے حوالے آئے ہیں ۔ انجیل مقدس کا حوالہ بھی موجود ہے۔

ترجمہ و تفسیر اس طرح ہے کہ آیت یا اس کا کچھ حصہ تحریر کیا ہے متصل ہی اس کا ترجمہ تفسیر، نحوی، صرفی اور ادبی بحث مثلاً۔ ووجدك ضالاً۔ اور پایا تجھ کو خدا نے راہ گم کیا ہوا۔۔۔۔ فھدی پس راہ دکھلائی تجھ کو کہ تیرے دادا کو تیرے پاس بھیجا۔ جلد سوم، ص ۵۶۵۔

اور پایا تجھ کو گم ہونے والا قوم میں کہ تیرے فضل اور مرتبے کو وہ نہیں جانتے تھے اسی جلد کے ص ۶۵ پر آیت خاتم النبیین کے تحت لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں خاتم الانبیاء ہوں اور تو اے علی خاتم الاولیاء ہے (اس میں خاتم الاولیاء محل نظر ہے حدیث میں خاتم الاوصیا کے الفاظ ہیں) تفسیر میں بعض مقامات پر اصلاحی پہلو بھی مد نظر رکھا گیا ہے مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ''ولنبلونکم بشیءٍ'' کے تحت جلد اول ص ۶۹ پر لکھا ہے:

''لیکن اکثر آدمی محرم میں بدعتیں کرکے اپنے ثواب کو ضائع کرتے ہیں باجے بجاتے ہیں بجواتے ہیں اور مرثیون میں جھوٹی روایتیں اپنی طرف سے ایجاد کرکے داخل کرتے ہیں اور غلو اور تفویض کی روایتوں کو مجلسوں میں بیان کرکے لوگوں کے ایمان کو فاسد کرتے ہیں اور راگ کہ شرع میں ممنوع ہیں اس میں مرثیوں کو پڑھتے ہیں اور عورتیں بلند آواز سے مرثیو نکو پڑھتی ہیں اور نا محرم ان کی آواز کو سنتے ہیں ان امور سے مومنین کو اجتناب ضرور چاہیے اور تعزیوں پر محتاج آدمی تو اپنی احتیاج عرضیاں باندھتے ہیں۔۔۔۔

حاجت کا طلب کرنا پرودگار سے چاہیے کہ وہ قاضی الحاجات ہے نہ اس کا غیر ہاں ائمہ معصومین سے شفاعت چاہنا ۔۔۔۔ باعث حصول مقصد ہے اور تعزیہ اور علم پر زیارت نہ پڑھنا چاہیے آغاز تفسیر شکر واجب ہے خدائے پاک کا۔ جس نے بخشیں نعمتیں بے انتہا۔۔۔ ہر آیت کی تفسیر اور شان نزول آیت اور قصہ قرائت اور ترکیب نحوی حسب ضرورت سب کو اس تفسیر میں درج کیا اور اثبات مذہب حق اور جواب مخالفین میں بہت تفصیل بیان کی۔

ابتدا میں تین مقدمے ہیں

۱۔ مقدمہ اول: قرآن شریف کے نازل ہونے کے بیان میں

۲۔ مقدمہ دوم: قرآن کی تلاوت کے آداب

۳۔ مقدمہ سوم: ثواب تلاوت قرآن اور اس کے بارے میں چند احادیث

تیسری جلد کے آخیر میں، مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات ہے:

تفسیر جو کہ لکھتا تھا قرآن کی مدام　　یارب تیرے کرم سے وہ سب ہو گئی تمام

تو جانتا ہے کیسی مشقت ہے یہ کتاب　　عرصے میں تین سال کے پہنچی باختتام

جاری کر اس کو ہند میں ہے آرزو یہی　　حاصل کریں جو فائدہ اب اس سے خاص و عام

☆☆☆☆☆

شیعہ محدثین اور اُن کی کتب حدیث (۳)

(ثقۃ الاسلام کلینی بحیثیت محدث)

سید رمیز الحسن موسوی

مشہور شیعہ محدث ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی (متوفی ۳۲۹ھ) کی کتاب ''الکافی'' کتب اربعہ میں پہلی کتاب شمار ہوتی ہے۔کتاب کافی کے مفصل تعارف سے پہلے خود کلینی کا تعارف ضروری ہے۔

ثقۃ الاسلام کلینی کے حالات زندگی

ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی تیسری صدی ہجری میں ''قدیم رے'' کے ایک گاوں ''کُلین'' میں پیدا ہوئے۔ اُن کا گھرانہ اپنے علاقے میں علم و فضل کے لحاظ سے ایک معروف خاندان تھا۔ محمد بن یعقوب بعد میں اپنے اسی علم فضل کی بنا پر ثقۃ الاسلام ،رئیس المحدثین اور بغدادی کے القاب سے مشہور ہوئے۔اُن کی صحیح تاریخ پیدائش مشخص نہیں لیکن بعض تاریخی قرائن سے پتا چلتا ہے کہ وہ امام زمانہ (عج) کی ولادت کے زمانے سے انتہائی قریبی زمانے میں پیدا ہوئے ہیں۔لہٰذا ہم اُن کی تاریخ پیدائش کو تقریباً ۲۵۵ ہجری کے قریب قرار دے سکتے ہیں۔([1]) علامہ بحر العلوم کے مطابق : کلینی نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی حیات مبارکہ کا کچھ حصہ دیکھا ہے۔([2]) لیکن آیت اللہ خوئی کے نزدیک کلینی کی پیدائش امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد ہوئی ہے۔ کلینی نے ایک علمی خاندان میں آنکھ کھولی ہے اُن کے والد یعقوب ،ماموں ابوالحسن علی بن محمد المعروف علان اور محمد بن عقیل کلینی کہ جو عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانے میں بزرگ شیعہ علماء میں شمار ہوتے تھے۔

شیخ کلینی کی علمی شخصیت

شیخ کلینی کی علمی فضیلت کا اعتراف تمام شیعہ و سنی علماء نے کیا ہے اور حدیث میں اُن کے مقام و مرتبے کو تسلیم کیا ہے۔ شیخ کلینی کی علمی شخصیت جاننے کے لیے ہم جید شیعہ و سنی علماء کی کتب و بیانات سے استفادہ کرتے ہوئے چند آراء پیش کرتے ہیں۔

شیعہ علماء کی آراء

شیعہ فقہاء کے رئیس شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی (م۴۶۰ھ) اپنی گراں قدر کتاب الرجال کے باب "وہ لوگ جنھوں نے ائمہ (ع) سے (براہ راست) روایت نہیں کی ہے" میں لکھتے ہیں:ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی بڑے جلیل القدر دانشمند اور احادیث و روایات کے بڑے عالم تھے، آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں کہ جو

کتاب الکافی میں مرقوم ہیں ماہ شعبان ۳۲۹ھ میں وفات ہوئی اور محلّہ "باب الکوفہ" میں دفن ہوئے۔ ہم نے ان کی کتابوں کو "الفہرست" میں تحریر کیا ہے۔([3]) اور "الفہرست" میں الکافی کی ساری کتابوں اور کلینی کی دوسری تالیفات کا تذکرہ کیا ہے کہ جنھیں ہم بعد میں ذکر کریں گے۔([4]) علم رجال کے گرانقدر عالم جناب ابوالعباس احمد بن علی بن عباس المعروف "نجاشی" (م ۴۵۰ھ) اپنی نفیس اور مشہور کتاب الرجال کہ جنھیں علم رجال کا مشہور شیعہ عالم بتلایا گیا ہے اور انھوں نے اپنی کتاب الرجال کو شیخ طوسی کی کتاب الفہرست اور الرجال کے بعد تحریر کیا ہے، وہ جناب کلینی کو اس طرح یاد کرتے ہیں: ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی، (علان کلینی جن کے ماموں تھے) اپنے زمانہ کے شیعہ علماء کے پیشوا اور شہر رے کے تابندہ و درخشان محدث اور ثبت و ضبط میں موثق ترین شیعہ عالم تھے۔ انھوں نے اپنی عظیم کتاب "الکافی" کو بیس سال میں مرتب فرمایا ہے۔ پھر اس کے بعد الکافی کی کتابوں اور کلینی کی دیگر تالیفات ذکر کرتے ہیں۔([5])

شیخ طوسی اور شیخ نجاشی کے بعد آنے والے علماء نے جہاں کہیں بھی شیخ کلینی کا نام آیا ہے یا ان کی عظیم و نامور کتاب "الکافی" کا نام لیا ہے انھیں شیعوں کے موثق ترین شخص کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ ابن شہر آشوب مازندرانی، علامہ حلی، ابن داؤد نے، معمول کے مطابق شیخ طوسی اور شیخ نجاشی کے الفاظ کو کلینی کی مدح میں نقل کیا ہے۔ سید ابن طاؤس (م ۶۶۴ھ) لکھتے ہیں: نقل حدیث میں شیخ کلینی کی وثاقت و امانت داری تمام دانشمندوں کے نزدیک متفق علیہ ہے۔([6]) شیخ حسین بن عبد الصمد عاملی (شیخ بہائی کے پدر بزرگوار) فرماتے ہیں: محمد بن یعقوب کلینی اپنے دور کے تمام علماء کے استاد و رئیس تھے اور نقل احادیث میں موثق ترین عالم تھے آپ حدیث کی چھان بین میں سب سے زیادہ آگاہ اور سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ ملا خلیل قزوینی مشہور فقیہ و محدث اصول الکافی کی فارسی شرح میں لکھتے ہیں: دوست و دشمن سب آپ کی فضیلت کے معترف تھے۔([7])

علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول شرح اصول الکافی میں لکھا ہے: شیخ کلینی تمام فرقوں میں مورد قبول اور ممدوح خاص و عام تھے۔([8]) مرزا عبد اللہ اصفہانی معروف بہ "آفندی" علامہ مجلسی کے نامی گرامی شاگرد لکھتے ہیں: رجال کی کتابوں میں اکثر جگہ "ثقۃ الاسلام" سے مراد جناب ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی صاحب الکافی ہیں یعنی شیخ کلینی ممتاز بزرگوار، عامہ و خاصہ کے نزدیک مسلم، اور دونوں فرقے کے مفتی ہیں۔([9]) محدث اخباری مرزا محمد نیشاپوری، لکھتے ہیں: ثقۃ الاسلام، قدوۃ الاعلام۔ بدر التمام، سفراء امام زمان کی موجودگی میں سنن و آثار معصومین کے جامع، تیسری صدی ہجری میں سیرت و کردار اہل بیت کے زندہ کرنے والے۔([10])

اہل سنت علماء کی آراء

شیخ کلینی کے بعد آنے والے تمام سنی علماء اور مورخین نے اُن کو بڑی عظمت سے یاد کیا ہے اور سب نے آپ کی عظمت و تکریم کی ہے۔ابن اثیر جزری اپنی مشہور کتاب "جامع الاصول" میں لکھتے ہیں: ابو جعفر محمد بن یعقوب رازی۔۔ مذہب اہل بیت کے پیشواؤں میں سے ایک۔۔ بڑے پایہ کے عالم اور نامور فاضل ہیں۔ پھر کتاب نبوت کے حرف نون میں انھیں تیسری صدی ہجری میں مذہب شیعہ کو تجدید حیات بخشنے والا جانا ہے ابن اثیر،، پیغمبر خدا ﷺ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں: خداوند متعال ہر صدی کے آغاز پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جو اس کے دین و آئین کو زندہ اور تجدید حیات عطا کرے گا۔

اس کے بعد اس حدیث پر تبصرہ کیا ہے پھر لکھا ہے کہ: مذہب شیعہ کے مجدد پہلی صدی ہجری کے آغاز میں محمد بن علی باقر (امام پنجم) اور دوسری صدی ہجری کے آغاز میں علی بن موسیٰ الرضا (ع) اور تیسری صدی ہجری کے آغاز میں ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی تھے۔([11]) ابن اثیر کے چھوٹے بھائی (عزالدین علی ابن اثیر جزری) بھی ۳۲۸ھ کے حوادث کے بیان میں اپنی مشہور تاریخ۔۔ الکامل فی التاریخ۔۔ میں شیخ کلینی کو اس سال میں رحلت کرنے والا پہلا عالم جانا ہے وہ لکھتے ہیں: محمد بن یعقوب ابو جعفر کلینی نے۔۔ جو شیعوں کے پیشوا و عالم تھے۔۔ اسی سال وفات پائی۔بزرگ عالم و مشہور لغت شناس جناب فیروزآبادی نے القاموس المحیط کے مادہ "کلین" میں شیخ کلینی کا نام لیا ہے اور انھیں شیعہ فقہاء میں سے قرار دیا ہے۔

ابن حجر عسقلانی اپنی مشہور کتاب لسان المیزان۔۔ جو کہ علماء عامہ اور کبھی کبھی علماء خاصہ کے حالات پر کہیں اجمالی تفصیلی تذکرہ ہے۔ کلینی کے بارے میں لکھتے ہیں: محمد بن یعقوب بن اسحاق ابو جعفر کلینی رازی بغداد میں قیام فرماتھے اور وہاں انھوں نے محمد بن احمد جبار، علی بن ابراہیم بن عاصم اور دیگر لوگوں سے روایت نقل کی ہے۔ کلینی شیعہ فقیہ تھے اور انھوں نے اس مذہب کی موافقت میں بہت زیادہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ابن اثیر نے اپنی دوسری کتاب التبصیر میں لکھا ہے: ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی بزرگ شیعہ علماء میں سے تھے جو مقتدر (عباسی خلیفہ) کے دور میں زندگی بسر کر رہے تھے۔اس کے علاوہ تمام سنی علماء جہاں کہیں بھی "کلینی" نام پر پہنچے ہیں انھیں بڑا عالم، نامور فقیہ اور شیعوں کے متقدم پیشوا کے عنوان سے یاد کیا ہے۔([12])

شیخ کلینی کے اساتذہ

ثقۃ الاسلام کلینی نے شہر رے، قم، بغداد، کوفہ اور دور ونزدیک بہت سے علاقوں کے بزرگ علماء، فقہاء اور محدثین سے ملاقاتیں کی ہیں اور ان کی معلومات و محفوظات کے خرمن سے خوشہ چینی کی ہے نیز ان سے

اجازات حاصل کئے ہیں، ان بزرگ علماء سے اجازہ بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے، کتب تراجم و رجال میں چالیس سے زیادہ فقہاء و محدثین کا نام لیا جاتا ہے کہ جو کلینی کے اساتید اور مشائخ شمار ہوتے ہیں اور کلینی نے ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا ہے۔

شیخ کلینی کے شاگرد

چوتھی صدی ہجری کے مشہور علماء جو چوتھی صدی کے اواخر میں بہت سے علماء کے استاد تھے تقریباً سبھی جناب شیخ کلینی کے شاگرد تھے ،احمد بن ابراہیم معروف بہ ابن ابی رافع صیمری، احمد بن کاتب کوفی، احمد بن علی بن سعید کوفی، احمد بن محمد بن علی کوفی، ابو غالب احمد بن محمد زراری، جعفر بن محمد بن قولویہ قمی۔ عبد الکریم بن عبد اللہ بن نصر بزاز تنیسی، علی بن احمد بن موسیٰ دقان، محمد بن ابراہیم نعمانی، معروف بہ ابن ابی زینب جو کہ شیخ کلینی کے مخصوص شاگرد اور آپ سے بہت قرب رکھتے تھے اور انھوں نے پوری کتاب الکافی اپنے قلم سے اتاری تھی اور انھوں نے شیخ کلینی سے علم و ادب سیکھنے کے بعد اجازہ روایت بھی دریافت کرلیا تھا، محمد بن احمد سنانی زہری مقیم رے، ابو الفضل محمد بن عبد اللہ بن مطلب شیبانی، محمد بن علی ماجیلویہ، محمد بن محمد بن عصام کلینی، ہارون بن موسیٰ تلعکبری شیبانی مجموعاً ۵۱ افراد اور ان کے علاوہ دوسرے بزرگ بھی شیخ کلینی کے شاگرد تھے۔

تالیفات

شیخ کلینی کی ''الکافی'' کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی ہیں۔ شیخ طوسی اور نجاشی نے ذیل کی کتابوں کو شیخ کلینی کی تالیفات میں سے شمار کیا ہے:

۱۔ کتاب الرجال　۲۔ الرد علی القرامطہ　۳۔ رسائل الائمہ علیہم السلام　۴۔ تعبیر الرویہ
۵۔ ما قیل فی الائمہ فی الشعر (مجموعہ شعر جو فضائل و مناقب اہل بیت میں شعراء کے مختلف قصائد کا مجموعہ ہے)
۶۔ الزی والتجمل　۷۔ الدواجن والرواجن ([13])
۸۔ کتاب الکافی (کہ جس کو ہم مفصل طور پر بیان کریں گے)

وفات

ثقۃ الاسلام کلینی آخر کار ۳۲۸ھ یا ۳۲۹ھ میں کہ جو امام زمانہ (ع) کی غیبت کبریٰ کے آغاز کا زمانہ ہے۔ شہر بغداد میں اس دنیائے فانی سے کوچ کیا ہے۔ شیخ طوسی نے اپنی کتاب الفہرست میں کلینی کی وفات ۳۲۸ھ ثبت کی ہے لیکن نجاشی نے الرجال میں اور خود شیخ طوسی نے اپنی دوسری کتاب الرجال میں،

دونوں کتابیں الفہرست کے بعد لکھی گئی ہیں صراحت سے بیان کیا ہے کہ کلینی نے ۳۲۹ ہجری میں وفات پائی ہے۔ آپ کی ابدی آرام گاہ آج بغداد میں دریائے دجلہ کے قدیمی پل کے کنارے ہے اور مسلمانوں کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔

الکافی

علم حدیث میں شیخ کلینی علیہ الرحمہ کی کتاب ''الکافی'' دنیائے اسلام کی اہم ترین کتاب ہے۔ یہ شیعوں کی معروف کتب حدیث میں پہلی کتاب ہے جو شیخ کلینی کی ہمیشہ زندہ رہنے والی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب تین جدا حصوں پر مشتمل ہے :

۱۔اصول　　۲۔فروع　　۳۔روضہ

شیخ کلینی نے کتاب کے پہلے حصے میں آٹھ فصلوں میں شیعہ عقائد کے اصول واعتقادات کی تشریح اوران کے اعتقادی مسائل سے مربوط مطالب کا تذکرہ کیا ہے۔

مولف نے ہر عنوان کی مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب میں متعدد روایات نقل کی ہیں ان میں سے بعض عناوین دوسو سے زیادہ ابواب پر مشتمل ہیں البتہ ہر باب میں ذکر شدہ روایات کی تعداد مختلف ہے کبھی تو ایک باب میں صرف ایک ہی روایت ہے جبکہ بعض ابواب میں دسیوں روایات ذکر ہوئی ہیں۔

وجہ تالیف

شیخ کلینی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے یہ کتاب اپنے ایک دینی بھائی کے خط کے جواب میں لکھی ہے۔اس شخص کا نام مشخص نہیں لیکن احتمال ہے کہ وہ محمد بن عبد اللہ قضاعہ صفوانی یا محمد بن نعمانی ہیں۔

الکافی کے عناوین اور ابواب

اصول کافی : اس حصے میں درج ذیل ابواب کے تحت احادیث جمع کی گئی ہیں :

۱۔ عنوان العقل والجھل

اس عنوان کے تحت صرف ایک باب ہے جو ۳۶ روایات پر مشتمل ہے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ہشام بن حکم کے نام سفارشیں بھی اسی باب میں آئی ہیں۔

۲۔ عنوان فضل العلم

اس میں بہت زیادہ ابواب ہیں جن کے بعض مباحث اس طرح ہیں : حصول علم کا واجب ہونا، علم کے ذریعہ روٹی کمانے والے لوگ، علم کی صفت، علم اور علما کی فضیلت کتابت اور اس کی فضیلت عالم کی صفت، تقلید عالم اور بغیر

علم کے کلام کی ممانعت، تمام انسانوں کو قرآن اور سنت کی ضرورت۔

۳۔ عنوان التوحید

اس میں بھی درج ذیل موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے: کائنات کا حدوث اور اس کا خالق، معرفت خدا کا معمولی درجہ، اس کی ذات کے بارے میں گفتگو سے ممانعت، نظریہ رویت خدا کا بطلان، خدا کے ذاتی صفات، ارادہ اور اس کے دیگر صفات افعالی، اسمائے الٰہی کے معانی، مشیت اور ارادہ، بد بختی اور خوشی بختی، جبر و قدر اور امر بین الامرین۔

۴۔ عنوان الحجہ

کافی کے حصہ اصول کے عنوان، ایمان و کفر، کے بعد سب سے وسیع و عریض عنوان یہی ہے اس میں بہت زیادہ روایات اور ایک سو سے زیادہ ابواب میں ذکر ہوئی ہیں کہ ہم ان کی سرخیوں کو یہاں پر ذکر کر رہے ہیں۔

۱۔ حجت خدا کی ضرورت۔
۲۔ انبیاء و مرسلین اور ائمہ کے طبقات۔
۳۔ رسول، نبی اور محدث میں فرق۔
۴۔ معرفت امام اور اس کی اطاعت کا لزوم
۵۔ ائمہ کے صفات (صاحبان امر، خزان علم، انوار الٰہی، ارکان زمین وغیرہ)۔
۶۔ ائمہ کے سامنے اعمال کا پیش ہونا۔
۷۔ ائمہ کا وارث علوم انبیاء ہونا۔
۸۔ ائمہ کے پاس چیزیں (قرآن کا مکمل علم، کتب انبیائ، صحیفہ فاطمہ، جفر و جامعہ وغیرہ)۔
۹۔ علم ائمہ اور اس میں اضافے کی مختلف جہتیں۔
۱۰۔ ائمہ اثنا عشر میں ہر ایک پر دلالت کرنے والے نصوص۔
۱۱۔ تاریخ ائمہ کے چیدہ اوراق۔

۵۔ عنوان الایمان والکفر

الکافی کے حصہ اصول کا سب سے وسیع و گستردہ عنوان بھی ہے جو دو سو سے زیادہ عناوین پر مشتمل ہے۔ اس عنوان کے اصلی مباحث اس طرح ہیں:

خلقت مومن و کافر، اسلام و ایمان کا معنی، مومن کے صفات اور ایمان کے حقائق، اصول و فروع کفر، گناہ اور اس کے آثار و اقسام، کفر کے اقسام۔

۶۔ عنوان الدعاء

یہ عنوان دو حصوں میں ہے: **پہلا حصہ**: دعا کی فضیلت اور آداب کے باب میں ہے اس حصے میں پہلے آثار دعا، دعا کے وسیلہ سے قضاوقدر الٰہی کی تبدیلی، تمام بیماریوں کی شفا، اور اس کا استحباب بیان کیا گیا ہے پھر اس کے بعد آداب دعا جیسے دعا میں سبقت، قبلہ رخ بیٹھنا، اور دعا کے قوت یادخدا میں رہنا، پنہانی دعا، دعا کے مناسب اوقات، دعا میں اجتماعی شرکت کا بیان ہے۔

دوسرا حصہ: اس حصہ میں بعض دعائیں اور چھوٹے چھوٹے اذکار یا بعض خاص حالات کی دعائیں جمع کی گئی ہیں جیسے خواب سے بیدار ہونے کے وقت کی دعا، گھر سے باہر نکلتے وقت کی دعا، نماز کی تعقیبات، بیماریوں کے وقت کی دعا، قرائت قرآن کرتے وقت کی دعا وغیرہ۔

۷۔ عنوان فضل القرآن

اس میں چودہ باب ہیں جیسے حاملین قرآن کی فضیلت، قرائت قرآن، ترتیل وحفظ قرآن وغیرہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے اسی طرح ہر روز کس مقدار میں قرآن کی تلاوت کرنی چاہیے وغیرہ کا بیان موجود ہے۔

۸۔ عنوان المعیشۃ

کافی کے حصہ اصول کا آخری عنوان یہی ہے جس میں درج ذیل مضامین ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں:

ہم نشین کا لازمی ہونا، اچھی معاشرت، اچھے اور برے ہم نشین، آداب ووظائف معاشرت، سماجی تعلقات، ایک دوسرے کو سلام کرنا، بڑوں کا احترام، کریموں کا احترام، بزم کی باتوں کو امانت سمجھنا، پڑوسی کا حق، میاں بیوی کا حق، نامہ نگاری وغیرہ۔

فروع کافی

کتاب کافی کا دوسرا حصہ فروع الکافی، ہے جس میں فقہی مسائل سے متعلق روایات ہیں۔فروع الکافی کے اہم ابواب درج ذیل ہیں:

۱۔کتاب الطہارۃ۔۲۔کتاب الحیض۔۳۔کتاب الجنائز۔۴۔کتاب الصلوۃ۔۵۔کتاب الزکاۃ والصدقہ۔۶۔کتاب الصیام۔۷۔کتاب الحج۔۸۔کتاب الجہاد۔۹۔کتاب المعیشۃ۔۱۰۔کتاب النکاح۔۱۱۔کتاب العقیقہ۔۱۲۔کتاب الطلاق۔۱۳۔کتاب العتق والتدبیر والمکاتبۃ۔۱۴۔کتاب الصید۔۱۵۔کتاب الذبائح۔۱۶۔کتاب الاطعمۃ۔۱۷۔کتاب الاشربہ۱۸۔کتاب الری والتجمل۔۱۹۔کتاب الدواجی۔۲۰۔کتاب الوصایا۔۲۱۔کتاب

المواریث۔۲۲۔کتاب الحدود۔۲۳۔کتاب الدیات۔۲۴۔کتاب الشہادات۔۲۵۔کتاب القضاء والاحکام۔۲۶۔کتاب الایمان والنذور والکفارات۔

یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ فروع کافی کے بعض ابواب، فقہی کتابوں میں مستقل طور پر لائے جاتے ہیں جبکہ اجارہ، بیع، رہن، عاریہ، ودیعہ وغیرہ کافی کے عنوان المعیشۃ میں اورامر بالمعروف عنوان الجہاد میں نیز زیارات باب الحج میں ذکر ہوئے ہیں۔فروع کافی، کتاب کافی کا سب سے بڑا حصہ ہے۔

روضۃ الکافی

الکافی کا تیسرا حصہ روضۃ الکافی کے نام سے معروف ہے جس میں مختلف موضوعات سے متعلق روایات بغیر کسی خاص نظم وترتیب کے ذکر کی گئی ہیں۔نمونہ کے طور پر ذیل کے عناوین ملاحظہ کریں:

ا۔ بعض آیات قرآن کی تفسیر وتاویل۔۲۔ائمہ معصومین کے وصایا و مواعظ۔۳۔ بیماریاں اور اس کا علاج۔۴۔ خواب اوراس کی قسمیں۔۵۔ تخلیق کائنات کی کیفیت اور بعض موجودات۔۶۔بعض بزرگ انبیاء کی تاریخ۔۷۔ شیعوں کے فضائل ووظائف۔۸۔ صدراسلام کی تاریخ اورخلافت امیرالمؤمنین سے متعلق بیانات۔۹۔ حضرت مہدیؑ اوران کے اصحاب کے صفات اورزمانہ ظہور کے حالات۔۱۰۔ بعض اصحاب واشخاص جیسے ابوذر، سلمان، جعفر طیار، زید بن علی وغیرہ کی تاریخ زندگی۔([14])

الکافی کی روایات کی تعداد

روایات کافی کی تعداد بڑی مختلف بتائی گئی ہے علامہ شیخ یوسف بحرانی نے کتاب لولوء البحرین میں ۱۶۱۹۹ حدیث، ڈاکٹر حسین علی محفوظ نے مقدمہ کافی میں ۱۵۱۷۶ حدیث، علامہ مجلسی نے ۱۶۱۲۱ حدیث اور ہمارے بعض ہم عصر بزرگوں جیسے عبدالرسول الغفار نے ۱۵۵۰۳ حدیث شمار کی ہیں۔([15])

البتہ یہ اختلاف روایات کے شمار کرنے کی نوعیت سے تعلق رکھتا ہے اس طرح سے کہ بعض نے جو روایات دوسند سے ذکر ہوئی ہیں انھیں دو روایت اور بعض نے ایک ہی مانا ہے اسی طرح بعض نے مرسل روایات کو جو ''فی روایۃ اخری'' کے ساتھ ذکر ہوئی ہیں انھیں ایک الگ حدیث سمجھا ہے جبکہ بعض نے انھیں علیحدہ حدیث نہیں سمجھا ہے البتہ بعض جگہوں پر روایات کی تعداد کا اختلاف نسخوں میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔([16])

الکافی کی اہمیت کے بارے میں علماء کی آراء

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے ہم پہلے اس میدان کے شہسواروں اور حدیث کے بزرگوں کے کلمات کا تذکرہ کریں گے اس کے بعد اس کتاب کے بعض خصوصیات کو بیان کریں گے۔

شیخ مفید: شیخ مفید، جناب کلینی کے ہم عصر شمار ہوتے ہیں؛ وہ کافی کے بارے میں لکھتے ہیں: کتاب کافی شیعوں کی برترین اور پر فائدہ ترین کتاب ہے۔ ([17])

شہید اول: شہید محمد بن مکی، ابن خارب کو لکھے گئے اپنے اجارہ میں شیعوں کی کتب حدیث کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کتاب کافی کے مانند شیعوں میں حدیث کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ ([18])

شہید ثانی: شیخ ابراہیم مسینی کے نام اپنے اجارہ میں کتاب کافی کو بقیہ تین کتاب الفقیہ، التہذیب، الاستبصار کے ہمراہ اسلام وایمان کا ستون شمار کرتے ہیں۔ ([19])

مجلسی اول: کا بھی دعویٰ ہے کہ مسلمانوں میں کتاب کافی کے مانند کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ ([20])

مجلسی ثانی: اپنی کتاب مرآۃ العقول میں کتاب کافی کی مفصل شرح میں لکھتے ہیں: کتاب کافی تمام کتب اصول وجوامع سے جامع تر اور مضبوط کتاب ہے اور فرقہ ناجیہ شیعہ امامیہ کی بزرگترین وبہترین کتاب ہے۔ ([21])

علامہ مامقانی: کا کہنا ہے کہ کافی کے مانند اسلام میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب امام زمان علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی امام نے اسے پسند کیا اور فرمایا: یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ ([22])

آقا بزرگ تہرانی: عظیم ترین ماہر کتابیات آقا بزرگ تہرانی کا کہنا ہے کہ کتاب کافی کتب اربعہ میں برترین کتاب ہے اور اس کے مانند روایات اہلبیت پر مشتمل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ ([23])

الکافی کی خصوصیات

۱۔ جامعیت کافی کی سب سے بڑی خصوصیت ہے چونکہ ہماری دوسری کتب حدیث میں وہ جامعیت نہیں پائی جاتی جو الکافی میں ملتی ہے، جیسا کہ ہم نے من لایحضرہ الفقیہ اور استبصار کے باب میں واضح کیا ہے کہ اُن میں فقط فقہی عناوین پر احادیث جمع کی گئی ہیں لیکن کافی میں شیخ کلینی نے نہ فقط فقہ کے تمام ابواب کا احاطہ کیا ہے بلکہ عقائد ومعارف کے بارے میں بھی بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب دوسری کتب حدیث کی نسبت جامعیت کی حامل ہے۔

۲۔ اس کتاب کے مولف نے امام حسن عسکری علیہ السلام کا زمانہ اور امام زمانہ علیہ السلام کے چار نائبین کا زمانہ دیکھا ہے۔

۳۔ مولفین اصول کے زمانہ سے نزدیک ہونے کے باعث مولف نے بہت کم واسطوں سے روایات نقل کی ہیں یہی وجہ ہے کہ کافی کی بہت سی روایات فقط تین واسطوں سے نقل ہوئی ہیں (دیکھے کتاب ثلاثیات الکلینی وقرب الاسناد تالیف امین ترمس العاملی)

۴۔ کتاب کے عناوین بڑے مختصر اور واضح ہیں جو ہر باب کی روایات کا پتہ دیتے ہیں۔

۵۔ روایات بغیر کسی دخل وتصرف کے نقل ہوئی ہیں اور مصنف کے بیانات احادیث سے مخلوط نہیں ہیں۔
۶۔ مصنف کی کوشش رہی ہے کہ صحیح اور واضح احادیث کو باب کے آغاز میں اور اس کے بعد مبہم و مجمل احادیث کو ذکر کریں۔ ([24])
۷۔ حدیث کی پوری سند ذکر ہوئی ہے اسی لئے یہ کتاب تہذیب الاسلام ، الاستبصار اور من لایحضرۃ الفقہ سے متفاوت ہے۔
۸۔ مؤلف نے انھیں روایات کو ذکر کیا ہے جو باب کے عنوان سے سازگار ہیں اور متضاد احادیث کے نقل سے پرہیز کیا ہے۔
۹۔ روایات کو ان کے باب کے علاوہ جگہوں پر ذکر نہیں کیا ہے۔
۱۰۔ کتاب کے ابواب کو بڑے دقیق اور منطقی انداز سے تنظیم کیا ہے: عقل و جہل پھر علم اس کے بعد توحید کو شروع کرنے سے درحقیقت معرفت شناسی کے بعض مباحث کو پہلے مرحلے میں قرار دیا ہے پھر اس کے بعد توحید و امامت تک پہنچنے میں اس کے بعد اخلاقی روایات کو نقل کرکے فروع اور احکام تک پہنچے ہیں اور آخر میں مختلف قسم کی روایات کو کشکول کے مانند جمع کیا ہے۔ ([25])

الکافی پر کئے گئے اشکالات کی حقیقت

فن حدیث کے ماہر بزرگوں نے کتاب کافی کی بڑی تحلیل و تکریم کے پہلو میں اس پر کچھ اعتراضات بھی کئے ہیں:
الف: علامہ فیض کاشانی نے اپنی کتاب وافی کے مقدمہ میں درج اشکال کئے ہیں:
۱۔ کافی میں بہت سے فقہی احکام نہیں بیان کئے گئے ہیں۔
۲۔ کافی میں بعض جگہ قول مخالف کی روایات کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔
۳۔ کافی میں مشکل اور مبہم الفاظ کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔
۴۔ کافی میں بعض عناوین کے ابواب اور روایات میں مد نظر ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا ہے اور کبھی تو غیر جگہ پر ذکر کر دیا گیا ہے یا ایک عنوان کو حذف کرکے دوسرا غیر ضروری عنوان ذکر کیا گیا ہے۔
ب: بعض متضاد روایات یا مسلمان مذہب کے خلاف روایات موجود ہیں جو اس کتاب پر اشکال کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں بعنوان مثال کافی میں کچھ ایسی روایات پائی جاتی ہیں جو تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں اور شیعہ عقیدہ کے خلاف ہیں۔
ج: بعض ایسے اسماء ہیں جیسے محمد، احمد، حسین ، محمد بن یحیٰی، احمد بن محمد وغیرہ جو چند افراد میں مشترک ہیں مصنف نے اس سلسلہ میں کوئی توضیح نہیں دی ہے لہٰذا واضح نہیں ہو پایا کہ اس سے کون مراد ہے البتہ بعض

جگہوں پر قرائن کے ذریعہ مد نظر راوی یا مروی غیر کی تشخیص دی جاسکتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ راہ ہر جگہ راہ گشا نہیں ہے اور منظور نظر راوی مبہم رہ جاتا ہے۔

د: اگلا اشکال یہ ہے کہ یہ طے ہے کہ شیخ کلینی نے تمام روایات کو اپنے استاد سے نہیں سنا ہے بلکہ بعض کو سنا ہے اور بعض کو اجازہ کی شکل میں ان سے دریافت کیا ہے حالانکہ دونوں صورتوں میں سند متصل اور معتبر ہے لیکن کلینی نے ان دونوں میں فرق قائم نہیں کیا ہے اور سب کو الگ ہی کلمہ عن کے ذریعہ ایک دوسرے سے متصل کر دیا ہے درحالیکہ بعض مولفین نے ان دونوں قسموں میں لفظ حدثنا اور لفظ روینا کے ذریعہ فرق قائم رکھا ہے۔

ہ: بعض نے کلینی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کیوں کافی میں انھوں نے بعض راویوں کے قطعاً ضعیف ہونے کے باوجود ان سے روایت نقل کی ہے جیسے :وھب بن وھب (ابوالبختری) احمد بن ھلال، محمد بن ولید صیرفی، عبداللہ بن قاسم حارثی وغیرہم۔

ان تمام اشکالات و اعتراضات کے سلسلہ میں کتاب الکافی والکلینی اور کتاب الکلینی وکتابہ الکافی میں بحث کی گئی ہے ہم ان اشکالات کے سلسلہ میں فی الحال کوئی فیصلہ نہیں کرتے لیکن اتنا ضروری کہیں گے کہ اگر سارے اعتراضات صحیح مان بھی لیے جائیں تب بھی شیخ کلینی کے کام کی عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا نیز ان کی کتاب پر اطمینان واعتبار میں بھی کمی نہیں آئے گی البتہ کوئی کتاب سوائے اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب قرآن کے محفوظ نہیں اور کوئی مولف سوائے ائمہ معصومین علیہم السلام کے کہ جن کو خدا نے عصمت سے نوازا ہے خطا و غلطی سے محفوظ نہیں ہے۔([26])

روضۃ الکافی کے بارے میں ایک شبہہ

بعض لوگ روضۃ الکافی کو کلینی کے آثار میں نہیں شمار کرتے بلکہ اسے السرائر کے مولف جناب ابن ادریس کی طرف نسبت دیتے ہیں اس لئے اسے کافی کا حصہ تسلیم نہیں کرتے اس کے مقابلے میں بہت سے علماء اسے کافی کا جزء اور کلینی کی تالیف مانتے ہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث کو کتاب الکلینی والکافی میں ص۴۰۸ سے ص ۴۱۵ تک اور کتاب الکلینی والکتاب الکافی میں ص ۱۳۲ سے ص ۱۴۰ تک ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

کافی پر انجام شدہ تحقیقات

کتاب کافی ایسی تالیف کے پہلے مرحلے سے ہی علماء اور محدثین کی توجہ کا مرکز بنی رہی ہے اسی لئے اس کتاب پر بڑا کام ہوا ہے۔ شیخ آقا بزرگ تہرانی نے اپنی کتاب االذریعہ میں اصول یا پوری کتاب کی ۲۷ شرح کا تعارف پیش کیا ہے۔([27]) اسی طرح اس کتاب پر دس حاشیہ بھی شمار کیا ہے (الذریعہ الی تصانیف الشیعہ،

ج٦، ص١٨١، المعجم الفھرس لالفاظ بحار الانوار، ج١، ص٦٦) اسی طرح بعض دیگر اہل قلم نے کتاب کافی کے سلسلہ میں بہت سے کام ہونے کا تذکرہ کیا ہے کہ جن میں بہت سے آثار چھپ نہیں سکے ہیں یا بعض دسترس میں ہی نہیں ہیں۔([28])

الکافی سے متعلق کتابیں

یہاں پر کتاب کافی سے متعلق نشر شدہ آثار کی طرف چند حصوں میں اشارہ کیا جاتا ہے:

تعلیقات اور شرحیں

١۔التعلیقۃ علی کتاب الکافی، محمد باقر حسینی معروف بہ میر داماد (متوفی١٠٤١ھ) تحقیق سید مہدی رجائی (مطبعہ خیام قم، ١٤٠٣ھ)

یہ تعلیقہ اصول کافی کی کتاب حجت تک ہے تعلیقہ کے ساتھ اصل روایات بھی چھپی ہیں اسی طرح شارح کی ایک اور کتاب بنام الرواشح السماویہ بھی ہے جس میں علم حدیث کے بعض قواعد اور کافی کے مقدمہ کی شرح ہے جو درحقیقت اس تعلیقہ کی جلد اول شمار کی جاسکتی ہیں۔

٢۔شرح اصول الکافی، صدرالدین شیرازی (متوفی ١٠٥٠ھ)

یہ شرح اصول کافی کی کتاب الحجہ کے آخر تک ہے جو محمد خواجوی کی تصحیح کی ساتھ دو جلد میں موسسہ مطالعات وتحقیقات کے توسط سے چھپ چکی ہے اس شرح کو محمد خواجوی نے فارسی میں ترجمہ بھی کیا ہے اور اسی پبلشر کی طرف سے دو جلد میں طبع ہوئی ہے۔

٣۔ الحاشیہ علی اصول الکافی رفیع الدین محمد بن حیدرالنائینی، تحقیق محمد حسین درایتی (دارالحدیثہ قم ١٣٨٣ھ،ش) ٦٧٢ص وزیرک سائز۔

٤۔ الحاشیہ علی اصول الکافی سید بدرالدین بن احمد الحسینی العاملی تحقیق علی فاصلی (دارالحدیثہ قم ١٣٨٣ھ،ش) ٦٧٢ص وزیری سائز۔

٥۔الدرالمنظوم من کلام المعصوم علی بن محمد بن حسی نبی زین الدین عاملی (١١٠٣تا ١١٠٤ھ) تحقیق: محمد حسین درایتی (دارالحدیثہ قم ١٣٨٣ھ،ش) ٦٧٢ص وزیری سائز۔

٦۔ مرآۃالعقول محمد باقر مجلسی (متوفی ١١١٠ھ) دارالکتب العلمیہ تہران ١٤٠٤ھ ١٣٦٣ھ ش ٣٦ج۔

٧۔ شرح الکافی، الاصول والروضۃ محمد صالح مازندرانی تعلیق میرزا ابوالحسن شعرانی (تہرانی المکتبہ الاسلامیۃ ١٣٤٣) ١٢ج۔

۸۔الشافی فی شرح اصول کافی، ۳ج، عبدالحسین المظفر (مطبعۃ الغری، نجف اشرف ۱۳۸۹ھ، ۱۹۶۹ع)۔([29])

ب: تراجم

فارسی ترجمہ

ا۔ اصول کافی، ترجمہ وشرح فارسی: سید جواد مصطفوی (تہران، دفتر نشر فرہنگ اہل بیت ۲ج) یہ ترجمہ متن احادیث کے ہمراہ ہے۔

۲۔الروضۃ من الکافی، ترجمہ وشرح فارسی: سید ہاشم رسولی محلاتی (تہران، انتشارات علمیہ اسلامیہ) ۲ج۔

۳۔اُصول کافی، ترجمہ وشرح فارسی، آیت اللہ شیخ محمد باقر کمرہ ای (انتشارات اُسوہ، تہران، ۱۳۷۰ش)

اُردو ترجمہ:

۳۔الشافی ترجمہ اُصول کافی: سید ظفر حسن نقوی (ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ، کراچی)

انگریزی ترجمہ

۴۔الکافی، انگریزی ترجمہ، الموسسہ العالمیۃ للخدمات الاسلامیۃ۔ (اس ترجمہ کی اب تک ۱۳ جلدیں عربی متن کے ہمراہ نشر ہو چکی ہیں)

ج: تلخیصات

ا۔ گزیدہ کافی، فارسی ترجمہ و تحقیق: محمد باقر بہبودی (تہران، شرکت انتشارات علمی وفرہنگی، ۱۳۹۶ش) ۶ جزء تین مجلد میں (حق معارف وآداب ح ۳: طہارت، صلاۃ، ج ۳، زکات روزہ ج ۴: حج معیشیت ج ۵، ازدواج، مشروبات ۶ ج: زینت وگل وگلشن)۔

۲۔ خلاصہ اصول کافی، فارسی ترجمہ، علی اصغر خسروی سبشتری (تہران، کتاب فروشی امیری، ۱۳۵۱ ش) ۷۰۲ص۔

۳۔ الصحیح من الکافی، ۳ج، محمد باقر بھبودی (الدار الاسلامیۃ ۱۴۰۱ھ۔ ۱۹۸۱ع)۔

۴۔ درخشان پرتوی از اصول کافی، سید محمد حسین ہمدانی (قم، مولف ۱۴۰۶ ق)۔

د: معاجم وراہنما

ا۔ المعجم المفہرس الفاظ اصول اکفی، الیاس کلانتری (تہرانی انتشارات کعبہ)۔

۲۔المعجم الفہرس لالفاظ الاصول من الکافی، علی رضا برازنش

(تھران، منطقه الاعلام الاسلامی، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ع اول)

۳۔ الهادی الی الفاظ اصول کافی سید جواد مصطفوی۔

۴۔ فهرس احادیث اصول کافی، مجمع البحوث الاسلامیه۔

۵۔ فهرس احادیث الروضه من الکافی، مجمع البحوث الاسلامیه۔

۶۔ فهرس احادیث الفروع من الکافی، مجمع البحوث الاسلامیه۔

۷۔ فهرس احادیث الکافی، بنیاد پژوهش های اسلامی استان قدس رضوی۔

ہ: اسناد و رجال کافی

۱۔ تجرید اساتید الکافی و تنقیحا، حاج میراز مهدی صادقی (قم، ۱۴۰۹ھ)

۲۔ الموسوعة الرجالیة، حسین طباطبائی بروجردی، ۷جلد تنظیم: میرزا احسن النوری

(مجمع البحوث الاسلامیه، مشهد ۱۴۱۳ھ)

اس مجموعہ کی پہلی جلد بعنوان ترتیب اسانید کتاب الکافی ۵۶۷ ص میں اور جو دوسری جلد بعنوان رجال اسانید اور طبقات رجال الکافی، ۴۶۸ صفحہ میں کافی سے متعلق ہے۔

و: کافی سے متعلق اہم کتابیں

۱۔ دفاع عن الکافی، ثامر هاشم حبیب المعیدی، ۲جلد، مرکز الغدیر للدراسات الاسلامیه، ۱۴۱۵ھ

۲۔ الشیخ الکلینی البغدادی و کتابه الکافی، ثامر هاشم حبیب العمیدی، مکتب الاسلامی، قم ۱۴۱۴ھ۔ اس کتاب میں شیخ کلینی کی ذاتی اور علمی زندگی، کافی کے سلسلہ میں ان کی علمی کاوشیں فروع کافی میں ان کی کیا روش رہی ہے بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ الکلینی وخصومه د ابوزهره، عبدالرسول الغفار۔ اس کتاب میں مصری مولف ابوزہرہ کے کافی پر اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

۴۔ بحوث حول روایات الکافی، امین ترمس العاملی، موسسة دار الهجرة، قم ۱۴۱۵ھ

۵۔ دراسات فی الکافی للکلینی والضحیح للبخاری، هاشم معروف الحسینی۔ مولف نے اس کتاب میں کافی اور بخاری کے درمیان موازنہ کیا ہے اور کچھ عناوین کا انتخاب کرکے اپنا فیصلہ سنایا ہے۔

۶۔ ثلاثیات الکلینی وقرب الاسناد، امین ترمس العاملی۔ اس کتاب کے مقدمہ میں شیخ کلینی کے حالات زندگی اور ثلاثیات کی اصطلاحات کی توضیح کے بعد صرف تین واسطوں سے معصومین علیہم السلام تک متصل ہونے والی روایات کو انتخاب کیا ہے جن کی تعداد کل ۱۳۵ بنتی ہے۔

۷۔ الکلینی والکافی۔ الدکتور عبدالرسول الغفار، موسسۃ النشر الاسلامی، قم(۱۴۱۶ھ) ([30])

.....

حوالہ جات

1۔ بحر العلوم، محمد مہدی الطباطبائی، الفوائد الرجالیہ، ج ۳، ص ۳۳۶۔
2۔ آیۃ اللہ خوئی، معجم رجال الحدیث، ج ۱۹، ص ۵۴۔
3۔ رجال الطوسی، ص ۵۹۴۔
4۔ شیخ طوسی، الفہرست، ص ۵۳۱۔
5۔ رجال النجاشی، ص ۳۷۷۔
6۔ الکافی، ج ۱، ص ۲۰ (مقدمہ)۔
7۔ ایضاً۔
8۔ مجلسی، مرآۃ العقول ج ۱، ص ۳۔
9۔ الکافی، ج ۱، ص ۲۰ (مقدمہ)۔
10۔ (ایضاً)۔
11۔ علی دوانی، مفاخر اسلام ج ۳ ص ۴۰۔
12۔ ایضاً۔
13۔ رجال النجاشی، ص ۳۷۷۔ اختیار معرفۃ الرجال، ص ۴۳۹۔
14۔ سوفٹ ویئر، نور، جامع الاحادیث، نسخہ ۲/۵۔
15۔ عبدالرسول الغفار، الکلینی والکافی، ص ۴۰۲۔
16۔ عبدالرسول الغفار، الکلینی والکافی، ص ۳۹۹۔
17۔ شیخ مفید، تصحیح الاعتقاد، ص ۳۰۲۔
18۔ علی دوانی، مفاخر اسلام ج ۳ ص ۴۰۔
19۔ ایضاً۔

20۔ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۱۰، ص۷۰۔
21۔ مجلسی، مرآۃ العقول، ج۱، ص۳۔
22۔ علی دوانی، مفاخر اسلام ج۳ ص۴۰۔
23۔ آقا بزرگ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج۱۷، ص۳۴۵۔
24۔ اصول کافی، ج۱، ص۱۰ مقدمہ مترجم سید جواد مصطفوی، آشنائی با تاریخ و منابع حدیثی، ص۲۰۸۔
25۔ علی دوانی، مفاخر اسلام ج۳ ص۴۰، مہدی مہریزی، آشنائی با متون حدیث و نہج البلاغہ، ص۸۸، ۷۸۔
26۔ ایضاً۔
27۔ دیکھئے: الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج۱۳، ص۹۴ تا ص۱۰۰، المعجم الفہرس الالفاظ بحار الانوار، ج۱، ص۶۶ تا ص۶۷۔
28۔ مہدی مہریزی، آشنائی با متون حدیث و نہج البلاغہ، ص۸۸، ۷۸۔
29۔ ایضاً۔
30۔ علی دوانی، مفاخر اسلام ج۳ ص۴۰، مہدی مہریزی، آشنائی با متون حدیث و نہج البلاغہ، ص۹۲، ۹۱۔

☆☆☆☆☆

اہل قلم سے اپیل

سہ ماہی ''نور معرفت '' علمی و تحقیقی جریدہ ہے جسے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ وطلاب کے درمیان علمی و تحقیقی شوق و جستجو پیدا کرنے کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔یہ جریدہ تمام مدارس اوراساتذہ وطلاب سے متعلق ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں آپ کا علمی تعاون اور قیمتی آراء ہمیں اس جریدہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔آپ سے گذارش ہے کہ اپنی دینی و علمی تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کیلئے ارسال کریں۔ تحقیقی اور علمی تحریروں کا دل کھول کر استقبال کیا جائے گا۔تمام تحریریں،فرقہ وارانہ مواد سے پاک اور علمی حوالوں سے مزین ہونی چاہیں۔

مدیر

سہ ماہی نور معرفت اسلام آباد

شعبہ تحقیقات۔نور الہدیٰ ٹرسٹ۔(رجسٹرڈ) بارہ کہو۔اسلام آباد

فون:2231937-051 ای میل noor.marfat@gmail.com

سہ ماہی نور معرفت

ممبر شپ فارم

نام .....ولدیت.....

تعلیم .....پیشہ.....

فون.....موبائیل .....

ای میل ایڈریس .....

پتا.....

شہر ..... پوسٹ کوڈ.....

براہ کرم.....سال کے لئے نور معرفت میرے نام جاری کر دیجئے۔

.....دفتری استعمال کے لئے.....

رجسٹریشن نمبر.....تاریخ اجراء.....

تعارف کنندہ.....دستخط سرکولیشن انچارج.....

نوٹ:

۱۔فارم کی فوٹو کاپی بھی بھیجی جاسکتی ہے۔

۲۔نور معرفت کے نام عطیات منی آڈر کے ذریعے ارسال کیے جاسکتے ہیں۔

۳۔درخواست کی صورت میں جریدہ وی پی کیا جائے گا۔وی پی وصول کرنا آپ کا اخلاقی وشرعی فریضہ ہے۔

۴۔ڈاک خرچ ممبران کے ذمہ ہوگا۔

سہ ماہی نور معرفت اسلام آباد۔ شعبہ تحقیقات۔نور الہدیٰ ٹرسٹ۔(رجسٹرڈ)

بارہ کہو۔ اسلام آباد

فون:2231937-051 ای میل noor.marfat@gmail.com

نور الہدیٰ ٹرسٹ کی مطبوعات

نام کتاب	موئف	قیمت
حیات فاطمہ	ڈاکٹر سید جعفر شہیدی	175
تعلیم الاحکام	محمد حسین فلاح زادہ	175

زیر طبع

انوار فاطمیہؑ	(چالیس احادیث کا مجموعہ)	(پہلا ایڈیشن)
زینبؑ	(تاریخ کا ایک نا گزیر کردار)	(دوسرا ایڈیشن)
امام خمینیؒ سے ایک ملاقات	(ایک مغربی دانشور کی ملاقات)	(دوسرا ایڈیشن)

براہ راست ہم سے طلب کریں ڈاک خرچ ادارہ کے ذمہ ہوگا۔

شعبہ تحقیقات۔ نور الہدیٰ ٹرسٹ۔ (رجسٹرڈ) سادات کالونی، بارہ کہو۔ اسلام آباد

فون: 2231937-051 ای میل noor.marfat@gmail.com

يَا عَلِيُّ يَا عَظِيمُ يَا غَفُورُ يَا رَحِيمُ أَنْتَ الرَّبُّ الْعَظِيمُ الَّذِىْ
لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَىْءٌ وَّ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ وَ هٰذَا شَهْرٌ
عَظَّمْتَهُ وَ كَرَّمْتَهُ وَ شَرَّفْتَهُ وَ فَضَّلْتَهُ عَلَى الشُّهُورِ
وَهُوَ الشَّهْرُ الَّذِى فَرَضْتَ صِيَامَهُ عَلَىَّ وَ هُوَ شَهْرُ
رَمَضَانَ الَّذِى اَنْزَلْتَ فِيْهِ الْقُرْآنَ هُدًى لِلنَّاسِ
وَ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ وَ جَعَلْتَ فِيْهِ لَيْلَةَ
الْقَدْرِ وَ جَعَلْتَهَا خَيْرًا مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ فَيَا ذَالْمَنِّ وَ لَا
يُمَنُّ عَلَيْكَ مُنَّ عَلَىَّ بِفَكَاكِ رَقَبَتِىْ مِنَ النَّارِ
فِيْمَنْ تَمُنُّ عَلَيْهِ وَ اَدْخِلْنِى الْجَنَّةَ
بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

یکی از مطبوعات

نور الھدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی، بارہ کہو، اسلام آباد فون: 051-2231937